روزانہ درس قرآن کریم

تفسیر

سورۃ لقمان ــــ مکی

سورۃ السجدۃ ــــ مکی

سورۃ الاحزاب ــــ مکی

سورۃ سبا ــــ مکی

سورۃ فاطر ــــ مکی

سورۃ یٰسٓ ــــ مکی

سورۃ الصّٰفّٰت ــــ مکی

(جلد ۱۵)

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ
خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ

طبع گیارہ

(جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب .... معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ لقمان تا سورۃ الصّٰفّٰت) جلد ۱۵
افادات .... حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ
مرتب .... الحاج لعل دین، ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار ٹاؤن لاہور
تعداد طباعت .... پانچ سو (۵۰۰)
سرورق .... سید النفیسین حضرت شاہ نفیس الحسینی مدظلہ
کتابت .... محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ
ناشر .... مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ
قیمت .... ۲۸۰/- (دو سو اسی روپے)
تاریخ طبع گیارہ .... جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ بمطابق جون ۲۰۰۸ء

ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ دروس القرآن محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ
(۲) مکتبہ رحمانیہ اقرا سنٹر اردو بازار لاہور
(۳) مکتبہ قاسمیہ الفضل مارکیٹ لاہور
(۴) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور
(۵) کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
(۶) کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
(۷) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۲ کراچی
(۸) اسلامیہ کتب خانہ اڈا کامی ایبٹ آباد
(۹) مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
(۱۰) مکتبۃ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین معالم العرفان فی دروس القرآن حصہ ۹

مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

ربط آیات	۷۶
اعمال کی پیشی	۷۶
نماز کی تاکید	۷۷
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	۷۹
صبر کی ترغیب	۸۰
تکبر کی ممانعت	۸۱
چال میں میانہ روی	۸۱
آواز کی پستی	۸۲
درس ہفتم ۷ (آیت ۲۰ تا ۲۴)	۸۴
ربط آیات	۸۵
تسخیر ارض وسما	۸۶
تکمیل نعمت	۸۷
دلائل توحید	۸۸
آباؤ اجداد کی اندھی تقلید	۸۹
ایمان کا مضبوط کڑا	۹۱
کفر کا انجام	۹۲
درس ہشتم ۸ (آیت ۲۵ تا ۳۰)	۹۴
ربط آیات	۹۵
دلائل توحید	۹۶
توحید کے چار درجے	۹۷
اللہ کی صفاتِ کمال	۹۹
بعث بعد الموت	۱۰۰
درس نہم ۹ (آیت ۳۱ تا ۳۲)	۱۰۲
ربط آیات	۱۰۴
کشتی رانی بطورِ نشانی	۱۰۵
صبر و شکر کی منزل	۱۰۷
توحید کی دلیل	۱۰۸
قیامت کا طوفان	۱۰۹
دنیا اور شیطان کا دھوکہ	۱۱۰
درس دہم ۱۰ (آیت ۳۴)	۱۱۲
ربط آیات	۱۱۲
مفاتح الغیب	۱۱۲
شانِ نزول	۱۱۳
وقوعِ قیامت کا علم	۱۱۳
نزولِ بارش کا علم	۱۱۴
حمل کا علم	۱۱۵
آمدہ کل کا علم	۱۱۵
جائے موت کا علم	۱۱۶
اکوان اور احکام کا علم	۱۱۸
علمِ غیب پر اصولی بحث	۱۱۸
سورۃ السجدۃ (مکمل)	۱۲۱
درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۵)	۱۲۲
نام اور کوائف	۱۲۳
سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط	۱۲۳
فضائل سورۃ	۱۲۴
مضامین سورۃ	۱۲۵

درگزر اور استغفار ۱۷۶
فضائل سورۃ ۱۷۷
سورۃ الاحزاب (مکمل) ۱۷۹
درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۳) ۱۸۰
نام اور کوائف ۱۸۱
زمانہ نزول ۱۸۱
مضامین سورۃ ۱۸۱
سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط ۱۸۲
شرف خاتم النبیین ۱۸۳
خوف خدا ۱۸۴
مداہنت کی ممانعت ۱۸۴
چار اصول دین ۱۸۶
اتباع وحی ۱۸۷
گمراہ کن لیڈر ۱۸۸
اسلاف کی قربانیاں ۱۸۹
توکل علی اللہ ۱۸۹
درس دوم ۲ (آیت ۴ تا ۵) ۱۹۱
ربط آیات ۱۹۲
ظہار کا مسئلہ ۱۹۴
منہ بولے بیٹے کا مسئلہ ۱۹۵
حضرت زیدؓ کا واقعہ ۱۹۵
متبنٰی کی بیوی سے نکاح کا مسئلہ ۱۹۷
حقیقی باپ کی طرف نسبت ۱۹۸
درس سوم ۳ (آیت ۶) ۲۰۰
ربط آیات ۲۰۰
نبی اور مومن کا تعلق ۲۰۱
نبی بمنزلہ باپ ۲۰۲
نبی کو تصرف کا حق ۲۰۳
ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ۲۰۴
قرابتداروں کا حق ۲۰۵
ساتھیوں کے ساتھ احسان ۲۰۶
درس چہارم ۴ (آیت ۷ تا ۸) ۲۰۸
ربط آیات ۲۰۸
میثاق انبیاء ۲۰۹
حضور علیہ السلام کی خصوصیت ۲۱۲
میثاق کی غایت ۲۱۳
درس پنجم ۵ (آیت ۹ تا ۱۲) ۲۱۵
ربط آیات ۲۱۶
جنگ احزاب ۲۱۷
انعامات الٰہیہ کا تذکرہ ۲۱۸
منافقوں کی بکواس ۲۲۰
درس ششم ۶ (آیت ۱۳ تا ۲۰) ۲۲۲
ربط آیات ۲۲۵
منافقوں کی طرف سے حوصلہ شکنی ۲۲۶
منافقوں کے حیلے بہانے ۲۲۷
دشمن کی مدد ۲۲۷

حضور علیہ السلام کے دل میں خلش	۲۷۵
زینبؓ سے طلاق اور حضورؐ سے نکاح	۲۷۶
درس دوازدہم ۱۲ (آیت ۳۸ تا ۴۰)	۲۷۸
ربط آیات	۲۷۹
نبی علیہ السلام کے لیے تسلی	۲۷۹
مردوں کے باپ ہونے کی نفی	۲۸۱
ختم نبوۃ کا مسئلہ	۲۸۱
جھوٹے مدعیانِ نبوت	۲۸۴
قادیانی فتنہ	۲۸۵
درس سیزدہم ۱۳ (آیت ۴۱ تا ۴۴)	۲۸۷
ربط آیات	۲۸۷
ذکرِ الٰہی کی فضیلت	۲۸۸
تسبیح کی تاکید	۲۹۰
رحمتِ خداوندی کا نزول	۲۹۱
ظلمت سے نور کی طرف	۲۹۱
دعا بطورِ سلام	۲۹۲
درس چہاردہم ۱۴ (آیت ۴۵ تا ۴۸)	۲۹۳
ربط آیات	۲۹۴
حضور علیہ السلام بطور شاہد	۲۹۵
شاہد کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی	۲۹۵
اللہ کی وحدانیت کی گواہی	۲۹۶
تبلیغ دین کی گواہی	۲۹۷
اعمالِ امت کی گواہی	۲۹۷
صفائی کی گواہی	۲۹۸
نبی بطور مبشر و منذر	۲۹۹
داعی الی اللہ	۳۰۰
سراج منیر	۳۰۰
آپ علیہ السلام کا تذکرہ تورات میں	۳۰۱
شعیا نبی کی شہادت	۳۰۲
اہلِ ایمان کے لیے بشارت	۳۰۴
مشن پر استقامت	۳۰۴
درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۴۹)	۳۰۶
ربط آیات	۳۰۶
عدت کے مسائل	۳۰۶
طلاق قبل از مساس	۳۰۷
دورانِ عدت کے احکام	۳۰۸
عائلی قوانین کی خرابیاں	۳۰۹
اچھے طریقے سے رخصتی	۳۱۰
انسانی ہمدردی کا اصول	۳۱۰
اسلام اور غیر مذاہب کا تقابلی جائزہ	۳۱۱
درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۵۰)	۳۱۳
ربط آیات	۳۱۳
تعددِ ازدواج کی اجازت	۳۱۳
کثرتِ ازدواج پر اعتراض	۳۱۵
لونڈیوں کی حلت	۳۱۶
خاندانی مہاجر عورتوں سے نکاح	۳۱۷

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

وقوع قیامت کا علم	۳۶۹	شاہ عبدالقادرؒ کی تفسیر	۳۸۸
کفار پر لعنت	۳۷۲	مولانا عثمانیؒ کی تشریح	۳۸۹
افسوس کا اظہار	۳۷۳	سزا اور جزا	۳۹۱
پیشواؤں کے خلاف شکایت	۳۷۳	سورۃ سبا (مکی)	۳۹۳
درس بست و چہار ۲۴ (آیت ۶۹ تا ۷۱)	۳۷۵	درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۲)	۳۹۴
ربط آیات	۳۷۵	نام اور کوائف	۳۹۶
موسیٰ علیہ السلام کو ایذا رسانی	۳۷۶	سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط	۳۹۶
جلوت سے گریز	۳۷۷	مضامین سورۃ	۳۹۷
جسمانی عیب کا شاخسانہ	۳۷۸	حمد باری تعالیٰ	۳۹۷
بدکاری کا الزام	۳۷۸	خدا تعالیٰ کا علم محیط	۳۹۹
اہل ایمان کو تلقین	۳۷۹	وقوع قیامت	۴۰۰
قول سدید کی ترغیب	۳۸۰	جزائے عمل کی منزل	۴۰۱
سچائی کا فائدہ	۳۸۰	قرآن کی حقانیت	۴۰۳
اطاعت کا حصول	۳۸۱	درس دوم ۲ (آیت ۷ تا ۹)	۴۰۴
درس بست و پنج ۲۵ (آیت ۷۲ تا ۷۳)	۳۸۲	ربط آیات	۴۰۵
ربط آیات	۳۸۲	بعث بعد الموت	۴۰۵
انسان کا تحمل امانت	۳۸۳	کفار کا انکار	۴۰۷
عرض اور اباء کا مفہوم	۳۸۴	[illegible] کا اہتمام	۴۰۷
حمل امانت کی عظمت	۳۸۵	توحید کے درجات	۴۰۸
عہد و تکلیف	۳۸۵	شرک کے لیے سزا	۴۰۹
جنید بغدادیؒ کی توضیح	۳۸۶	درس سوم ۳ (آیت ۱۰ تا ۱۴)	۴۱۱
مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ	۳۸۷	ربط آیات	۴۱۱
امانت بصورت اوامر و نواہی	۳۸۷	داؤد علیہ السلام کے فضائل	۴۱۲

[illegible]

روزی بذریعہ آسمان وزمین	٤٦٣
رزق بدست خدا	٤٦٤
دلیلِ توحید	٤٦٥
ذمہ داری اپنی اپنی	٤٦٦
شرک کی تردید	٤٦٧
عالمی شہی	٤٦٨
وقوعِ قیامت	٤٦٩
درس دہم ١٠ (آیت ٣١ تا ٣٣)	٤٧٠
ربطِ آیات	٤٧١
قرآن پاک کی حقانیت	٤٧٢
تابع اور متبوع کی کشمکش	٤٧٣
عیاشیت کا جال	٤٧٥
شرک کا وبال	٤٧٧
قبر پرستی	٤٧٨
درس یازدہم ١١ (آیت ٣٤ تا ٣٩)	٤٧٩
ربطِ آیات	٤٨٠
مترفین کا انکارِ رسالت	٤٨١
مال واولاد پر فخر	٤٨١
شانِ نزول	٤٨٢
رزق کی کشادگی اور تنگی	٤٨٣
خوشحالی ذریعہ قرب نہیں	٤٨٥
مجرمین کے لیے سزا	٤٨٦
انفاق فی سبیل اللہ	٤٨٦

درس دوازدہم ١٢ (آیت ٤٠ تا ٤٥)	٤٨٨
ربطِ آیات	٤٨٩
فرشتوں کی عبادت	٤٩٠
جنات کی پرستش	٤٩٢
ظالموں کے لیے عذاب	٤٩٣
رسالت کا انکار	٤٩٣
عربوں کی ذہنی	٤٩٤
سابقہ اقوام کا حشر	٤٩٥
درس سیزدہم ١٣ (آیت ٤٦ تا ٥٤)	٤٩٧
ربطِ آیات	٤٩٩
غور و فکر کی دعوت	٤٩٩
ذاتی مفاد کی نفی	٥٠١
حق و باطل کی کشمکش	٥٠٢
آخرت میں لازمی گرفت	٥٠٣
سورۃ فاطر (مکمل)	٥٠٤
درس اوّل ١ (آیت ١)	٥٠٨
نام اور کوائف	٥٠٨
مضامین سورۃ	٥٠٩
فاطر یا بدیع	٥١٠
چار صفاتِ خداوندی	٥١١
فرشتوں کی تخلیق	٥١٣
فرشتوں کی صلاحیت	٥١٤
تخلیق میں اضافہ	٥١٦

[illegible]

نفع بخش تجارت	۵۷۷
قرآن کی حقانیت	۵۷۸
درس نہم ۹ (آیت ۳۲ تا ۳۷)	۵۷۹
ربط آیات	۵۸۰
ورثائے کتاب	۵۸۰
اہل جنت کے لیے انعامات	۵۸۲
اہل جہنم کے لیے سزا	۵۸۳
عمر کا استعمال	۵۸۵
منذرین کی آمد	۵۸۶
درس دہم ۱۰ (آیت ۳۸ تا ۴۱)	۵۸۹
ربط آیات	۵۹۰
عالم الغیب ذات	۵۹۱
خلافتِ ارضی	۵۹۱
ناشکر گزاری کا انجام	۵۹۲
شرک کی تردید	۵۹۴
شفاعت کا غلط تصور	۵۹۶
نظامِ کائنات کا استحکام	۵۹۷
درس یازدہم ۱۱ (آیت ۴۲ تا ۴۵)	۵۹۹
ربط آیات	۶۰۰
مشرکین مکہ کا عذر لنگ	۶۰۱
مشرکین کی بری تدبیر	۶۰۲
تین قانونی دفعات	۶۰۳
سابقہ لوگوں کے نقشِ قدم پر	۶۰۴
اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت	۶۰۵
سورة یٰسٓ (مکی)	۶۰۷
درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۷)	۶۰۸
نام اور کوائف	۶۰۹
مضامین سورة	۶۰۹
فضائل سورة	۶۱۰
حروف مقطعات	۶۱۱
قرآن پاک کی حقانیت	۶۱۳
تصدیقِ رسالت	۶۱۴
مقصد نزول قرآن	۶۱۵
درس دوم ۲ (آیت ۸ تا ۱۲)	۶۱۷
ربط آیات	۶۱۸
گلے کے طوق	۶۱۸
آگے پیچھے دیواریں	۶۱۹
شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ	۶۱۹
ایک اشکال اور اس کا جواب	۶۲۰
صراطِ مستقیم کی تلاش	۶۲۲
جزائے عمل کی منزل	۶۲۳
آثار کی توضیح	۶۲۴
درس سوم ۳ (آیت ۱۳ تا ۱۹)	۶۲۶
ربط آیات	۶۲۷
بستی میں مرسلین کی آمد	۶۲۸
اہل بستی کی طرف سے تکذیب	۶۲۹

شعر گوئی میں استثنیٰ	۶۸۱	آسمان دنیا کی زینت	۷۰۵
قرآن بمقابلہ اشعار	۶۸۲	درس دوم ۲ (آیت ۱۱ تا ۳۵)	۷۰۸
مویشیوں کی پیدائش	۶۸۴	ربط آیات	۷۰۹
مویشی بطور خدام	۶۸۶	تخلیق انسان بطور دلیل	۷۱۰
شرک کی تردید	۶۸۷	منکرین کی حیرت زدگی	۷۱۱
تسلی کا مضمون	۶۸۷	دوزخ کی طرف روانگی	۷۱۲
درس دہم ۱۰ (آیت ۷۷ تا ۸۳)	۶۸۹	تابع اور متبوع کا مکالمہ	۷۱۳
ربط آیات	۶۹۰	عذاب میں اشتراک	۷۱۵
انسان کی پیدائش	۶۹۱	درس سوم ۳ (آیت ۳۶ تا ۶۱)	۷۱۶
دوبارہ زندگی پر جھگڑا	۶۹۱	ربط آیات	۷۱۸
درختوں سے آگ کی مثال	۶۹۲	شرک پر اصرار	۷۱۸
آسمان و زمین کی مثال	۶۹۴	شرک کا وبال	۷۱۹
اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ	۶۹۵	مخلصین کے لیے انعامات	۷۲۰
سورۃ الصّٰفّٰت (مکی)	۶۹۷	خوب سیرت و خوبصورت عورتیں	۷۲۱
درس اول ۱ (آیت ۱ تا ۱۰)	۶۹۸	جنتی اور دوزخی کی ملاقات	۷۲۳
نام اور کوائف	۶۹۹	سب سے بڑی کامیابی	۷۲۵
مضامین سورۃ	۶۹۹	درس چہارم ۴ (آیت ۶۲ تا ۷۴)	۷۲۷
فرشتوں کی صف بندی	۷۰۰	ربط آیات	۷۲۸
صف بندی کی اہمیت	۷۰۰	تھوہر کا درخت	۷۲۹
وحی کی ضرورت	۷۰۱	دوزخیوں کی خوراک	۷۳۱
ذکر الٰہی	۷۰۲	اندھی تقلید	۷۳۲
وحدانیت کی گواہی	۷۰۳	منذرین کی آمد	۷۳۴
رب المشارق	۷۰۴	درس پنجم ۵ (آیت ۷۵ تا ۹۸)	۷۳۵

[illegible]

درس دہم ۱۰ (آیت ۱۶۷ تا ۱۸۲)	۷۹۳	عذاب کا مطالبہ	۷۹۹
ربط آیات	۷۹۴	خلاصہ مضامین	۸۰۰
ہدایت یافتگی کے لیے مشرکین کا عذر لنگ	۷۹۵	رسولوں پر سلام	۸۰۰
انبیاء کی مدد کا وعدہ	۷۹۶	حمد باری تعالیٰ	۸۰۱
جند اللہ کا غلبہ	۷۹۸		

عمرہ کی سعادت حاصل کرنے والے
خواتین و حضرات کیلئے انمول تحفہ

احکام عمرہ
مع
زیارات مکۃ المکرمۃ و مدینۃ المنورۃ

تالیف

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

صفحات ۹۶

قیمت ۱۸ روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[illegible]

سمندر میں پھنس جاتے ہیں تو خالص اللہ کو پکارتے ہیں۔ مگر جب خشکی پر پہنچ جاتے ہیں تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔ سورۃ کے آخر میں اللہ نے ان پانچ چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کا علم اللہ نے مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا۔

اگلی سورۃ الم سجدہ ہے۔ اس میں اہل عرب کو ان کے بُرے اعمال سے ڈرایا گیا۔ پھر تخلیق کائنات اور تخلیق انسان کو اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر پیش کر کے اللہ کی وحدانیت پر بطور دلیل پیش کیا ہے۔ بعث بعد الموت کا خصوصی تذکرہ ہے اور حساب کتاب کی منزل کا بھی۔ مجرم لوگ عذاب الٰہی کو دیکھ کر دنیا میں دوبارہ آنے کی خواہش کا اظہار کریں گے مگر ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکے گی۔ اللہ نے تہجد گزار بندوں کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ خوف و اُمید کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر اللہ کی بارگاہ میں مناجات پیش کرتے ہیں۔ کفار کی طرف قیامت کے روز خدا پر ایمان لانے کے متعلق فرمایا کہ اس دن ایمان لانا کچھ مفید نہیں ہوگا۔ اس دنیا میں ہی انسان ایمان سے مشرف ہو کر کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے بعد مدنی سورۃ الاحزاب آتی ہے جس میں ۵ھ میں پیش آنے والے غزوہ احزاب کا ذکر ہے۔ مشرکین، یہود اور منافقین نے ملی بھگت کر کے مدینہ طیبہ پر زبردست حملہ کیا تھا، جس کے جواب میں مسلمانوں نے مدینہ کے ارد گرد خندق کھود کر اپنا دفاع کیا تھا اور اس طرح مخالفین کا یہ گٹھ جوڑ ناکام ہو گیا تھا۔ البتہ اس غزوہ کے بعد اہل اسلام نے یہودیوں کے گڑھ بنی قریظہ پر حملہ کر کے اُسے فتح کر لیا، تمام بالغ مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا۔ اُس زمانہ کے عرب متبنّٰی کو حقیقی بیٹے والے حقوق دیتے تھے جس کی تردید کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت زینبؓ کے حضرت زیدؓ سے نکاح اور طلاق اور پھر حضور علیہ السلام سے نکاح کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں نبی علیہ السلام کے بعض خانگی معاملات کا ذکر بھی ہے۔ ازواج مطہراتؓ نے خرچہ بڑھانے کا مطالبہ کیا تو اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کا مال چاہتی ہو

[illegible]

اور عزت کا سرچشمہ صرف ذاتِ خداوندی ہے۔ شیطان کے مکر و فریب سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اللہ نے کفر اور ایمان کا تقابل بھی پیش کیا ہے۔ ہر قوم میں منذر بھیجنے کا ذکر ہے اور نافرمانوں کو دائمی عذاب کی وعید سنائی ہے۔ مشرکین کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی منذر آگیا تو ہم زیادہ ہدایت پر ہوں گے۔ مگر جب اللہ کا آخری نبی آگیا تو یہی لوگ آپ کے دشمن بن گئے۔ اللہ نے یاد دلایا کہ تم سے پہلے لوگ تم سے زیادہ طاقتور تھے جن کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔ مگر تم انہی کے نقشِ قدم پر چل کر بہتری کی توقع کیسے کر سکتے ہو؟ یہ تو اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ فوراً گرفت نہیں کرتا، ورنہ زمین پر کوئی بھی چلنے پھرنے والا جاندار باقی نہ بچتا۔

سورۃ یٰسین ایک اہم سورۃ ہے جس کو قرآن پاک کے دل سے تعبیر کیا گیا ہے اس سورۃ کو رات کے وقت تلاوت کرنے سے اللہ کی طرف سے مغفرت کا علان ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ کی رضا اور آخرت کا گھر مطلوب ہے وہ اس سورۃ کی تلاوت کیا کرے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ سورۃ میری امت کے ہر فرد کے سینے میں محفوظ ہونی چاہیے۔ مرض الموت میں مریض کے سرہانے یہ سورۃ پڑھنے سے اس کی روح آسانی سے نکلتی ہے اور اس کو ایمان نصیب ہوتا ہے۔ ویسے بھی زندگی کے اہم مواقع پر اس کی تلاوت اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ اس سورۃ میں توحید، وقوعِ قیامت اور محاسبۂ اعمال کا ذکر مؤثر پیرائے میں کیا گیا ہے۔ منکرین کی بدبختی اور ان کی سزا کا ذکر ہے جب کہ اہلِ ایمان کے لیے انعامات کی خوشخبری دی گئی ہے

اس سورۃ مبارکہ میں ایک بستی کا ذکر بھی ہے جس میں رسول یا مبلغین آئے مگر انہوں نے تکذیب کی۔ شہر کے دور کنارے سے آکر ایک شخص نے بستی والوں کو سمجھانے کی کوشش کی مگر انہوں نے اس کو بھی قتل کر دیا اور مرسلین کو بھی نہ چھوڑا پھر ایک ہی چیخ آئی اور سارے بستی والے نابود ہو گئے۔ وقوعِ قیامت کے سلسلہ میں صورِ ثانی، مردوں کے زندہ ہو کے اپنے رب کی طرف تیزی سے جانے اور دوبارہ بعث پر لوگوں کی حیرت کا ذکر ہے۔ پھر اہلِ جنت کے انعامات کا ذکر ہے۔ مجرموں کو علیحدہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

منتخبات گفتگو

[illegible]

کا مفید اور مقبول عام پروگرام کتابی شکل میں عوام کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ لوگ قرآن مجید کے صحیح ترجمہ اور تفسیر سے باخبر ہو سکیں۔ معالم العرفان کی پندرھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے جو کہ سات سورتوں پر مشتمل ہے۔ سورۃ لقمان، سورۃ السجدہ، سورۃ الاحزاب، سورۃ سبا، سورۃ فاطر، سورۃ یٰس اور سورۃ الصّٰفّٰت کی مکمل تشریح اس کے اندر موجود ہے۔ سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی انتہائی سادہ اور رواں، ہلکے پھلکے اور دلنشیں انداز میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور احادیث مبارکہ، خلفاء راشدین کے تعامل، صحابہ کرامؓ کے آثار، ائمہ مجتہدینؒ کے اقوال، سلف صالحین کے ارشادات، بالخصوص امام ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حکمت و فلسفہ اور اکابر علماء دیوبند کے مسلک و مشرب کے مطابق تفسیری نکات کے خزینوں کو عوام الناس کے سامنے کھول دیا گیا ہے ہر طبقے کا آدمی اس کو سمجھ سکتا ہے خواہ وہ معمولی اَن پڑھ ہو یا متوسط پڑھا لکھا یا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو قرآن کریم کو سمجھنے میں مکمل تعاون حاصل کر سکتا ہے چونکہ اس جلد میں سورتوں کی مناسبت سے مختلف موضوعات ہیں جس کے مطالعہ سے ذہن میں کسی قسم کا کوئی الجھاؤ یا پیچیدگی باقی نہیں رہتی۔ اس جلد میں اجتماعی زندگی پر بحث کی گئی ہے۔ خواہ وہ معاشیات سے متعلق ہو یا اقتصادیات و سیاسیات سے جمہوری نظام ہو یا ملوکیت، ڈکٹیٹر شپ ہو یا مارشل لاء، سرمایہ داری ہو یا جاگیرداری تمام نظاموں کی خرابیوں کو طشت از بام کیا گیا ہے اور قرآن کریم کو بطور نظام زندگی پیش کیا گیا ہے اور اس کے مقابلے میں جملہ باطل نظاموں کا رد کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کے انقلابی پروگرام سے روگردانی اور اس کے بھیانک نتائج کا ذکر ہے اور مسلمانوں میں پائے جانے والے جملہ روگ از قسم لہو و لعب اسراف و تبذیر، تعیش و آرام طلبی، شراب نوشی و حرام کاری، منشیات و بدکاری، رشوت ستانی و زناکاری، بلیک مارکیٹنگ، بانسری، سینما بینی اور جملہ رسومات باطلہ جیسے بیہودہ کاموں پر بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے تنزل کے جملہ اسباب اور ان کا اغیار کے ہاتھوں کٹھ پتلی بننا اور ان کے ہر جائز و ناجائز کام میں سر تسلیم خم کرنا امریکہ، روس، چین، برطانیہ، فرانس، جرمن اور دیگر سپر پاورز سے بوجہ ضعف ایمان مرعوب و مغلوب ہونا، خدا نے

[illegible]

[illegible]

اپنے غیب کے خزانے سے ان کی اشاعت کے لیے سامان پیدا فرمائے۔ آمین

خطبات سواتی: قارئین کرام کے لیے ایک مژدہ جانفزا یہ بھی ہے کہ دروس القرآن اور دروس الحدیث کی اشاعت کے ساتھ ساتھ حضرت صوفی صاحب مدظلہ کے جمعہ کے خطبات کو بھی کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرنے کا ایک اہم کام شروع ہو چکا ہے۔ یہ خطبات بڑے بڑے علمی و تحقیقی موضوعات پر مشتمل ذخیرہ ہیں۔ محترم دوست جناب الحاج لطیف صاحب نے عرصہ چند سال قبل سے بڑی محنت لگن اور شوق و ذوق سے تسلسل کے ساتھ تمام خطبات کو کیسٹوں میں محفوظ کر رکھا ہے۔ یہ ان کا بڑا قابل قدر کارنامہ ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر عنایت فرمائے۔ ان خطبات کے شائع ہونے کے بعد جو لوگ ان سے استفادہ کریں گے انہیں ان خطبات سے بے حد بیشمار دینی، علمی، تحقیقی اور بیش بہا معلومات حاصل ہوں گی سنہ ۱۹۸۳ء کے سال کو منتخب کر کے اس کے خطبات کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرنے کا کام محترم بزرگ الحاج لعل دین صاحب نے شروع کر دیا ہے۔[1]

قارئین سے التماس ہے کہ اس کار خیر کی تکمیل کے لیے اللہ رب العزت کے حضور دعا فرمائیں کہ وہ اس کام کی اشاعت کے لیے آسانیاں پیدا فرمائے اور صاحب دروس حضرت صوفی صاحب مدظلہ اور جملہ اراکین انجمن اور جملہ حضرات اس مشن میں دامے، درمے، قدمے، سخنے حصہ لے رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو استقامت علی الخیر نصیب فرمائے اور آخرت کے لیے ذخیرہ بنائے۔ احقر کے ساتھ اس جلد کی پروف ریڈنگ میں حافظ محمد اشرف یاسین گجراتی نے حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اس کار خیر میں تعاون پر اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

احقر

محمد فیاض خان سواتی

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۱۰ محرم ۱۴۱۵ھ — ۲۰ جون ۱۹۹۴ء

---

[1] خطبات سواتی کی اب تک چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ (ناشر)

سورة
لقمان
مكية

سُورَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ لقمان مکی ہے۔ یہ چونتیس آیت اور چار رکوع پر مشتمل ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ② هُدًى وَّ
رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ③ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④
اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤

ترجمہ:۔ الٓمّٓ ① یہ آیات ہیں حکمت والی کتاب کی ② یہ ہدایت اور رحمت ہے نیکی کرنے والوں کے لیے ③ جو قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ادا کرتے ہیں زکوۃ کو اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ④ یہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے رب کی طرف سے اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ⑤

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ لقمان ہے۔ یہ نام اس سورۃ کے دوسرے رکوع میں آمدہ لفظ لقمان سے اخذ کیا گیا ہے۔ حضرت لقمانؑ ایک نیک، صالح اور دانا انسان تھے۔ پرانی تفسیروں کے حال میں ان کے اقوال اور ان کی نصیحت آموز

حروف مقطعات گذشتہ سورۃ کی طرح اس سورۃ کا آغاز بھی حروف مقطعات "الٓمّٓ" سے ہوا ہے۔ قرآن پاک کی کل انتیس[1] سورتوں کا آغاز مختلف حروف مقطعات سے ہوا ہے۔ اس سورۃ کے علاوہ، سورۃ بقرہ، سورۃ عنکبوت، سورۃ روم، سورۃ سجدہ اور سورۃ آل عمران کا آغاز بھی انہی حروف سے ہوا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس کا قول[2] ہے کہ اے لام سے جبرائیل علیہ السلام اور م سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور مفہوم یہ ہے کہ یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی جانب سے جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اے سے مراد آلاء یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق خاص طور پر انسان پر بے شمار نعمتیں نازل کی ہیں۔ اسی لیے فرمایا فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ (اعراف۔ ۶۹) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو اور ان کا شکر ادا کرو، مگر قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (سبا۔ ۱۳) اللہ کے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔ بعض فرماتے[3] ہیں کہ ل سے لی اور م سے مجد اور ملک مراد ہے اور اس طرح کل مفہوم یہ بنتا ہے کہ تمام نعمتیں خدا تعالیٰ کی جانب سے ہیں اور ساری بزرگی اور عظمت اسی کے لیے ہے۔

نعمتیں دو قسم کی ہیں یعنی مادی اور روحانی۔ مادی نعمتیں تو مومن، کافر، گدھے، گائے، اچھے، برے، پرندے اور جانوروں کو بھی حاصل ہیں، البتہ روحانی نعمتوں سے خاص لوگ ہی مستفید ہوتے ہیں۔ قرآن کریم روحانی نعمتوں میں سب سے اعلیٰ نعمت ہے، اسی لیے آگے اسی کا ذکر آرہا ہے۔ اس کے بعد دوسری بڑی نعمت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔

بعض فرماتے[4] ہیں کہ ا سے انوار، ل سے لامع یعنی چمکدار اور م سے متوالی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلسل چمکنے والے انوار کا نظارہ کرنا ہے تو اس سورۃ کو پڑھو

---

[1] تفسیر کبیر صفحہ ۔۔ و تنویر المقباس صفحہ ۳ [2] تنویر المقباس صفحہ ۲ [3] ابن کثیر صفحہ ۔۔
[4] (الاتقان اردو صفحہ ۔۔) (فیاض)

حکمت اور دانائی عطا کرے ۔ اور جسے اس نے حکمت عطا کر دی ، اس کو خیر کثیر عطا کر دیا گیا ۔ حکمت کو خیر کثیر سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا مکمل نصاب قرآن کریم میں موجود ہے اس کے علاوہ پیغمبر کی زبان سے جو شرح بیان ہوئی ہے وہ سنت کہلاتی ہے اور وہ بھی حکمت میں داخل ہے ۔

ہدایت اور رحمت

فرمایا ، یہ ایسی کتاب حکیم کی آیات ہیں جو ھُدًی وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ نیکی کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ۔ قرآن کریم میں بینات اور ہدیٰ دو الفاظ آتے ہیں جیسے فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْھُدٰی (البقرہ - ۱۵۹) بیشک وہ لوگ جو ہماری نازل کردہ بینات اور ہدیٰ کو چھپاتے ہیں ۔ محققین فرماتے ہیں کہ بینات سے مراد وہ واضح باتیں ہیں جو ہر عام و خاص آسانی سے سمجھ سکتا ہے ۔ ان میں خدا تعالیٰ کی توحید ، ذکر شکر ، صبر وغیرہ چیزیں شامل ہیں اور ہدایت میں وہ چیزیں شامل ہیں جو استاد سے سیکھے بغیر سمجھ نہیں آتیں ۔ اسی لیے امام بخاری فرماتے ہیں کہ اِنَّمَا الْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ یعنی علم سیکھنے سے آتا ہے ۔ کوئی شخص کتابیں پڑھ کر خود بخود عالم نہیں بن سکتا ۔ اس قسم کی باریک باتوں کو ہدایت سے تعبیر کیا گیا ہے تو فرمایا ، قرآن کریم ایک تو ہدایت ہے اور دوسری چیز رحمت ہے ۔ جب کوئی شخص اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہدایت پر چلنے لگتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے ۔ اسی لیے فرمایا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (الاعراف - ۵۶) بیشک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہوتی ۔ ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ رحمت کی صورت میں نکلتا ہے ۔ جس شخص کا عقیدہ درست ہوگا ، ایمان صحیح ہوگا ، توحید پر استقامت ہوگی ، اعمال و اخلاق ٹھیک ہوں گے ، وہی شخص نیکی والا ہوگا ، اور اللہ کی رحمت اس کے قریب ہوگی ۔ بہر حال رحمت

لے بخاری صہ۱ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اعمال ۔ عالمگیرؒ، صلاح الدین ایوبیؒ، ناصر الدین التمشؒ اور محمود غزنویؒ جیسے حکمران اسلامی تاریخ میں خال خال ہی نظر آتے ہیں ۔ یہ لوگ اسلامی تعلیمات سے واقف تھے ، اور ان کا عمل بھی صحیح تھا ۔ آج کے احکام تو نماز کا تمسخر اڑاتے ہیں اور نمازیوں کی تحقیر کرتے ہیں ۔ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ یہ دو رکعت کے امام کیا جانیں ۔ افسوس کہ انہوں نے نماز کی حقیقت کو نہیں سمجھا ، ورنہ نماز کا یوں مذاق نہ اڑاتے ۔

زکوٰۃ کی ادائیگی

فرمایا نیکی والے لوگوں کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نماز کو قائم رکھتے ہیں اور دوسری یہ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ۔ زکوٰۃ کا ذکر اس مکی سورۃ میں آیا ہے حالانکہ زکوٰۃ ہجرت کے بعد ۲ھ میں فرض ہوئی تھی امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں[1] کہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ بھی ابتداء میں ہی فرض ہو گئی تھی ۔ چنانچہ اس کا تذکرہ سورۃ مزمل میں بھی ہے حالانکہ یہ سورۃ نبوت کے بعد پہلے سال ہی نازل ہو گئی تھی ، البتہ زکوٰۃ کا نصاب ۲ھ میں مقرر ہوا ، جو کہ صاحب نصاب آدمی کے لیے چالیسواں حصہ ہے ۔ نقد مال میں سے اڑھائی فیصد سالانہ ، پانچ اونٹوں میں ایک بکری تیس گائے بھینسوں میں ایک بچھڑا ، چالیس بکریوں میں ایک بکری ، زمین کی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ ، اور معدنی پیداوار کا پانچواں حصہ ادا کرنا لازمی قرار پایا ۔ الغرض مکی زندگی میں زکوٰۃ کے طور پر کچھ نہ کچھ حصہ ادا کرنا ضروری تھا ۔ پھر جب مدنی زندگی میں اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو مال کا نصاب اور شرح ادائیگی بھی مقرر ہو گئی ۔

ایمان بالآخرت

فرمایا نیکی والوں کی تیسری علامت یہ ہے وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ۔ وقوع قیامت ، محاسبہ اعمال اور جزا سزا پر ایمان لانا بھی مسلمان کے بنیادی عقائد میں شامل ہے ، جو شخص نماز پڑھتا ہے ، زکوٰۃ دیتا ہے مگر آخرت پر یقین نہیں رکھتا اس کی نماز و زکوٰۃ کا کچھ فائدہ نہیں ۔ نیکی والے لوگوں کو یقین ہے کہ قیامت کا دن آنے والا ہے ۔ اس دن

---

[1] ابن کثیر ص ۳۴۱ ج ۳ (فیاض)

[illegible]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ
لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا
وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ
وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

ترجمہ:۔ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو خریدتے ہیں کھیل کی باتوں کو تاکہ گمراہ کریں اللہ کے راستے سے بغیر علم کے ۔ اور بناتے ہیں ان چیزوں کو ہنسی ۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلت ناک عذاب ہے ⑥ اور جب پڑھی جاتی ہیں اس پر ہماری آیتیں تو پشت پھیرتا ہے تکبر کرتے ہوئے گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں ، گویا کہ اس کے کانوں میں بوجھ ہے ۔ پس ایسے شخص کو خوشخبری دے دیں دردناک عذاب کی ⑦

ربط آیات

سورۃ کی ابتدائی آیات میں حکمت والی کتاب قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو بیان فرمایا ۔ نیز فرمایا کہ قرآن حکیم سراسر ہدایت ہے جس کو اختیار کرنے والے نیکوکاروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی حاصل ہوتی ہے ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نیکی والے لوگوں کے اوصاف بھی بیان کیے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں ، زکوٰۃ دیتے ہیں ، اور آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں ۔ فرمایا ایسے ہی لوگ ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں ۔

[illegible]

[illegible]

خوش طبعی والی چیزیں بتلاؤ، جن سے کم از کم تمہیں تفریح تو حاصل ہو، مقصد یہ تھا کہ لوگ لغویات میں مصروف رہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں چنانچہ بعض کمزور ذہن کے لوگ اس شخص کی باتوں میں آ کر اسلام کی دعوت سننے سے رہ گئے۔

اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو دین اسلام سے ہٹانے والی، احکام شرعیہ سے باز رکھنے والی یا کسی گناہ کا سبب بنتی ہو لہو الحدیث میں شامل ہے جو چیزیں فرائض سے روکتی ہوں وہ ناجائز اور حرام ہیں بعض چیزیں مکروہ تحریمی کے درجے میں آتی ہیں۔ اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ شکار میں اس قدر انہماک نہیں رکھنا چاہیے کہ اس کے پیچھے دوڑتے ہوئے نماز ہی ضائع ہو جائے۔ ایسی صورت میں شکار حرام کے درجے میں آ جائیگا۔ البتہ بعض کھیل جائز بھی ہیں جن سے کوئی دینی یا دنیاوی مقصد حاصل ہو۔ یا تفریح طبع ہی حاصل ہوتی ہو، اگرچہ ایسی چیزوں کو پسند نہیں کیا گیا مگر ان سے منع بھی نہیں کیا گیا لہٰذا یہ مباح کے درجے میں آتی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر کھیل کی چیز باطل ہے سوائے تین چیزوں کے یعنی گھوڑ دوڑ، تیر اندازی اور بیوی کے ساتھ دل لگی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسابقت یعنی دوڑ میں مقابلہ کرنا بھی مباح ہے، یہ دوڑ خواہ پیدل ہو گھوڑے، سائیکل یا گاڑی وغیرہ پر ہو مگر ایسی دوڑ شرط سے خالی ہونی چاہیے۔ اگر سابقہ شرط بھی ہوگی تو پھر یہ جوئے میں شمار ہو کر حرام ہو جائے گی۔ اس قسم کے کھیل تفریح کے لیے ہوں یا صحت کے قیام کے لیے یا کسی انعام کی خاطر ہوں تو پھر بھی جائز ہے۔ ان میں ہاکی، فٹ بال، تیر اندازی، نشانہ بازی، کشتی اور تیراکی وغیرہ بھی شامل کیے جا سکتے ہیں۔ آلات حرب و ضرب کے استعمال میں مہارت پیدا کرنا بھی مباحات میں شامل ہے۔

۱؎ ابن کثیر ص ۴۴۴ ج ۳ و روح المعانی ص ۶۷ ج ۲۱ و مظہری ص ۲۳۵ ج ۷

۲؎   ۳؎   ۴؎   (باقی حاشیہ)

[illegible]

[illegible]

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، عبداللہ ابن عباسؓ، امام حسن بصریؒ وغیرہم لہو الحدیث سے گانا بجانا مراد لیتے ہیں۔

قدیم زمانے میں رقص و سرود کے لیے لونڈیوں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں اور آزاد عورتیں یہ پیشہ اختیار نہیں کرتی تھیں۔ اس مقصد کے لیے لونڈیوں کو خاص طور پر ٹریننگ دی جاتی تھی اور وہ محفلوں میں تفریح کا سامان پیدا کرتی تھیں۔ مگر اس زمانہ میں نہ صرف آزاد بلکہ تعلیم یافتہ لڑکیوں نے ناچ گانے کو آرٹ کے طور پر اپنا لیا ہے۔ اس کے لیے تربیت گاہیں قائم ہو چکی ہیں جہاں سے اس علم و فن کی ڈگریاں ملتی ہیں۔ حضور کا فرمان گرامی ہے کہ گانے بجانے والی لونڈیوں کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے کیونکہ یہ فحاشی پھیلانے اور لوگوں کو غلط راستے پر ڈالنے کا سبب بنتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایسی لونڈیوں کی کمائی کو بھی حرام قرار دیا ہے مگر دیکھیے آج ہمارے ہاں کیا ہو رہا ہے؟ موجودہ دور کی ایکٹریسیں امیر ترین لوگوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ایک ایک فلم سے لاکھوں روپے کماتی ہیں اور ایک ایک گانے کی ریکارڈنگ کے لیے ہزاروں روپے وصول کرتی ہیں۔ لوگ ان کو بڑا مقام دیتے ہیں اور ان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ٹوٹے پڑتے ہیں۔ یہ سب لہو الحدیث کا حصہ ہیں۔

گانے کے لیے استعمال ہونے والے آلاتِ موسیقی بھی حرام ہیں۔ اسی لیے قوالی بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعریف غزل یا نعت کی صورت میں کی جائے تو جائز ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ آلات موسیقی استعمال نہ ہوں۔ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات میں ہے کہ ان سے قوالی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ قوالی جائز ہے۔ مگر اس کی بعض شرائط بھی ہیں کہ اس میں آلاتِ موسیقی کا استعمال نہ ہو، گانے والی

ئے منکرین ص ۲۵۹ و قرطبی ص ۵۳ ہے طبری جلد ۲۱ ص ۴۲ (الباقی)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ
النَّعِيمِ ﴿٨﴾ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٩﴾ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ
بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۖ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ
رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ
كُلِّ دَابَّةٍ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا
فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ﴿١٠﴾ هَٰذَا خَلْقُ
اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۚ بَلِ
الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿١١﴾

ترجمہ :- بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے
اچھے کام کیے، ان کے لیے باغات ہیں نعمتوں کے ⑧
ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں۔ وعدہ ہو چکا ہے
اللہ تعالیٰ کا سچا۔ اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے ⑨
پیدا کیا ہے اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جن کو
تم دیکھتے ہو۔ اور ڈال دیے ہیں اس نے زمین میں بوجھل
پہاڑ تاکہ وہ حرکت نہ کرے تمہارے ساتھ۔ اور پھیلا
دیے ہیں اس نے زمین میں طرح طرح کے جانور، اور

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ارادے سے اس بات کی تصدیق کرو کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے ، وہ واجب الوجود ، خالقِ کل ، مدبر ، معبودِ برحق اور ہر عیب سے بری ہے ، غرضیکہ اس کی ذات اور تمام صفات پر ایمان لانا ضروری ہے ۔ اگر کسی چیز کے بارے میں ذرا بھی خلل پیدا ہو تو ایمان ضائع ہو جائے گا ۔ بعض اوقات ایمان کا معنیٰ یقین بھی کر دیا جاتا ہے ، مگر یہ درست نہیں کیونکہ یقین تو کبھی اضطراری حالت میں بھی ہو جاتا ہے ۔ مثلاً کوئی حادثہ پیش آگیا تو کسی چیز کا یقین آگیا ، یہ مستقل یقین نہیں ہوتا حقیقت میں ایمان تصدیق کا نام ہے ۔ اپنے دل سے اپنے اختیار اور ارادے سے تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ واقعی وحدہٗ لاشریک ہے ۔

ایمان کا ایک جزو تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق ہو گیا اور دوسرا یہ کہ فرشتوں پر بھی یقین رکھے کہ وہ اللہ کی مقدس اور نورانی مخلوق ہے جسے اللہ نے بنی نوعِ انسان کی مصلحت کے لیے انسانوں کی پیدائش سے مرلبعل کھروں سال پہلے تخلیق کیا ۔ فرشتہ ﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ﴾ (الانبیاء ۲۶) وہ خدا کے معزز بندے ہیں اور ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے ہیں ﴿وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ﴾ (الانبیاء ۲۷) وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں فرشتے ہماری طرح جسم اور اس میں روح رکھتے ہیں ۔ اس سے علامہ مشرقی والا ایمان مراد نہیں جو کہتے ہیں کہ فرشتے کوئی مخلوق نہیں بلکہ انسان کی ایک اچھی قوت کا نام ہے ۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ[1] میں وضاحت کی ہے کہ فرشتے وجود رکھتے ہیں اور ان کے جسم میں بھی روح ہے البتہ ان کے اجسام بہت لطیف ہیں ۔ ملاءِ اعلیٰ سے لیکر ملاءِ سافل تک فرشتوں کے سات طبقات ہیں اور ان میں سے ہر ایک طبقے کا مادہ تخلیق الگ الگ ہے ۔ فرشتوں کے علاوہ اللہ کی مخلوق جنات بھی وجود رکھتے ہیں ۔ البتہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۴ و الخیر الکثیر صفحہ ۱۰۲م (فیاض)

[illegible]

[illegible]

جو شخص نیک اعمال انجام دے گا بشرطیکہ اس میں ایمان موجود ہو تو اس کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔ اگر ایماں کی بجائے کفر اور شرک بھرا ہوا ہے تو اس کے پہاڑوں جتنے بڑے بڑے عمل بھی ضائع ہو جائیں گے اور انسان مجرم بن کر دائمی جہنم کا مستحق ٹھہرے گا ایمان ہر نیکی کی جڑ اور بنیاد ہے اسی لیے تمام انبیاء اور ان کے متبعین اولیا اور بزرگان دین سب سے پہلے ایمان کی درستگی کی تعلیم دیتے ہیں۔ آپ کسی بزرگ کی کوئی کتاب یا ملفوظات اٹھا کر دیکھ لیں، انھوں نے پہلا سبق ایمان کی درستگی کا ہی دیا۔ ہر نبی نے یہی تعلیم دی قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (ہود۔ ۵۰) اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ بہرحال یہ سارے اجزائے ایمان ہیں جن کی تصدیق کرنا ضروری ہے ورنہ ایمان مکمل نہیں ہوگا۔

اعمالِ صالحہ کا انجام

فرمایا، وہ لوگ جو ایمان لائے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیے۔ نیک اعمال تو بے شمار ہیں، تاہم بنیادی طور پر ان سے فرائض مراد ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان اور توحید کی درستگی کے بعد فرائض اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج نیک اعمال ہیں۔ دیگر نیک اعمال میں جہاد، قربانی، صلہ رحمی، صدقہ، خیرات، حسن اخلاق وغیرہ شامل ہیں۔

تو فرمایا ایمان لانے کے بعد جن لوگوں نے اچھے اعمال انجام دیے۔ لَھُمْ جَنّٰتُ النَّعِیْمِ تو ان کے لیے نعمتوں کے باغات ہیں خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے عام طور پر جنت کے ذکر کے ساتھ اللہ نے جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ (البینۃ۔ ۸) کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ ایسے دلکش باغات ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ فرمایا وَعْدَ اللّٰہِ حَقًّا یہ اللہ کا وعدہ ہو چکا ہے۔ جو سچا ہے۔

لے

پرانی تحقیق کے مطابق زمین کے بلند ترین پہاڑوں کی بلندی تین میل کے قریب ہے۔ زمین کی وسعت کے اعتبار سے اتنے بڑے پہاڑ کی مثال ایسی ہے، جیسے گیند کے اوپر ایک جو کا ستر ہواں حصہ رکھ دیا گیا ہو۔ پہاڑوں کی بلندی کے مقابلے میں سمندروں کی گہرائی کہیں زیادہ ہے۔ کرۂ ارض کے ارد گرد موجودہ کم ترین میل پاکستند پھیلے ہوئے ہیں اور انسانوں اور جانوروں کی رہائش کے لیے خشکی کا حصہ صرف ایک چوتھائی کے قریب ہے، لہٰذا پورے کرۂ ارض میں توازن برقرار رکھنے کے لیے اللہ نے بوجھل پہاڑوں کو تخلیق فرمایا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اَنۡ تَمِیۡدَ بِکُمۡ کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں جگہ جگہ پہاڑ نصب کر کے میدانی لوگوں کو اضطراب سے محفوظ کر دیا ہے۔ پہاڑوں میں بیشمار پتھر، درخت، جڑی بوٹیاں اور طرح طرح کی معدنیات ہوتی ہیں جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو میدانی علاقوں کے رہنے والے لوگ بہت سی چیزوں سے محروم رہ جاتے اور ان کے لیے وجہ اضطراب بنتی۔ تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ زمین کے ڈولنے کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں کے بغیر زمین کے رہنے والے مضطرب ہو جاتے۔ اللہ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے زمین کے اضطراب کو نہیں بلکہ لوگوں کے اضطراب کو دور کر دیا۔[1]

جانور اور پانی

آگے ارشاد ہوتا ہے وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ اور اللہ نے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے ہیں۔ بہت سے جانور تو اللہ نے خاص طور پر انسانوں کی خدمت کے لیے پیدا کیے ہیں اور ان کے علاوہ بھی اللہ نے بہت سے جانور اور کیڑے مکوڑے پیدا کیے ہیں، جو انسانوں کی خدمت پر مامور ہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔

پھر فرمایا وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اور ہم نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا ہے۔ یہ بھی انسانوں اور جانوروں کی حیات کے لیے ضروری ہے۔ پانی نہ صرف جانداروں

[1] تفہیمات الٰہیہ ص ۳۷

[illegible]

[illegible]

لگا کہ اگر ہر چیز اللہ کی پیدا کردہ ہے تو بتلاؤ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی کچھ پیدا کیا ہے؟ ۱
پادری لاجواب ہو گیا کہ جو کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہیں وہ خدا یا خدا کا بیٹا کیسے ہو گیا
اس آیت کریمہ کا بھی یہی مفہوم ہے کہ اگر تمہارے خود ساختہ معبودوں نے کچھ پیدا کیا ہے
تو دکھاؤ کون سی چیز پیدا کی ہے اور اگر کوئی چیز پیدا نہیں کی تو پھر وہ حاجت روا اور
مشکل کشا کیسے ہو سکتے ہیں؟ پھر ان کو مصیبت کے وقت کیوں پکارتے ہو اور ان
کے سامنے نذر و نیاز کیوں پیش کرتے ہو؟ وہ تو خود لاچار اور درماندہ ہیں۔ وہ خود ہر
چیز اللہ سے طلب کرتے ہیں، بھلا تم ان سے کیا توقع رکھتے ہو؟

فرمایا حقیقت یہ ہے بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝
کہ ظالم یعنی مشرک لوگ ہی کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ اتنی واضح دلیل ہے
کہ جو شخص خود محتاج ہے وہ دوسرے کو کیا دے سکتا ہے اور معبود کیسے بن سکتا ہے؟
اللہ کا فرمان تو یہ ہے۔ یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرحمٰن - ۲۹)
آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ ہی کے سامنے دست سوال دراز کرتی ہے مگر تم کہتے
ہو کہ فلاں بھی رزق، اولاد، کاروبار وغیرہ دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دلیل
کے ذریعے شرک کا رد بھی فرما دیا ہے۔

[illegible]

وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫

[illegible]

آپ یمن کے رہنے والے آزاد آدمی تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ حضرت لقمانؑ عاد ثانیہ میں سے تھے۔ جب قوم عاد ہلاک ہوگئی تو حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لانے والے لوگوں سے چلنے والی نسل عاد ثانیہ کہلائی، آپ انہی لوگوں میں سے تھے۔ بعض[1] کہتے ہیں کہ یہ حمیر قبیلے کے بادشاہوں میں سے ہوئے ہیں انہی بادشاہوں میں تُبّع[2] نامی مشہور بادشاہ بھی گزرا ہے بعض[3] کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت لقمانؑ شداد کے بھائی تھے۔ شداد تو بڑا جابر اور مستبد شخص تھا، تاہم اس کی ہلاکت کے بعد اقتدار لقمانؑ کی طرف منتقل ہوگیا ذوالقرنین کی طرح آپ نہایت ہی صالح آدمی اور عادل بادشاہ تھے۔

حضرت لقمانؑ کے زمانے کے متعلق بھی قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر آپ کو عاد ثانیہ سے تسلیم کیا جائے تو آپ کا زمانہ مسیح علیہ السلام سے تین ہزار سال قبل کا ہے، اور آپ کو بنی اسرائیل کا فرد تصور کیا جائے تو آپ کا زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ اس دور میں حضرت داؤدؑ[4]، اور حضرت لقمانؑ کی رفاقت کا ذکر بھی ملتا ہے بلکہ بعض کہتے ہیں کہ آپ اس زمانے میں قاضی تھے۔ بہرحال یہ زمانہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام سے کم و بیش ایک ہزار سال قبل کا ہے۔ حضرت لقمانؑ بنی اسرائیل اور عربوں میں یکساں طور پر مشہور تھے، بلکہ بنی اسرائیل کے پاس آپ کا ایک صحیفہ بھی تھا جس میں مندرج نصائح امثال لقمانؑ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس صحیفہ کی نقول یورپ کے بعض کتب خانوں میں اب بھی ملتی ہیں۔

جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان مومن، نیک آدمی اور اللہ کے ولی تھے، محمد بن اسحاقؒ، امام شافعیؒ اور بعض دیگر حضرات آپ کو نبی بھی تسلیم کرتے ہیں مگر یہ بات درست نہیں بلکہ اکثر و بیشتر مفسرین آپ کو صالح آدمی ہی مانتے ہیں۔ البتہ آپ بہت بڑے حکیم، دانشور اور معاملہ فہم آدمی تھے اور اسی بنا پر آپ مہذب دنیا

---

[1] حقانی ص۴۶ ج۹ [2] حقانی ص۴۸ ج۹ [3] روح المعانی ص۸۲ ج۲۱ و مظہری ص۲۶۵ ج۵

[4] روح المعانی ص۸۳ ج۲۱ و تفسیر الثعالبی ص۲۰۷ ج۳ [5] معالم التنزیل ص۱۵۴ ج۳ (فیاض)

بیہقی شریف میں حضور علیہ السلام کا ارشاد موجود ہے "رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ"[1] یعنی حکمت کی جڑ اور بنیاد اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ بہرحال عام فہم الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ دانائی، عقل، فہم، فراست اور خرد مندی کا نام حکمت ہے۔ حکم اور حکمت میں یہ فرق ہے کہ حکمت ہمیشہ درست بات کی طرف منسوب کی جاتی ہے جب کہ حکم میں غلطی کا امکان بھی ہوتا ہے جیسے "مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ" تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے غلط فیصلے کرتے ہو۔ تاہم حکمت ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتی بلکہ جس پر اللہ مہربانی کرے اسے عطا فرماتا ہے۔

حکمت کی ایک عام تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے "اِتْقَانُ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ بِقَدْرِ الطَّاقَةِ"[2] یعنی حکیم وہ شخص ہے جس نے اپنے علم اور عمل دونوں کو پختہ کر لیا۔ دانشور وہی آدمی ہوتا ہے جس کے علم کے ساتھ عمل بھی ہو ورنہ بے عمل آدمی حکیم نہیں ہو سکتا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت یعنی فہم و فراست، دانائی اور عقلمندی حضرت لقمان کو وافر مقدار میں عطا فرمائی تھی، جس کا ذکر تمام مفسرین اور محدثین اور دانشور کرتے ہیں۔ ان کی عجیب و غریب مثالیں اور حکمت کی باتیں ان کے صحیفہ میں بھی موجود ہیں۔

حضرت لقمانؑ کی حکمت و دانائی

امام بیہقی[3] اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اس کو نقل کیا ہے کہ ایک موقع پر حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت لقمان سے کہا کہ بکری ذبح کر کے اس کے گوشت کا بہترین حصہ میرے پاس لاؤ۔ آپ نے تعمیل حکم کی، بکری ذبح کی اور اس کا دل اور زبان حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دی۔ کچھ وقفہ کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے پھر حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کرو اور اس کے گوشت کا بدترین حصہ میرے پاس لاؤ۔ حضرت لقمان نے بکری ذبح کی اور دوسری دفعہ بھی دل اور زبان کا گوشت ہی پیش کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے

---

۱ بیہقی ص۔ ۲ بیضاوی ص۔ ۳ روح المعانی ص ۸۳ ج ۲۱

۴ بیضاوی ص ۲۴۴ ج ۲ ۵ مظہری ص ۲۴۷ ج ۷ و معالم التنزیل ص ۱۵۵ ج ۳ (حاشیہ)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جس کا جانشین نہیں، اس میں قوت بازو نہیں۔ جس طرح ماں کے بغیر شفقت اور باپ کے بغیر سرپرستی نہیں ہوتی، اسی طرح بھائی کے بغیر قوتِ بازو نہیں ہوتی۔

مولانا رومیؒ نے یہ حکایت اپنی مثنوی[1] میں بیان کی ہے کہ حضرت لقمانؑ غلام تھے آپ کے آقا نے بعض دوسرے غلاموں کے ہمراہ آپ کو اپنے باغ کی خدمت پر مامور کیا۔ اس دوران باقی غلام تو باغ سے پھل توڑ توڑ کر کھاتے رہے مگر حضرت لقمانؑ نے بالکل کچھ نہ کھایا کیونکہ وہ اسے امانت میں خیانت سمجھتے تھے۔ ایک موقع پر آقا باغ میں آیا تو اسے پھل کا کچھ گرا پڑا حصہ ملا۔ دریافت کرنے پر باقی غلاموں نے کہا کہ یہ سب لقمانؑ نے توڑ کر کھایا ہے۔ جب آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا: اے آقا! آپ ہم سب غلاموں کو گرم پانی پلا کر روزے کا حکم دیں تو آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ سب نے قے کی جس سے کھائے ہوئے پھل کی نشاندہی ہو گئی۔ صرف لقمانؑ کی قے ایسی تھی جس میں سے پانی کے سوا کچھ برآمد نہ ہوا اور مالک کو پتہ چل گیا کہ سارے غلاموں میں سے صرف آپ ہی امانت دار ہیں۔ مشہور ہے کہ لقمانؑ نے کہا کہ میں نے بہت سے نبیوں کی زیارت کی ہے بنی اسرائیل کے دور میں انبیاء کثرت سے آتے تھے اور خود لقمانؑ کی عمر بھی ایک ہزار سال تھی لہٰذا ان کی بہت سے انبیاء سے ملاقات بعید از قیاس نہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان انبیاء کے اقوال میں سے میں نے آٹھ باتوں کو خوب یاد کیا ہے، اور وہ یہ ہیں:۔

(۱) اگر تم نماز کی حالت میں ہو تو دل کی حفاظت کرو۔

(۲) اگر کھانے پر بیٹھے ہو تو حلق کی حفاظت کرو اور ضرورت سے زیادہ نہ کھاؤ۔

(۳) اگر کسی غیر کے گھر میں جاؤ تو آنکھوں کی حفاظت کرو۔

(۴) اگر لوگوں کے درمیان بیٹھے ہو تو زبان کی حفاظت کرو۔

(۵) ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو۔

---

[1] مثنوی سے۔ (ملخص)

(۸) پڑوسی کی حفاظت کی ہے
(۹) لا یعنی چیز سے گریز کیا ہے۔

حضرت لقمانؑ کا یہ قول بھی مشہور ہے ضَرْبُ الْوَالِدِ کَالسَّمَادِ لِلزَّرْعِ والدہ کا بچے کو تنبیہ کرنا ایسا ہے جیسے کہ کھیتی کے لیے کھاد کیونکہ سب بچے کو سرزنش کرنا بری بات نہیں بلکہ اس کے حق میں اچھی ہوتی ہے سعدیؒ صاحب کا قول بھی ہے "ضرب پدر سے ضرب استاد بہتر ہے"

(ساری) والدین کی شفقت سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ آپ کا یہ قول بھی ہے اِيَّاكَ وَالدَّيْنَ فَإِنَّهُ ذُلُّ النَّهَارِ وَهَمُّ اللَّيْلِ یعنی قرض سے بچو کیونکہ یہ دن کی ذلت اور رات کی فکرمندی ہے۔

ایک دفعہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت لقمانؑ سے پوچھا کَیْفَ اَصْبَحْتَ یعنی آپ کا کیا حال ہے تو کہنے لگے اَصْبَحْتُ فِیْ یَدِ غَیْرِیْ یعنی میں نے اپ کو غیر کے ہاتھوں میں پایا ہوں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ غیر کے ہاتھ سے مراد دست قدرت الٰہی ہے۔ حفیظ جالندھری نے بھی کہا ہے

دیکھو اس گیانی دنیا ہے فانی
آگ کو ہے عشق میں
دل ہے پانی لبس میں

اسی طرح اگر کوئی آدمی آپ سے پوچھتا کَیْفَ اَصْبَحْتَ یعنی آپ کا کیا حال ہے، تو جواب دیتے اَصْبَحْتُ یَنْقُصُ عُمُرِیْ تَیْنِ یَدَیْنِ عمر گھٹ رہی ہے، اور گناہ بڑھ رہے ہیں۔

حضرت لقمانؑ سے بھی منقول ہے کہ میں نے بہت سی کڑوی چیزیں کھائی ہیں مگر فقر سے زیادہ کڑوی چیز کوئی نہیں پائی خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی

ے درمنثور ص[۵] ے البحر المحیط ص[۸] و تفسیر عثمانی ص[۲] ے درمنثور ص[۵] و فی غیر

[illegible]

پار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان تھا تمہارے لیے سینہ کشتی ہے، خدا کی ذات پر بھروسہ تمہارا بادبان ہے اور اس سفر میں تمہارا توشہ تقویٰ ہے۔ پھر اگر تم اس سمندر کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے، تو یقین کرو اللہ کی رحمت سے بچ گئے اور اگر ہلاک ہو جاؤ تو اسے اپنے گناہوں کی شامت سمجھنا۔

حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا کہ عالم اور حکمار کی مجلس میں ضرور بیٹھا کرو کیونکہ علم و حکمت کے ذریعے اللہ تعالیٰ مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے۔ آپ کا یہ قول بھی مشہور ہے کہ اے بیٹے! میں نے بڑے بڑے پتھروں اور وزنی لوہے کو اٹھایا ہے فَلَمْ اَحْمِلْ شَيْئًا اَثْقَلَ مِنْ جَارِ سُوْءٍ مگر میں نے برے پڑوسی سے بوجھل کسی چیز کو نہیں اٹھایا۔

شکر کا حوار

ارشادِ خداوندی ہے کہ ہم نے حضرت لقمانؑ کو حکمت عطا کی اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فہم و فراست اور عقل و دانش جیسی بلند چیز عطا کی ہے، اس انعام پر اس کا شکریہ ادا کرو اور یاد رکھو۔ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ جو کوئی شکر ادا کرتا ہے، تو وہ اپنی ہی بھلائی کے لیے کرتا ہے، خدا کی ذات و صفات میں شکر کرنے سے کچھ اضافہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابراہیم) اگر انعام پاکر میرا شکر ادا کرو گے تو میں مزید نعمتیں عطا کروں گا اور اگر تم نے ناشکری کا اظہار کیا تو پھر یاد رکھو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ مطلب یہ کہ شکر گزاری میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے، دنیا میں اس کے انعام و اکرام میں اضافہ ہوتا ہے، اس کا اخلاق درست ہوتا ہے اور آخرت میں درجات بلند ہوتے ہیں۔

له در منثور صـ ۱۶۲ ج ۵

له در منثور صـ ۱۶۴ ج ۵ (فیاض)

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا
تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ⑬
وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ
وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ
اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ⑭ وَاِنْ
جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ
عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ
وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ
مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ⑮

ترجمہ:- اور (اس بات کو یاد کرو) جب کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے اور وہ اس کو نصیحت کر رہے تھے، اے بیٹے! نہ شرک کرنا اللہ کے ساتھ۔ بیشک شرک البتہ بہت بڑا ظلم ہے ⑬۔ اور ہم نے تاکیدی حکم دیا ہے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں۔ اٹھایا ہے اس کو اس کی ماں نے ضعف پر ضعف برداشت کرتے ہوئے اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہوتا ہے (ہم نے اس کو حکم دیا) کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اور کبھی بُرے عقائد و اعمال کے انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔ بہر حال حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو اس طرح نصیحت فرمائی یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ مفسرین کرام اس نصیحت کی بنیاد دو چیزوں کو قرار دیتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اُن کا بیٹا واقعی شرک میں مبتلا ہو اور آپ اُس سے ہٹانا چاہتے ہوں۔ دوسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بیٹا فی الوقت شرک میں ملوث نہ ہو مگر اس کی قباحت کے پیش نظر باپ اپنے بیٹے کے ساتھ نہایت ہی خیر خواہی کا برتاؤ کرتے ہوئے اُسے آئندہ کے لیے بھی اس کے قریب جانے سے منع کر رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ باپ کو اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت ہوتی ہے اور اس محبت کا تقاضا ہے کہ اُسے ہر اس چیز سے دور رکھنے کی کوشش کرے جو اُس کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہو۔ بہر حال آپ نے دوسرے لفظوں میں یہ نصیحت کی کہ بیٹا! توحید پر قائم رہنا، ایسا نہ ہو کہ تھارا پاؤں پھسل کر شرک کی دلدل میں پھنس جائے اور یاد رکھو اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ[1] بیشک شرک بہت بڑی بے انصافی کی چیز ہے

ظلم کا لغوی معنی ہے[2] وضع الشئی فی غیر محلہٖ یعنی کسی چیز کو بے محل رکھ دینا۔ اس میں بڑے سے بڑے گناہ سے لیکر چھوٹے گناہوں اور لغزشوں تک آجاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کفر، شرک اور دیگر کبائر بھی ظلم کی تعریف میں آتے ہیں۔ قتل اور زنا جیسے بُرے افعال بھی اسی مد میں آتے ہیں۔ معمولی لغزشوں میں مثلاً یہ ہے کہ کوئی شخص جوتا پہن کر مسجد میں چلا جائے یا مسجد میں داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں پہلے اندر رکھ دے تو بظاہر یہ معمولی خطائیں ہیں مگر ظلم کی تعریف میں یہ بھی آتی ہیں۔ بہر حال جس طرح شرک جیسے کبیرہ گناہ کو ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس طرح کفر کے متعلق بھی

---

[1] البحر المحیط ص۱۸۶ ج۷

[2] تفسیر المراغی ص۸۱ ج۲۱ وصفوۃ التفاسیر ص۴۹۱ ج۲ (فیاض)

مخلوق میں سے بھی کوئی نبی، ولی، فرشتہ یا جن ہر چیز کو جانتا ہے۔ یا اس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے تو ایسے شخص نے اللہ کی صفت میں غیر کو شریک کیا اور اس طرح شرک کا مرتکب بن گیا۔ اسی طرح صفتِ خلق بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے جیسے فرمایا اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر-۶۲) ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ اب اگر کوئی شخص مخلوق میں سے کسی کے متعلق عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ بھی پیدا کر سکتا ہے تو ایسا شخص مشرک ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے صفتِ خلق میں اللہ کا شریک ٹھہرایا۔ انتہائی درجے کی تعظیم قولی، فعلی یا جسمانی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے کیونکہ معبودِ برحق اور نفع نقصان کا مالک صرف وہی ہے۔ اب اگر اسی نظریہ کے ساتھ کسی غیر کی تعظیم کی جائے کہ وہ بھی نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے تو یہ بھی شرک ہے، نذر و نیاز صرف مالک اور خالقِ حقیقی کے لیے مخصوص ہے۔ اگر غیر اللہ کے سامنے پیش کی تو شرک کا ارتکاب کیا۔ (غیر کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جو نذر و نیاز دی جاتی ہے)

تدبیر بھی اللہ کی صفتِ خاصہ ہے يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (السجدۃ-۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔ مدبر کا لفظ سورۃ النّٰزعٰت میں فرشتوں کے لیے بھی استعمال ہوا۔ جیسے فرمایا فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا (آیت-۵)۔ یعنی وہ امورِ دنیا کی تدبیر کرتے ہیں، مگر وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ اللہ نے دنیا کی جس ڈیوٹی پر لگا دیا ہے، وہ اس کو انجام دیتے ہیں اور از خود کوئی کام نہیں کرتے، لہٰذا ان کی تدبیر بھی اللہ ہی کی تدبیر کے تابع ہے۔ غرضیکہ اللہ کے سوا کسی چیز کی تدبیر بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی ایسا اعتقاد رکھے گا۔ تو وہ مشرکوں کی صف میں کھڑا ہو جائے گا۔

شرک کی بہت سی قسمیں ہیں اور اکثر و بیشتر لوگ کسی نہ کسی قسم میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ آج کل کے تعویز گنڈے بھی اسی قبیل سے ہیں۔ ایسے تعویزوں میں لبا اوقات

[illegible]

[illegible]

[illegible]

صرف اُسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ دیکھ لیں، یہاں بھی توحید باری تعالیٰ اور والدین کے حقوق کو اکٹھا بیان کیا گیا تو فرماتے ہیں کہ والدین سے نیک سلوک کا حکم حضرت لقمانؑ بھی اپنے بیٹے کو دے سکتے تھے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ ایسا کہنے میں ذاتی غرض سامنے آتی تھی، لہٰذا والدین سے حسن سلوک کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا۔

شاہ عبدالقادر دہلویؒ[1] نے اس مقام پر بڑا قیمتی نوٹ لکھا ہے کہ حضرت لقمانؑ نے بیٹے کو باپ کا حق نہ بتلایا تھا کہ اپنی غرض معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی نصیحت کے بعد اور دوسری نصیحتوں سے پہلے ماں باپ کا حق فرما دیا کہ اللہ کے حق کے بعد والدین کا حق ہے۔ باپ نے بیٹے کو اللہ کا حق بتایا تو اللہ نے اُس کو باپ کا حق تبلا دیا۔ باقی پیغمبر، مرشد یا ہادی کا حق بھی اللہ کے ذیل میں سمجھو کہ وہ بھی اُسی کے نائب ہوتے ہیں۔

بہر حال باقی انسانوں میں سے ماں باپ کا حق سب پر مقدم ہے۔ اس کے بعد دوسرے انسانوں کے حقوق آتے ہیں۔ اسی لیے حدیث[2] میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ میں کس کے ساتھ نیکی کروں، تو آپ نے تین دفعہ ماں کا نام لیا اور چوتھی دفعہ باپ کا ذکر کیا۔ اس کے بعد باقی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ چنانچہ جیسا کہ آیت کے اگلے حصے میں اشارہ ملتا ہے ماں کے حق کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

ماں کا خصوصی حق

فرمایا ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کا تاکیدی حکم دیا اور خاص طور پر ماں کے ساتھ کیونکہ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ وَهۡنًا عَلٰى وَهۡنٍ اُس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کر کے اُس کو اٹھایا یعنی دورانِ حمل ماں نے سخت تکلیف برداشت کی، اور جب بچہ پیدا ہو گیا وَّفِصٰلُهٗ فِىۡ عَامَيۡنِ اور اُس کا

---

[1] موضح القرآن صـ ۴۹۳ [2] روح المعانی صـ ۸۶/۲۱ (فیاض)

[illegible]

شرک کا انکار

پہلی آیت میں حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو شرک کی قباحت بیان کر کے اس سے منع کیا تھا۔ پھر درمیان میں اللہ نے والدین سے متعلق حسن سلوک اور اُن کی اطاعت گزاری اور خدمت گزاری کا حکم دیا، مگر شرک کے متعلق فرمایا وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اگر تیرے والدین تجھے مجبور کریں کہ تم میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک بناؤ جس کا تمہیں علم نہیں فَلَا تُطِعْهُمَا تو اُن کی بات نہ مانو۔

اس مقام پر اللہ نے صرف شرک کے معاملہ میں والدین کی اطاعت سے منع فرمایا ہے مگر صاحب تفسیر مظہریؒ[1] اور بعض دوسرے مفسرین کرامؒ[2] فرماتے ہیں کہ اگر والدین شریعت کے کسی بھی حکم کے خلاف مجبور کریں تو اُن کی بات نہیں مانی جائیگی۔ مثلاً والدین مجبور کریں کہ کسی فرض، سنت مؤکدہ یا واجب کو ترک کر دو تو اولاد کے لیے حکم ہے کہ وہ والدین کی بات نہ مانیں، ہاں اگر کسی مباح عمل سے منع کریں، مثلاً نفل پڑھنے کی بجائے اپنے پاس رہنے کا حکم دیں تو ایسی صورت میں نفل ترک کیے جا سکتے ہیں۔ اور اگر وہ کہیں نماز باجماعت کے لیے مسجد میں نہ جاؤ یا غیر اللہ کی نذر و نیاز دو تو اُن کا یہ حکم ماننے کی اجازت نہیں ہے۔

والدین سے حسنِ سلوک

فرمایا والدین کے غلط حکم کا انکار کر دو، البتہ وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا دنیا میں اُن کے ساتھ دستور کے مطابق رفاقت اختیار کرو۔ اگر والدین کافر بھی ہوں تو پھر بھی دنیاوی معاملات، لین دین اور خدمت گزاری کے سلسلے میں اُن سے اچھا سلوک کرو۔ ہمارے بزرگوں میں سے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اس حکم کی زندہ مثال ہیں۔ آپ کی والدہ آخری دم تک ہندو مت پر قائم رہی۔ اگرچہ آپ بڑی عمر کے ہو چکے تھے مگر والدہ آپ کو پیٹ بھی لیتی تھی مگر آپ اُف تک نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ ماں نے ایک گلسے کی فرمائش کی تاکہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اُسے دان (خیرات) کر سکے۔ مولانا نے گائے خرید کر دی اور ماں کو راضی

---

[1] مظہری ص ۲۶۹ ج ۷ [2] قرطبی ص ۶۴ ج ۱۴ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فرایا میری طرف رجوع رکھنے والے کا اتباع کرو ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ پھر تم سب نے میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پھر میں تمہیں بتادوں گا جو کچھ تم دنیا میں کام کرتے تھے۔ قیامت والے دن تمھاری ساری کارگذاری تمھارے سامنے آجائے گی۔

بني انها ان تك مثقال حبة من
خردل فتكن في صخرة او في السموت
او في الارض يأت بها الله ان الله لطيف
خبير ⑯ يبني اقم الصلوة وامر بالمعروف
وانه عن المنكر واصبر على ما اصابك ان
ذلك من عزم الامور ⑰ ولا تصعر خدك
للناس ولا تمش في الارض مرحا ان الله لا يحب
كل مختال فخور ⑱ واقصد في مشيك واغضض
من صوتك ان انكر الاصوات لصوت الحمير ⑲

[illegible]

نہیں پسند کرتا ہر اترانے والے اور بڑائی کا اظہار کرنے والے شخص کو (۱۸) اور میانہ روی اختیار کرو اپنی چال میں، اور پست رکھو اپنی آواز کو۔ بیشک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے (۱۹)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمانؑ کی بعض نصیحتوں کا ذکر کیا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کیں۔ ان میں سب سے پہلے آپ نے شرک کی قباحت بیان کر کے اس سے منع فرمایا۔ پھر اللہ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا تاہم اگر والدین کفر، شرک یا کسی دیگر خلاف شریعت کام کا حکم دیں تو ان کی حکم عدولی کی اجازت دی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ دنیا میں ان کے ساتھ دستور کے مطابق اچھا سلوک کرتے رہو۔ اللہ نے ان لوگوں کی پیروی کا حکم دیا جو اس کی طرف رجوع رکھتے ہیں اور واضح کر دیا کہ بالآخر تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر آنا ہے اور وہ تمہارے سارے اعمال تمہارے سامنے رکھ دے گا۔

اعمال کی پیشی

گزشتہ درس میں پہلے حضرت لقمانؑ کی نصیحت تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا۔ اب آج کے درس میں حضرت لقمانؑ کی طرف سے بیٹے کے حق میں باقی نصیحتوں کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اے میرے بیٹے! اگر کوئی چیز (نیکی یا بدی) رائی کے دانے کے برابر بھی ہو یعنی کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کی مثال دینی ہو تو ذرہ یا رائی کے دانے کے ساتھ دی جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں بالکل چھوٹی چیزیں ہیں۔ تو فرمایا کہ اگر کوئی چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی ہو فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اور وہ کسی پتھر کے اندر اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ یا وہ آسمانوں کے کسی کنارے پر یا زمین کے کسی گوشے میں ہو يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز جب حساب اعمال کی منزل آئے گی تو اللہ تعالیٰ ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کو جہاں کہیں بھی ہوگا اسے حاضر کر دے گا۔ اور ایسا

[illegible]

دن سب سے پہلے اسی کے متعلق سوال ہوگا۔ کہ دنیا میں نماز قائم کی تھی یا نہیں
فارسی شاعر نے[1] بھی کہا ہے ؎

روز محشر کہ جاں گداز بود
اولیں پرسش نماز بود

نماز تقرب الی اللہ کا قریب ترین ذریعہ ہے۔ یہ ایسی جامع العبادات ہے جس میں روح، دماغ، زبان اور دیگر اعضاء جسم اللہ کی تعظیم میں شریک ہو جاتے ہیں گویا ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے یہ عبادت کا ذریعہ نماز ہے۔ نماز میں جو مناجات اور دعائیں کی جاتی ہیں اُن میں تمام نیک لوگ شامل ہوتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جب کوئی نمازی نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ کہتا ہے تو اس کا اثر زمین و آسمان میں ہر نیک بندے تک پہنچتا ہے[2]، نماز میں تمام اہل ایمان، فرشتوں اور نیک جنات کا حق ہوتا ہے۔ جو شخص نماز نہیں پڑھتا وہ تمام بندوں کا حق ضائع کرتا ہے۔

نماز انفرادی عبادت بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ یہ انفرادی عبادت اس لیے ہے کہ اس کے ذریعے ہر فرد کی ذاتی اصلاح ہوتی ہے۔ اور اجتماعی فریضہ اس لحاظ سے ہے کہ نماز کا قیام ہر اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہے۔ شاہ ولی اللہ اپنی کتاب ازالۃ الخفاء[3] میں لکھتے ہیں کہ ہر مسلمان خلیفہ پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مساجد تعمیر کرے۔ اُن میں امام مقرر کرے اور نماز باجماعت اور جمعہ کا اہتمام کرے۔ دینی تعلیم کا بندوبست کرے اور حصول انصاف کے لیے شرعی عدالتیں قائم کرے۔ حدود کو قائم کرنا، دین کی تبلیغ کا انتظام کرنا، ملکی سرحدوں کی حفاظت کرنا وغیرہ بھی فرائض خلافت میں شامل ہیں۔ آج کل تو نظریہ بدل چکا ہے اور امور سلطنت اور امور دین کو الگ الگ چیز سمجھا جاتا ہے مگر حقیقت میں یہ سب ایک ہی چیز کے مختلف شعبے ہیں۔ جس طرح دیگر امور سلطنت انجام دینا حکومت وقت کا فریضہ ہے اسی طرح نماز کا قیام بھی حکومت کے فرائض

---

[1] عالم حق صفحہ ۔ [3] ازالۃ الخفاء، صفحہ ۔ (طیا عنہ)

[illegible]

[illegible]

یہ کام سرانجام دیں۔ اور عوام الناس کا فرض یہ ہے کہ وہ دل سے نیکی کو اچھا اور برائی کو برا سمجھیں۔

علمائے حق نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہمیشہ ادا کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں بڑی بڑی تکالیف برداشت کی ہیں۔ دنیا میں ایسے حکمران بھی گزرے ہیں کہ اگر کسی عالم نے یہ فریضہ ادا کیا تو حکم دیا کہ اس کے دانت اکھاڑ کر اس کے سر میں ٹھونک دو۔ کتنے ہی اللہ والے گزرے ہیں جنہیں اس راستے میں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ منکرات ہماری سوسائٹی کا جزو بن چکے ہیں جن میں برائی کو برائی سمجھا ہی نہیں جاتا۔ آج فلم انڈسٹری کے خلاف آواز بلند کرو، کون سنے گا؟ عریانی، فحاشی، بےحیائی قماربازی وغیرہ اپنے عروج پر ہیں مگر ان کو روکنے کی ہمت کس میں ہے؟ یہ تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان قبیح چیزوں کا قلع قمع کرے مگر وہاں بھی مصلحتیں آڑے آ رہی ہیں۔ بہرحال حضرت لقمانؑ نے بیٹے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نصیحت بھی کی۔

صبر کی ترغیب

انہوں نے بیٹے سے یہ بھی کہا وَ اصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَكَ بیٹا! ہر پیش آمدہ تکلیف پر صبر کرنا۔ راہ حق میں لوگ تمہیں طعنے دیں گے، ایذا پہنچائیں گے ذہنی تکلیف دیں گے مگر تم صبر کا دامن نہ چھوڑنا۔ دیکھو! خود حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ نے دین کی راہ میں کس قدر تکالیف برداشت کیں مگر زبان پر حرف شکایت نہ آیا۔ یہ بڑی کٹھن منزل ہے جہاں پر ثابت قدم رہنا اور حوصلہ نہ ہارنا ہے اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ یہ سب پختہ کاموں میں سے ہیں عزم الامور کا معنی یہ ہے کہ دین میں یہ ٹھوس چیزیں ہیں جن پر پختگی سے کاربند ہونا ضروری ہے۔ اقامت صلوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور مصائب پر صبر کرنا تاکیدی احکام میں شامل ہیں۔ اس کا دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بیشک یہ چیزیں ہمت والے کی باتوں میں سے ہیں۔ ہر آدمی ان امور پر عامل نہیں ہو سکتا۔ ان کاموں کو وہی لوگ انجام دیتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا ہے۔

سے اور آپ سے مگر تم ایک ذکر انگیز تحریک سخت ناپسندیدہ چیز ہے۔ خود حضور علیہ السلام کی چال اگرچہ تیز ہوتی تھی مگر آپ آگے کی طرف جھکے ہوئے نکلتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی ڈھلوان سے اُتر رہے ہیں۔ آپ قدم کو گھسیٹ کر نہیں بلکہ اٹھا کر رکھتے تھے یہ آپ کی تواضع کی علامت تھی۔ طبیعت کے خلاف نہ بہت تیز چلیں، اچھا ہے اور نہ بہت سست بلکہ میانہ روی ہی بہتر ہے۔ خدا تعالیٰ کو عاجز پسند ہے نہ کہ اکڑ۔

سلک السلوک[۲] میں ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ راستے پر چلتے ہوئے قدرے جھک کر چلا کرتے تھے۔ کسی نے دریافت کیا، اے علیؓ! کیا تمہاری پشت پر کوئی بوجھ رکھا ہے جو اس قدر جھکے جا رہے ہو؟ فرمایا، میں جھک کر کیوں نہ چلوں کہ میری پشت پر اتنا بڑا بوجھ ہے جس کو اٹھانے سے زمین، آسمان اور پہاڑوں نے بھی انکار کر دیا۔ مگر حَمَلَهَا الْإِنسَانُ (الاحزاب ۷۲) اس بوجھ کو انسان نے اٹھایا۔ یہ انسان کے مکلف ہونے کا بوجھ تھا جو اس نے اٹھایا۔ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں شریعت کے منشا اور حضور علیہ السلام کی سنت کے مطابق جھک کر چلتا ہوں۔

آواز کی پستی

حضرت لقمانؑ نے بیٹے کو چال میں میانہ روی اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ اپنی آواز کو پست رکھا کرو۔ آواز کو بلا ضرورت بلند کرنا سخت ناپسندیدہ فعل ہے۔ اللہ نے بطور تشبیہ فرمایا إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ بیشک آوازوں میں سے قبیح ترین آواز گدھے کی ہے۔ جو آدمیوں کے لیے سخت مکروہ ہوتی ہے۔ حدیث[۳] میں آتا ہے کہ جب مرغ فرشتے کو دیکھتا ہے تو آواز نکالتا ہے۔ لہٰذا جب مرغ کی آواز سنو تو اللہ کا فضل مانگو۔ اور جب گدھا شیطان کو دیکھتا ہے تو سخت ناگوار آواز نکالتا ہے، لہٰذا ایسے وقت میں شیطان اور اس کے وساوس سے خدا کی ذات کے ساتھ پناہ پکڑا کرو۔ بہرحال انسان کو بلاوجہ

---

[۱] روح المعانی ص۹۱ ج۲۱ [۲] سلک السلوک ص

[۳] تفسیر ابن کثیر ص۴۴۴ ج۳ و تفسیر ثعالبی ص۲۰۹ ج۳ (فیاض)

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً
وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا
بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ
الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾
وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَاِلَى
اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ
كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا
عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾
نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى
عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے
مسخر کیا ہے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے

[illegible]

کو شریک نہ بنایا جائے ۔ اس کے بعد محاسبۂ اعمال اور اللہ تعالیٰ کی صفت علم و وسعت کا ذکر ہوا ۔ پھر نماز کی تاکید ہوئی اور ساتھ ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کا حکم دیا حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی کہا مصائب پر صبر کرنا ، غرور و تکبر سے بچنا اور زمین پر اتراتے ہوئے نہ چلنا ۔ اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرنا ، اور آواز کو بھی پست رکھنا ۔ یہ سب اخلاقی تعلیمات اور بیش قیمت نصیحتیں ہیں جو لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو کیں ۔

تسخیر ارض و سما

جیسا کہ میں نے عرض کیا حضرت لقمانؑ کی نصائح میں سر فہرست توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے متعلق نصیحت تھی ۔ اب اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعض عقلی دلائل پیش کیے ہیں ۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَوْا اے مخاطبین ! کیا تم نے نہیں دیکھا ؟ رؤیت دو قسم کی ہوتی ہے ۔ ایک بصری اور دوسری قلبی ۔ اس مقام پر رؤیت قلبی مراد ہے کہ کیا تم نے غور نہیں کیا یعنی اس چیز کو اپنے دل میں جگہ نہیں دی کہ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۔

تسخیر کا معنی کسی چیز کو تابع کر دینا ہوتا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو کوئی چیز براہ راست کسی شخص کے قبضہ میں دے دی جاتی ہے کہ جس طرح چاہے اُسے استعمال کرے یا اُس سے کام لے ۔ جب جانور یا زمین کسی آدمی کے تصرف میں ہوتی ہے تو وہ زمین میں کاشتکاری کرتا ہے اور اُس سے پھل اور اناج حاصل کرتا ہے یا اس پر تعمیر کرتا ہے ۔ اسی طرح جانوروں کو باربرداری یا کاشتکاری کے لیے استعمال کرتا ہے ، اُن کا دودھ اور اُون حاصل کرتا ہے اور بعض کو ذبح کر کے اُن کا گوشت بھی استعمال کرتا ہے ۔ تسخیر کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی چیز کو براہِ راست کسی فردِ واحد کے سپرد تو نہیں کیا جاتا بلکہ اُسے خاص ضابطے کے مطابق کام میں لگا دیا جاتا ہے جس سے انسان اور جانور مستفید ہوتے ہیں ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نعمتیں ہیں جن کے بغیر انسان جانوروں سے بھی بدتر بن جاتا ہے ۔ اللہ نے ایسی کمال ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کی ہیں کہ انسان کسی ایک نعمت کا بھی شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ مگر یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا ناشکر گزار بنتا ہے اور اُس کی ذات ، صفات اور شان کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی توحید کو مانتا ہے ۔ بہر حال اللہ نے واضح کر دیا کہ میں نے تو انسان کو عطا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ، اب انسان ان چیزوں سے کس حد تک فائدہ اٹھاتا ہے یہ اس کی اپنی مرضی پر موقوف ہے ۔

دلائلِ توحید

ظاہری اور باطنی انعامات کا مقصد تو یہ تھا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو جائے مگر صورتِ حال یہ ہے وَمِنَ النَّاسِ اور لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم ، بغیر ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں ۔ اللہ نے اس مقام پر ان تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے کہ لوگ توحید خداوندی کا انکار کر کے شرک میں مبتلا ہوتے ہیں مگر علم ، ہدایت اور روشن کتاب میں سے اپنے حق میں کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے ۔

پہلی چیز علم ہے جس سے عقلی دلیل مراد ہے کہ کافر اور مشرک شرک کے حق میں کوئی عقلی دلیل پیش کریں جس کی بناء پر وہ دوسروں کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں ۔ پچھلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں بہت سے دلائل پیش کیے ہیں ۔ اِن میں ارض و سما کی تخلیق ، پہاڑوں کو گاڑھ دینا ، آسمان کو بغیر ستون کے کھڑا کرنا ، جانوروں کو زمین میں بکھیر دینا ، بارش اُتار کر اس سے بارونق اور عمدہ قسم کے پھل ، پھول اور اناج پیدا کرنا شامل ہے ۔ یہ سب عقلی دلائل ہیں جن میں غور و فکر کر کے انسان توحید الٰہی کو سمجھ سکتا ہے مگر اس کے برخلاف شرک کے حق میں کوئی بھی عقلی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی ۔

دوسری چیز کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ بغیر ہدایت کے اللہ کی ذات و صفات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں ۔ ہدایت سے مراد نقلی دلیل ہے جو انبیاء کی وساطت

[illegible]

تقلید کہلاتی ہے۔ ایسے لوگ نہ کسی نبی کو مانتے ہیں اور نہ کسی کتاب کو اور نہ کسی نیک شخص کے اتباع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں بلکہ اپنے باپ دادا کے طریقے کو ہی اوّل و آخر سمجھ لیتے ہیں، اور اُس کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

آباؤ اجداد کی تقلید اس صورت میں تو جائز ہے کہ وہ اللہ کے نبی یا نیک صالح اور اللہ والے لوگ ہوں۔ جیسے یوسف علیہ السلام نے قید خانے کے دوران کہا تھا وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ (یوسف۔ ۳۸) میں تو اپنے باپ دادا ابراہیم اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا اتباع کرتا ہوں اور ہمارے لیے یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں وہ تو اللہ کے نبی اور راہِ ہدایت پر تھے۔ ایسے لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنا تو باعث فخر ہے، یہ تو عین سعادت ہے۔ لیکن اگر آباؤ اجداد مشرکین، کفریہ اور معصیت والے رستے پہ ہوں تو اُن کا اتباع اندھی تقلید ہوگا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کا اتباع کریں گے ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّیْطٰنُ یَدْعُوْهُمْ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ اگرچہ شیطان اُن کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو، تو کیا پھر بھی انہی کے نقشِ قدم پر چلو گے؟ یہ تو بڑی بدبختی کی بات ہے۔ سورۃ فاطر میں فرمایا کہ بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے اور اُسے دشمن ہی سمجھو اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (آیت۔ ۶) وہ تو اپنے گروہ کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں جمع کرکے جہنم کے عذاب کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ لہٰذا بغیر سوچے سمجھے آباؤ اجداد کی تقلید نہ کسی عقلی دلیل سے ثابت ہے، نہ نقلی دلیل سے اور نہ کسی کتاب سے سورۃ بقرہ میں فرمایا کیا تم پھر بھی آباؤ اجداد کی تقلید کرو گے اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ (آیت ۱۷۰)

[illegible]

کا فرمان بھی ہے۔ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا (البقرہ-۲۵۶) جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اُس نے گویا مضبوط کڑے کو پکڑ لیا جو ٹوٹے گا نہیں تو فرمایا کہ جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیا، اور اس کام میں انبیاء ہمیشہ پیش پیش ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی آتا ہے إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ-۱۳۱) جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے اطاعت کا مطالبہ کیا تو انہوں نے عرض کیا، مولا کریم! میں ہمہ تن مطیع اور فرمانبردار ہوں۔ تو جس کام کا حکم دے۔ میں بسر و چشم تعمیل کے لیے تیار ہوں۔ جب کوئی شخص اس حال میں اطاعت گزار بن جائے گا تو یقیناً کامیاب ہو گا۔ وَإِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے قیامت والے دن جب اللہ تعالیٰ کے حضور حساب کتاب کی منزل آئیگی، تو ہر چھوٹا بڑا اور نیک و بد عمل حاضر کر دیا جائیگا اور پھر انہی کے مطابق خدا تعالیٰ کی عدالت میں فیصلے ہوں گے۔

کفر کا انجام

فرمایا وَمَنْ كَفَرَ اور جس شخص نے کفر کیا یعنی توحید کا انکار کیا، رسالت اور کتب سماویہ کا انکار کیا اور روزِ جزا کو جھٹلا دیا، تو اے نبی علیہ السلام فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهُ ایسے شخص کا کفر کرنا آپ کو زیادہ غم میں نہ ڈالے کیونکہ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ اُن سب کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا پس ہم اُن کو بتلا دیں گے جو کچھ وہ کام کرتے تھے، اُن کی ساری کارگزاری سے ہم واقف ہیں کیونکہ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بیشک اللہ تعالیٰ سینوں کے راز بھی جانتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ زبان پر آنے سے پہلے دل کی بات کو بھی جانتا ہے۔ وہ لوگوں کے انجام دیے ہوئے کاموں سے کیسے غافل ہو گا؟ وہ تمام مخفی چیزوں کو بھی جانتا ہے، لہٰذا ہر شخص کے عقیدے اور عمل کے مطابق ہی جزا اور سزا کا فیصلہ کرے گا۔

[illegible]

[illegible]

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ
لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ۝٢٥ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ
إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝٢٦ وَلَوْ أَنَّمَا فِي
الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ
مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ
اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝٢٧ مَّا خَلْقُكُمْ
وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ ۗ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ
بَصِيرٌ ۝٢٨ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي
النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ
مُّسَمًّى وَأَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝٢٩
ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ
مِن دُونِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ
الْكَبِيرُ ۝٣٠

[illegible]

کا مشورہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ کے آغاز میں قرآن حکیم کی حقانیت اور صداقت اور اس کے منکرین ہونے کا بیان تھا۔ پھر حضرت لقمانؑ کی بعض نصیحتوں کا ذکر تھا جن میں سر فہرست شرک کی تردید ہے۔ اس کے بعد توحید کے عقلی اور نقلی دلائل بیان کیے نیز یہ بھی کہ مشرکین کے پاس کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ کسی نبی یا بزرگ کا قول اور نہ کوئی روشن کتاب ہے جس سے وہ کفر یا اور شرکیہ عقائد کو ثابت کر سکیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا ذکر ہوا، اور یہ بھی کہ شیطان لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اکثر لوگ اپنے آباؤ اجداد کی رسومات پر چلتے رہتے ہیں۔ البتہ جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع کر دیتا ہے اور نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ گویا دین کے مضبوط کڑے کو پکڑ لیتا ہے۔ پھر اللہ نے تسلی دی کہ لوگوں کا کفر و شرک میں مبتلا ہونا آپ کو زیادہ غم میں نہ ڈالے۔ سب نے ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے سینوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے، ان کے تمام عقائد و اعمال اس کے علم میں ہیں۔ فرمایا ہم تھوڑی مدت کے لیے ان کو دنیا میں فائدہ اٹھانے کی مہلت دیں گے، اور پھر گھسیٹ کر دوزخ کے سخت عذاب کی طرف لے جائیں گے۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عقیدہ توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں کچھ دلائل ذکر کیے ہیں، اور اپنی بعض صفات کمال کو بیان کیا ہے ارشاد ہوتا ہے وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ تو ضرور کہیں گے کہ اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ یہ دلیل قرآن پاک میں بکثرت بیان کی گئی ہے کہ آپ کسی بھی مشرک سے ارض و سماء کی تخلیق کے متعلق سوال کر کے دیکھ لیں وہ اسے اللہ کی طرف منسوب کیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت خلق سے اپنی الوہیت کو ثابت کیا ہے کہ معبود بھی وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہے، اور جو خالق نہیں وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ دلائل توحید

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کے لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا خالق بھی کوئی نہیں۔ غرضیکہ ان دو درجات میں سب کا اتفاق ہے۔

توحید کا تیسرا درجہ اللہ کی صفت تدبیر ہے یعنی کائنات کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ اس درجہ میں اکثر لوگ اختلاف کر کے شرک کے مرتکب ہو جاتے ہیں مثلاً ستاروں کا علم جاننے والے نجومی ستاروں کو مؤثر مان کر ان کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور پھر ان کی عبادت بھی کرنے لگتے ہیں۔ عیسائی لوگ مسیح علیہ السلام کو خدا کی صفت تدبیر میں شریک کرتے ہیں۔ یہودی عزیر علیہ السلام کو اور بعض دوسرے لوگ کسی ولی، بزرگ، جن یا فرشتہ کو اس صفت میں شریک کر کے مشرک بنتے ہیں۔ البتہ اہلِ ایمان کا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح خدا کے سوا واجب الوجود اور خالق کوئی نہیں۔ اسی طرح اس کے سوا مدبر بھی کوئی نہیں، وہ ہر چیز کی تدبیر خود بلاواسطہ کرتا ہے اور اس نے یہ اختیار کسی دوسری ہستی کو نہیں دیا۔ غرضیکہ بہت سے لوگ تدبیر میں آ کر شرک کرنے لگتے ہیں۔ اللہ نے اس کا ذکر قرآن پاک میں بکثرت کیا ہے۔

توحید کا چوتھا درجہ عبادت کا ہے۔ ایک مومن کا عقیدہ تو یہی ہوتا ہے کہ عبادت کے لائق صرف وہی ذات ہے جو واجب الوجود، خالق اور مدبر ہے۔ مگر بہت سے لوگ کسی نبی، ولی، بزرگ، فرشتے یا جن کو بھی عبادت میں شریک کرتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کی عبادت براہِ راست درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی۔ جب تک درمیان میں مقربین الٰہی کی عبادت نہ کریں۔ ان کا یہ عقیدہ خود قرآن نے بیان کیا ہے مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (الزمر - ۳) کہ ہم ان کی عبادت تقرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے مقبول بندے ہیں، ہماری عبادت ان کی عبادت کے ساتھ مل کر درجہ قبولیت کو پہنچتی ہے، یا یہ کہ ان ہستیوں کو ہم اللہ کے ہاں سفارشی بناتے ہیں۔

انسان، جن، فرشتے، غرضیکہ ساری صاحبِ شعور مخلوق ان قلموں اور سیاہی کے ساتھ لکھنا شروع کرے، تو تمام قلمیں ٹوٹ جائیں گی، سیاہی ختم ہو جائیگی۔ مگر مَا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، سائنس دان کہتے ہیں، کہ دنیا میں صرف پودوں کی دس لاکھ سے زیادہ قسمیں ہیں اور درختوں کا تو شمار ہی نہیں ہے۔ ذرا اندازہ لگائیں کہ تمام پودے اور درختوں کی قلمیں بنالی جائیں اور تمام سمندروں کے پانیوں کو سیاہی میں تبدیل کر دیا جائے اور خدا تعالیٰ کے کلمات لکھنا شروع کر دیں تو یہ تمام چیزیں ختم ہو سکتی ہیں مگر پھر بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ اتنے کمالات اور وسعت کا مالک ہے۔

مفسرین کرام[1] کلمات الٰہیہ کی تفسیر دو طرح سے کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معلومات اس قدر وسیع ہیں جو ختم نہیں ہو سکتیں۔ اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کے کلمات اور اس کی خوبیوں کو لکھنے لگیں تو سات سمندروں کی سیاہی لکھتے لکھتے ختم ہو جائے گی۔ مگر اللہ کی صفات ختم نہیں ہوں گی۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا میں کہا کرتے تھے[2] اَللّٰهُمَّ لَآ اُحْصِىْ ثَنَآءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ اے اللہ! میں تو تیری تعریف کو شمار نہیں کر سکتا یعنی کما حقہ تیری تعریف کر ہی نہیں سکتا، تو ایسا ہے جیسے تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی معلومات کی وسعت یا اس کی خوبیوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ کمالِ قدرت کا مالک اور حکمت کا مالک ہے۔

بعث بعد الموت

توحید اور صفتِ کمال کے مسئلہ کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کا مسئلہ بھی سمجھا دیا ہے ارشاد ہوتا ہے دیکھو! مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ نہیں ہے تمہاری اولین تخلیق

---

[1] روح المعانی ص۳۸ ج۲۱ و مدارک ص۲۸۴ ج۳ و صفوۃ التفاسیر ص۴۹۶ ج۲ [2]
(فیاض)

[illegible]

[illegible]

خَبِیۡرٌ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے اور وہ انہی کے مطابق تمہیں بدلہ دے گا۔

فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے۔ اس کی ہر بات مبنی برحقیقت ہے اور اس کا ہر وعدہ سچا ہے وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ وَاَنَّ مَا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ الۡبَاطِلُ اور اُس کے علاوہ جس کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔ ہر ماسوی اللہ فانی ہے کوئی چیز قائم و دائم رہنے والی نہیں۔ یہ لوگ جن نبی، ولی، بزرگ، شجر، حجر، فرشتے یا جن کو حاجت روا یا مشکل کشا سمجھتے ہیں، سب فانی ہیں وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡعَلِىُّ الۡكَبِيۡرُ اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بلند اور بڑائیوں کی مالک ہے، لہٰذا عبادت بھی صرف اُسی کی کرنی چاہیئے کیونکہ اُس کے علاوہ ہر چیز باطل ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ
اللَّهِ لِيُرِيَكُم مِّنْ آيَاتِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ
لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝ وَإِذَا غَشِيَهُم
مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ
فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ ۚ
وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ۝
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا
يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ
عَن وَالِدِهِ شَيْئًا ۚ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَلَا
تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم
بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝

[illegible]

اسی کے اطاعت گزار ہو کر۔ پھر جب وہ اُن کو نجات دیتا ہے خشکی کی طرف، پس بعض اُن میں سے درمیانی چال پر ہوتے ہیں اور نہیں انکار کرتا ہماری آیتوں کے ساتھ مگر ہر وہ شخص جو عہد شکن اور ناشکر گزار ہوتا ہے (٣٢) اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار سے اور ڈرو اُس دن سے کہ نہیں کام آئے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کے لیے اور نہ کوئی بیٹا کفایت کرنے والا ہوگا اپنے باپ کے لیے کچھ بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے۔ پس نہ دھوکے میں ڈالے تمہیں دنیا کی زندگی اور نہ دھوکے میں ڈالے تم کو اللہ کے ساتھ بڑا دھوکے باز (٣٣)

ربطِ آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بیان کیے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے پہلے تخلیق کا مسئلہ سمجھایا اور اس کو الوہیت کی دلیل کے طور پر پیش کیا جب خالق اللہ کے سوا اور کوئی نہیں، واجب الوجود اور مدبر بھی وہی ہے تو پھر عبادت بھی اسی کی ہونی چاہیے، پھر اس میں دوسروں کو کیوں شریک بناتے ہو؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے رات، دن، سورج اور چاند کے تغیرات کا سلسلہ بیان فرمایا کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہیں۔ خدا تعالیٰ کا علم اور قدرت لامحدود ہیں اس کی مثال اس طرح بیان کی گئی کہ اگر روئے زمین کے تمام درخت اور پودے قلمیں بن جائیں اور ہفت اقلیم کے سمندروں کے پانی سیاہی میں تبدیل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق ان قلموں اور سیاہی کے ساتھ اس کی معلومات یا حمد و ثنا کے کلمات لکھنے لگیں تو فرمایا کہ قلمیں گھس گھس کر ٹوٹ جائیں گے، سیاہی کے تمام سمندر ختم ہو جائیں گے، مگر اللہ کی صفات ختم نہیں ہوں گی۔ اس چیز کو سعدی صاحبؒ نے بھی بیان کیا ہے ؎

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ہم چناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کے پیشِ نظر اُن کی حیثیت ایک تنکے سے زیادہ نہیں۔ جب ہوائیں چلتی ہیں، سمندر میں طوفان برپا ہوتے ہیں تو بڑے بڑے جہاز بھی سمندری لہروں پر تنکوں کی طرح تھپیڑے کھاتے رہتے ہیں اور بعض اوقات تمام تر انتظامات کے باوجود طوفانی لہروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور غرق ہو جاتے ہیں۔ ابھی قریب زمانے میں پاکستان کا جہاز "دارا" سمندر میں غرق ہوا تھا۔ اس پر پانچ سو مسافر سوار تھے۔ باہر طوفان تھا اور ادھر جہاز کے انجن میں دھماکہ ہوا، پھر کیا تھا، جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ڈوب گیا اور صرف دو ڈھائی سو آدمی بچائے جا سکے۔ باقی سب لقمۂ اجل بن گئے۔

ابھی چند سال کی بات ہے کہ فیصل آباد سے ایک صاحب اپنے رشتہ داروں سے ملنے کے لیے گوجرانوالہ آئے اور کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے یہاں مسجد میں بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ وہ اٹلی کے ایک مال بردار جہاز پر ملازم تھے۔ اسی ہزار ٹن وزنی یہ جہاز پچیس ہزار ٹن مال لے کر اٹلی سے امریکہ جا رہا تھا۔ اٹھارہ عملے کے آدمی تھے جن میں دو مسلمان اور باقی انگریز تھے۔ جہاز شدید طوفان میں پھنس کر ڈوبنے لگا۔ اس وقت اللہ کی رحمت کے سوا تمام وسائل ناکام ہو چکے تھے۔ جب بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو انگریزوں میں سے بعض نے شراب پی کر سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ کہتے ہیں کہ ہم دو مسلمانوں نے اللہ پر بھروسہ کر کے ایک چھوٹی کشتی کو سمندر میں اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہم سمندر کی لہروں کے تھپیڑے کھاتے رہے۔ بھلا اتنے بڑے جہاز کے مقابلے میں چھوٹی سی کشتی کی کیا حیثیت تھی مگر ہم اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوئے تھے۔

اتنے عرصہ میں باہر کی دنیا میں اس حادثے کی خبر پہنچ چکی تھی۔ کسی ملک کے ایک ہیلی کاپٹر نے ہمیں سمندر سے زندہ نکال لیا اور لے جا کر ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد جب ہوش و حواس قائم ہوئے تو وطن آنے کی اجازت ملی۔ مطلب یہ کہ سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا محض اللہ کے فضل و کرم کا مرہونِ منت ہے، ورنہ وسیع و عریض سمندروں کی سطح پر ان کشتیوں اور

[illegible]

گیا، وہ انسان کہلانے کا حقدار ہی نہیں۔

توحید کی دلیل

آگے اللہ نے ایک مثال کے ذریعے توحید پر عقلی دلیل قائم کی ہے مشرکوں کی حالت یہ ہے وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ جب ان کو سمندر کی موجیں بادلوں کے سائبان کی طرح ڈھانپ لیتی ہیں۔ سمندر میں طوفان اٹھ رہا ہو، کشتی ہچکولے کھا رہی ہو اور اوپر سے بادلوں نے سایہ تان رکھا ہو ایسی حالت میں ہر آن ڈوبنے کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہو تو فرمایا دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اس وقت مشرک لوگ نہایت ہی اخلاص کے ساتھ خدا تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔ جب بچ جانے کے تمام ظاہری اسباب منقطع ہو جاتے ہیں، کسی مادی امداد کی امید ختم ہو جاتی ہے تو پھر آخر کار ساری نظریں اللہ کی رحمت کی طرف لگ جاتی ہیں کہ اب اس کے سوا اس طوفان سے کوئی نہیں بچا سکتا، وہی ذات ہے جو ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو کنارے لگا سکتی ہے۔ لہٰذا گڑگڑا کر اسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

فرمایا پھر جب اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کی نگاہ ڈالتا ہے فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اور انہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے یعنی ان کی کشتی ساحل تک پہنچ جاتی ہے اور وہ ڈوبنے سے بچ جاتے ہیں فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ تو ان میں سے بعض میانہ روی پر ہوتے ہیں۔ یعنی اگرچہ ان میں مکمل خوف تو نہیں ہوتا، پھر بھی خدا تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کا تصور دل میں ہوتا ہے ظاہر ہے کہ توحید کو ماننے والا میانہ روی پر ہوگا۔ جب کہ کفر و شرک کا مرتکب اور ناشکر گزار آدمی اعتدال سے باہر نکلنے والا ہوگا۔ تو فرمایا کہ طوفان سے زندہ بچ نکلنے والے بعض لوگ تو میانہ رو ہوتے ہیں وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ اور ہماری آیتوں کا ہر وہ شخص انکار کرتا ہے جو عہد شکن اور ناشکر گزار ہوتا ہے۔ ختار کا معنی عہد توڑنے والا ہوتا ہے۔ جب طوفان میں پھنس گئے تھے تو اللہ تعالیٰ کو مخلص اطاعت کا وعدہ کیا تھا، مگر جب جان بچ گئی تو پھر وہی

[illegible]

ہے۔ یہ حادثہ اتنا شدید ہوگا کہ کوئی قریب ترین رشتہ دار اور یار دوست بھی ایک دوسرے کے کام نہیں آ سکیں گے، بلکہ ہر شخص کو اپنی پڑی ہوگی اور وہ دوسروں کا پرسان حال نہیں ہوگا۔ اللہ نے اسی طامۃ الکبریٰ یعنی بڑے واقعہ کا ذکر فرمایا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔ وَاخْشَوْا یَوْمًا اور اس دن کا خوف کھاؤ لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کے کسی کام نہیں آ سکے گا۔ اسی طرح وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا اور نہ ہی کوئی بیٹا اپنے باپ کی کفایت کر سکے گا۔ مطلب یہ کہ اگر کہیں بیٹا پھنس گیا تو باپ نہیں چھڑا سکے گا اور باپ پھنس گیا تو بیٹا کسی کام نہ آئے گا۔ اس وقت صرف توحید، ایمان اور نیکی ہی کام آئے گی۔ اسی لیے فرمایا کہ اس دن سے ڈر جاؤ جب کوئی رشتہ دار، کوئی برادری اور کوئی یار دوست کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ سورۃ عبس میں فرمایا اس دن یہ حالت ہوگی یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ ﴿۳۶﴾ کہ آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بیٹے سے دور بھاگے گا اور کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔

ایک موقع پر خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے گھر والوں سے خصوصی خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنی پیاری بیٹی فاطمہؓ، اپنی پھوپھی صفیہؓ، چچا عباسؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آخرت کی فکر کر لو۔ میں دنیا کے مال کے ذریعے تو تمہاری مدد کر سکتا ہوں لیکن اگر تم توحید اور ایمان سے خالی ہوئے تو قیامت والے دن تم کو نہیں بچا سکوں گا۔ لہٰذا تم خود اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی کوشش کرو۔

دنیا اور شیطان کا دھوکہ

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے قیامت ضرور برپا ہوگی، حساب کتاب کی منزل آئے گی اور سب کو جزائے عمل سے دوچار ہونا پڑے گا۔ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا پس اے لوگو! تمہیں دنیا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

رکوع

إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ
وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ
مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ
بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۴﴾

ترجمہ:- بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم۔ اور اتارتا ہے وہ بارش۔ اور جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے۔ اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ وہ کل کیا کمائے گا۔ اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کس سرزمین میں وہ مریگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی (سب کچھ) جاننے والا اور (ہر چیز کی) خبر رکھنے والا ہے ﴿۳۴﴾

ربط آیات سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا ذکر کیا، پھر توحید اور شرک کا مسئلہ بیان ہوا اور حضور رسالت کا ذکر بھی ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کمال اور بعض مشاہدات قدرت کا ذکر کر کے انہیں اپنی توحید پر بطور دلیل پیش کیا۔ اس کے علاوہ وقوع قیامت، محاسبہ اعمال اور جزائے عمل کا ذکر بھی ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت مختصہ عالم الغیب ہونے کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔

مفاتیح الغیب اس ضمن میں ان پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے اور کوئی دوسری ذات ان چیزوں کا تفصیلی اور واضح علم نہیں رکھتی۔ سورۃ الانعام میں ان چیزوں کو مفاتیح الغیب بھی کہا گیا ہے وَعِندَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قیامت بھی ہے اور اس مقام پر یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ اور مطلب یہ ہے کہ وقوعِ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے ۔ وقوعِ قیامت کے وقت کے متعلق سورۃ الاعراف میں ہے ۔ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ (آیت ۔ ۱۸۷) اللہ تعالیٰ ہی قیامت کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا ۔ سورۃ الزخرف میں فرمایا ہے ۔ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (آیت ۔ ۶۶) کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ قیامت اچانک آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو؟ وقوعِ قیامت کی کچھ نشانیاں اور مابعد کے بعض واقعات تو اللہ نے اپنے پیغمبر کو بتلا دیے ہیں مگر اس کے وقوع کا عین وقت اللہ نے نہ کسی فرشتے کو بتایا ہے ، نہ پیغمبر کو اور نہ کسی جن کو ۔ یہ علم صرف اس کی اپنی ذات تک ہی محدود ہے کہ قیامت کب واقع ہوگی ۔

نزولِ بارش کا علم

فرمایا وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ اور وہ بارش نازل کرتا ہے ۔ جہاں تک بارش کا تعلق ہے تو اس کی پیشین گوئی کسی حد تک کی جا سکتی ہے آج کل محکمہ موسمیات والے بیرومیٹر (BAROMETER) کے ذریعے ہوا کا رخ اور دباؤ معلوم کرتے ہیں اور پھر اس سے بارش کے نزول کا علاقہ اور وقت متعین کرتے ہیں ۔ ان کی یہ پیشین گوئی بعض اوقات صحیح بھی ہوتی ہے اور بعض مواقع پر غلط ثابت ہوتی ہے کیونکہ بارش کے نزول کا علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ۔ مزید برآں یہ پیشین گوئی بارہ گھنٹے ، چوبیس گھنٹے یا اس سے زیادہ عرصہ کے لیے ہوتی ہے کوئی بھی ماہر بارش کے نزول کا عین وقت نہیں بتا سکتا اور نہ ہی وہ حصہ زمین متعین کر سکتا ہے جس پر بارش متوقع ہے ۔ یہ بھی کوئی نہیں بتا سکتا کہ فی الواقع کتنے انچ یا کتنی مقدار میں بارش ہوگی اور پھر یہ بھی کہ یہ مقامی طور پر مفید ثابت ہوگی یا سیلاب کی صورت میں نقصان کا موجب ہوگی ۔ یہ تمام تفصیلات نزولِ بارش کا حصہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بھی خدا تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔

جائے موت کا علم

اللہ نے پانچویں بات یہ فرمائی وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ م بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اُس کی موت کس سرزمین میں واقع ہوگی مطلب یہ کہ اس چیز کا علم بھی اللہ تعالیٰ کی ذات تک محدود ہے۔ روز مرہ مشاہدے میں آتا رہتا ہے کہ انسان کسی کام کاج کے لیے نکلتا ہے مگر اُس کی موت گھر، شہر اور علاقے سے دُور دراز جگہ پر واقع ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ایسا ہونا اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو بس، ریل یا ہوائی جہاز کے حادثہ میں، جاں بحق ہو جاتے ہیں اور کتنے ہی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی لاش تک نہیں ملتی سمندروں میں ڈوب جانے والوں یا لق و دق صحرا میں جان دینے والوں کے متعلق کون جانتا ہے کہ وہ کس مقام پر موت کی آغوش میں چلے گئے۔ پاکستان کی قومی کمپنی کا ہوائی جہاز گلگت سے راولپنڈی آتے ہوئے ایسا غائب ہوا کہ آج تک اُس جگہ کا بھی تعین نہیں ہو سکا، جہاں وہ گر کر تباہ ہوا۔ لاش تو کجا تنے بڑے جہاز کا ڈھانچہ تک نہیں ملا۔ اُس جہاز کے مسافر لوگ ضرور جانتے تھے کہ اُن کی موت کہاں واقع ہوگی اور نہ ہی پسماندگان کو آج تک اُن کی جائے موت کا علم ہو سکا ہے۔

حضرت ابو مسعودؓ[1] فرماتے ہیں کہ ایک موقعہ پر ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئے۔ اُن کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا جس کی طرف ملک الموت نے گھور کر بغور دیکھا۔ وہ شخص ڈر گیا اور سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھے یہاں سے دور کہیں ہندوستان کے کسی خطے میں چھوڑ دو۔ جنات اور ہوا تو سلیمان علیہ السلام کے تابع تھے۔ آپ نے حکم کیا تو وہ شخص دور دراز علاقے میں پہنچ گیا۔ پھر آپ نے ملک الموت سے پوچھا کہ آپ اس شخص کو گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے تھے

---

[1] ابن مسعود ۱۹۳ و مدارک ۲۸۶ و مظہری ۲۸۰ (فیاض)

اکوان اور احکام کا علم

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں[1] کہ یاد رکھنا چاہیئے کہ غیب کی چیزوں کا تعلق یا تو احکام سے ہوتا ہے یا اکوان سے۔ احکام سے مراد شرعی احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو بتلاتا ہے کہ فلاں چیز حلال ہے یا حرام، یا فلاں کام جائز ہے یا ناجائز۔ یہ احکام از قسم غیب ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا کلی علم اپنے پیغمبروں کو عطا فرما دیا۔ ہم دین کے کسی مسئلہ یا حکم کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ اس کا علم اللہ کے نبی کو نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو شرعی احکام کا تفصیلی علم دے دیا ہے یا وہ اصول بتلا دیئے ہیں جن کی رو سے کوئی حکم نکالا جا سکتا ہے۔ سورۃ الجن میں بھی ہے عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ﴿۲۷﴾ اللہ تعالیٰ کی ذات عالم الغیب ہے، وہ کسی پر اپنا غیب ظاہر نہیں کرتا، البتہ اپنے رسولوں میں سے جسے پسند کرتا ہے اُسے بذریعہ وحی بتلا دیتا ہے۔

جہاں تک اکوان یعنی اس کائنات میں واقع ہونے والے امور کا تعلق ہے تو یہ چیزیں یا تو مکان سے متعلق ہوتی ہیں یا ماضی، حال یا مستقبل سے۔ ان کی جزئیات کا بے شمار علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی دیا ہے اور بعض دوسرے لوگوں کو بھی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو بعض اکوانی چیزوں کا علم دے دیا جو اپنے جلیل القدر پیغمبر اور صاحب تورات رسول موسیٰ علیہ السلام کو بھی نہیں دیا۔ البتہ شرعی احکام کا علم اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو مکمل طور پر دیا جو حضرت خضر علیہ السلام کو نہیں دیا۔ بہر حال اس آیت میں مذکور پانچوں چیزوں کا تعلق اکوان یعنی زمان و مکان سے ہے، لہٰذا ان کا علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا۔

علم غیب پر اصولی بحث

اہل بدعت اور شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ پیغمبر، ولی اور امام بھی غیب جانتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ حقیقت میں غیب وہ

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۵۳۸ (فیاض)

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

سورة السجدة

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ سجدہ مکی ہے۔ یہ تیس آیات ہیں اور اس کے تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓ ① تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ
رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ② اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ
بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ
اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ
يَهْتَدُوْنَ ③ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ
ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ
دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④
يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ
يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ
سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤

[illegible]

اس سورۃ کے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں سجدہ کا لفظ آیا ہے۔ مگر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سجدہ تلاوت تو بہت سی سورتوں میں آتا ہے۔ پھر اس سورۃ کی کیا خصوصیت ہے کہ اس کا نام ہی سجدے کے نام پر رکھ دیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اس سورۃ میں سجدے کا ذکر خاص انداز میں کیا گیا ہے کہ جب اہل ایمان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پاک کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ فوراً سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اس سورۃ کا نام ہی سورۃ السجدہ رکھ دیا گیا ہے۔

اس سورۃ کی تیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔ یہ سورۃ تین سو اسی الفاظ اور ایک ہزار پانچ سو اٹھارہ (۱۵۱۸) حروف پر مشتمل ہے۔ اس سورۃ کا زمانہ نزول سورۃ لقمان کے قریب قریب ہی ہے یعنی یہ مکی دور کے درمیانی یا آخری دور کی سورۃ ہے۔

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

گزشتہ سورۃ لقمان میں حضرت لقمان کی بعض نصیحتوں کا ذکر کیا گیا تھا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔ اب اس سورۃ مبارکہ میں اللہ کا شکر ادا کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور وہ ہے اقامت صلوٰۃ۔ نماز پڑھنے والا آدمی گویا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ دونوں سورتیں آپس میں مربوط ہیں۔

فضائل سورۃ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ تیس آیات پر مشتمل ایک ایسی سورۃ ہے جسے ایک شخص نے پڑھا تھا۔ تو اس سورۃ نے اس آدمی کے حق میں سفارش کی اور اس شخص کو اللہ نے عذاب سے بچا لیا۔ یہ وہی سورۃ السجدہ ہے۔[1] قرآن پاک میں تیس تیس آیات والی تین سورتیں ہیں یعنی سورۃ السجدۃ، سورۃ الملک، اور سورۃ الفجر۔ عذاب قبر سے بچاؤ کے لیے ان تینوں سورتوں کی تلاوت مفید ہے۔[2] چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سونے سے پہلے سورۃ الملک

---

۱ در منثور ص ۱۷۱ ج ۵

۲ در منثور ص ۱۷۱ ج ۵ ، روح المعانی ص ۱۲۲ ج ۲۱ ، فتح القدیر ص ۲۴۱ ج ۴ ، تفسیر الثعالبی ص ۲۲۲ ج ۳ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کریں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ مسلمان قوم جس کے پاس قرآن پاک جیسا عظیم دستور العمل موجود ہے، امور ریاست سرانجام دینے کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے، کافر، مشرک اور اشتراکیت زدہ ملک کوریا کی طرف دیکھ رہا ہے۔ اسلام کے نام پر بنے ہوئے اس ملک پاکستان کے لیے اس سے بڑی لعنت کیا ہو سکتی ہے۔ سورۃ الاعراف میں اللہ کا فرمان ہے وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (آیت ۹۶) اگر بستیوں کے ایمان اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔ مگر ان لوگوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کی کمائی کے بدلے میں ان کو سزا دی۔ خداوند تو ایمان اور تقوے کے ذریعے بستیوں کو سدھارنے کا حکم دیتا ہے مگر ہم اغیار کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ ریاست اور شہروں کی ترقی کے لیے قرآن سے بڑھ کر کون سا پروگرام ہے۔ کوریا سے تو محض الحاد کی درآمد ممکن ہے۔ ایک مسلمان قوم کو چاہیے کہ وہ ایمان، تقویٰ اور عدل کی راہ اختیار کرے تو ان کے لیے سارے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

حروف مقطعات

اس سورۃ کی ابتدا بھی حروف مقطعات الٓمّٓرٰ سے ہوتی ہے۔ ان حروف کے معانی گذشتہ سورۃ کی ابتداء میں اجمالی طور پر بیان کر دیے گئے تھے۔ جن کا بہترین مفہوم وہی ہے جو امام جلال الدین سیوطیؒ نے بیان کیا ہے[1] اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ ان حروف کی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا ہمارا اس پر ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں ان تینوں حروف[2] ا، ل، اور ر میں سے ا حلق کی انتہا سے نکلتا ہے۔ ل حلق کی درمیان سے اور ر کا مخرج ہونٹ ہیں۔ ان حروف سے یہ نقطہ سمجھایا گیا ہے کہ انسان جو

۱؎ جلالین ص۲۰۸ ۲؎ بیضاوی ص۲۵۱ (فیاض)

[illegible]

ملک عرب کی سرزمین پر کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ اور اس لحاظ سے یہ لوگ واقعی نرے ام تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے تو بہت سے بنیو تسام و خلیلین ہیں گذرے ہیں حتیٰ کہ یمن میں حضرت ہود اور صالح علیہما السلام بھی مبعوث ہوئے۔ مگر عرب کا علاقہ انبیاء کی آمد سے طویل عرصہ تک محروم رہا اور یہ لوگ وحی کے علم سے نابلد تھے۔ اسی لیے ان کا لقب اُمی مشہور ہو چکا تھا۔ چنانچہ بعض مفسرین نے اس سورۃ کا نام سورۃ الامیین بھی بتایا ہے۔ بہرحال مطلب یہی ہے کہ بنی اسماعیل میں طویل عرصہ تک کوئی نبی نہیں آیا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل فرما کر ان لوگوں کی تعلیم کا بندوبست کیا تاکہ یہ لوگ اللہ کے عذاب سے ڈر کر ہدایت کا راستہ اختیار کریں۔

استویٰ علی العرش

آگے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان کی گئی ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا۔ تخلیق ارض و سما کا ذکر قرآن میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ فرمایا کہ ان چیزوں کی تخلیق کے بعد ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہوا اللہ کریم کا عرش پر مستوی ہونا متشابہات میں سے ہے۔ اس کا عرش پر قائم ہونا اس طرح ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ ہم اس استویٰ کو عام انسان کے کرسی، صوفے یا چارپائی وغیرہ پر بیٹھنے پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات مادی اشیاء اور زمان و مکان کی قید سے پاک ہے۔ وہ ان چیزوں سے وراء الوراء ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اس کو تجلی سے تعبیر کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم کا عکس سب سے پہلے عرش پر پڑتا ہے، جس سے سارا عرش رنگین ہو جاتا ہے۔ عرش کے نیچے حظیرۃ القدس کی جماعتیں رہتی ہیں۔

کے لہ

[illegible]

ہے اور اُس کے نتائج اُوپر چڑھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی حکم نافذ کرتا ہے تو وہ نافذ ہو جاتے ہیں اور پھر ہزار سال تک اُن پر عملدرآمد ہوتا ہے اور اُس کے نتائج برآمد ہو کر اُوپر چڑھتے ہیں اور پھر دوسرا حکم نافذ ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون دوسرے مقام پر بھی آیا ہے وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج ۴۷) تمہارے پروردگار کے ہاں کا ایک دن تمہاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار سال کا ہوگا۔

شاہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو تدبیر اور انتظام سے متعلق حکم عرش سے جاری ہوتا ہے، پھر وہ نیچے کی طرف آتا ہے تو تمام حسی، معنوی، ظاہری اور باطنی اسباب جمع ہو کر اس حکم کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں۔ اللہ کی مشیت اور حکمت کے مطابق وہ حکم طویل وقت تک نافذ رہتا ہے اور اس کے بعد اُسے واپس لے لیا جاتا ہے اور دوسرا حکم جاری کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال پیغمبروں کی بعثت ہے۔ اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں کی تعلیم کا اثر قرنوں تک رہا۔ اس طرح بڑی بڑی قوموں اور نسلوں کی عملداری سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال تک چلتی رہی۔ غرضیکہ فرمایا کہ اس دنیا کا ایک ہزار سال اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک دن کے برابر ہے۔[1]

دوسرے مقام پر ایک دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر بھی بتائی گئی ہے تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (المعارج ۴) فرشتے اور جبرائیل امین ایک دن میں اُوپر چڑھتے ہیں اور اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے کہ اُس کی طوالت یہاں کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔ گنہگاروں کے لیے یہ دن اگرچہ اتنا طویل ہوگا، مگر اہل ایمان پر یہ عرصہ جلد گزر

---

[1] موضح القرآن صفحہ ۴۹۶ (ملخص)

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶﴾
الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ
الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ
سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۸﴾ ثُمَّ
سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ
السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا
تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ
ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗئِ
رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ
الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ
ع ۱۴ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: وہ وہی ہے جاننے والا پوشیدہ بات اور کھلی بات کو۔ کمال قدرت کا مالک اور نہایت رحم کرنے والا ﴿۶﴾ وہ جس نے اچھا کیا ہے ہر ایک چیز کو جس کو اُس نے پیدا کیا ہے۔ اور شروع کی ہے اُس نے انسان کی پیدائش مٹی سے ﴿۷﴾ پھر بنایا ہے اُس کی نسل کو ایک حقیر پانی کے نچوڑ سے ﴿۸﴾

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] [illegible]
[illegible]

صفات کی نسبت جب اس جہان کی تخلیق کی طرف کی جاتی ہے تو یکے بعد دیگرے اس کی چار صفاتِ مختلفہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کی پہلی صفت ابداع یا فطور ہے۔ قرآن میں اس صفت کا ذکر جگہ جگہ آتا ہے بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (البقرہ۔۱۱۷) فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (فاطر-۱) وہ خدا تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا پیدا کنندہ ہے۔ بدیع یا فاطر ایسی تخلیق کو کہتے ہیں جو بغیر کسی مادے، آلے یا نمونے کے کی گئی ہو۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے نہ کوئی اس کے لیے مادہ تیار کیا گیا۔ نہ ان کو بنانے کے لیے کسی مشینری یا لیبر کی ضرورت پڑی اور نہ ہی پہلے سے کوئی سمپل موجود تھے جس کی نقل کی گئی ہو، تو گویا آسمان و زمین کی تخلیق کے ضمن میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت بدیع نے کام کیا۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت خلق ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی چیز کسی دوسرے مادے سے تیار کی جائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر مادے کے پیدا نہیں کیا بلکہ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران - ۵۹)۔ اللہ نے ان کو مٹی کے مادے سے پیدا کیا۔ مطلب یہ کہ مٹی یا زمین کی تخلیق صفت ابداع کے مطابق بغیر مادے کے ہوئی تھی، اب آدم علیہ السلام کی تخلیق اس مٹی کے مادے سے ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی تیسری صفت تدبیر ہے، کسی چیز کا گھٹانا، بڑھانا، صحت، بیماری ترقی و تنزل، زندہ کرنا، مارنا، غرضیکہ تمام تغیرات و تصرفات اللہ کی صفت تدبیر کے تحت انجام پاتے ہیں۔ یہ ساری تدبیر بھی اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے اور یہ کام بھی اس نے کسی دوسری ہستی کے سپرد نہیں کیا۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت تدلّی ہے۔ جب انسان کی تخلیق ہوتی ہے تو اس کے قلب پر براہ راست اللہ تعالیٰ کی تجلی کا عکس پڑتا ہے، اسی کو تدلّی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس دنیا میں چونکہ لوگ حجاب مادیت، حجاب رسم و رواج یا حجاب سوءِ معرفت میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس لیے

[illegible]

بہترین تخلیق

آگے اللہ تعالیٰ کی ایک اور صفت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ کی ذات وہ ہے اَلَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ کُلَّ شَیۡءٍ خَلَقَهٗ جس نے اپنی پیدا کردہ ہر چیز کو خوب بنایا ہے۔ اللہ کریم نے ہر شے کو ایسی کمالِ حکمت اور کمالِ مصلحت سے تخلیق کیا ہے کہ اس سے بہتر تخلیق ممکن ہی نہیں۔ امام غزالیؒ کا قول بھی ہے کہ کائنات میں خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں سے بہتر تخلیق ممکن نہیں۔ اللہ تعالےٰ کی تخلیق میں درخت، پہاڑ، چرند، پرند، پھل اور پھول وغیرہ ہیں جو اللہ تعالےٰ کی کمالِ قدرت کے شاہکار ہیں۔ خاص طور پہ انسان کے متعلق فرمایا، لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ (التین۔۴) ہم نے انسان کو بہترین سرشت میں پیدا کیا۔ انسان کی ظاہری شکل وصورت اس کا قد، رنگت، بال، کھال، ہاتھ، پاؤں، حواسِ ظاہرہ اور باطنہ غرضیکہ اللہ تعالےٰ نے ہر عضو کو کمال درجے کا بنایا ہے اور اس میں ضرورت کی ہر خوبی جمع کر دی ہے پھر فرمایا وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِیۡنٍ اور انسان کی پیدائش کی ابتداء مٹی سے کی۔ انسان میں تمام تر خوبیوں کے باوجود اس کی اصل مٹی ہے جس سے آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہوا۔ اللہ کا فرمان ہے خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ (آل عمران۔۵۹) اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی کے مادے سے تخلیق فرمایا۔ الغرض! اولین انسان کی تخلیق مٹی سے کرنے کے بعد ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِیۡنٍ اس کی نسل کو ایک حقیر قطرۂ آب کے خلاصے سے چلایا۔ اب نسلِ انسانی قطرۂ آب سے چل رہی ہے۔ یہ قطرہ عورت کے رحم میں پہنچ کر بچے کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے اور اس طرح نسلِ انسانی کا سلسلہ چل رہا ہے۔

فرمایا ثُمَّ سَوّٰىهُ پھر رحمِ مادر میں بچے کے اعضاء و جوارح کو درست کیا۔ ہر عضو کو اپنے ٹھکانے پہ رکھا، اس میں حواسِ ظاہرہ اور باطنہ پیدا کیے جب ڈھانچہ مکمل ہو گیا وَنَفَخَ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ تو پھر اس میں اپنی

[illegible]

[illegible]

اسی طرح دل بھی انسان کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ مرکزِ شعور ہے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اور محبت و نفرت کے جذبات دل میں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان تین چیزوں کا بطورِ خاص ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ نے انسان کو حواسِ خمسہ کی نعمت عطا فرمائی ہے جن کے ذریعے انسان سننے اور دیکھنے کے علاوہ سونگھتا ہے، چکھتا ہے اور ٹٹولتا ہے۔ فرمایا اتنی عظیم نعمتیں حاصل کرنے کے باوجود قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ تم میں سے بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اپنے خالق اور مالک کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ان اعضائے رئیسہ کا شکریہ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان کانوں کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ کے فرمودات اور دوسری اچھی باتیں سنے، اپنے کاروبار، صنعت و حرفت اور فن کو سیکھنے کے لیے استعمال کرکے حلال روزی کا بندوبست کرے۔ اسی طرح آنکھوں کے ساتھ قرآن پاک کی زیارت اور اس کی تلاوت کرے دیگر کتبِ دینیہ کا مطالعہ کرے، نشاناتِ قدرت کو دیکھ کر اس کی تعریف و توصیف کے کلمات زبان پر لائے اور اُن سے عبرت حاصل کرے۔ اللہ کی عطا کردہ نگاہ کسی غلط مقام پر نہ ڈالے اور نہ کانوں کے ذریعے حرام باتوں کو سنے۔ اسی طرح دل کا شکریہ یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعے غور و فکر کرکے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانے اور اس میں بُرے وساوس اور غلط ارادوں کو داخل نہ ہونے دے۔ فرمایا تم میں سے بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں

بعث بعد الموت

کفار و مشرکین بعث بعد الموت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ بلکہ اس ضمن میں طرح طرح کے اعتراضات کرتے تھے وَقَالُوٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ کہتے تھے کہ کیا جب ہم بوسیدہ ہو کر مٹی میں رل مل جائیں گے اور ہمارے ذرات منتشر ہو جائیں گے ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ تو کیا ہم پھر نئی پیدائش میں پیدا کیے جائیں گے؟ جب کوئی انسان مر جاتا ہے تو اس کو زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے تو کچھ عرصہ کے بعد اس کا جسم حتیٰ کہ ہڈیاں بھی گل

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جو تمام کائنات کے انسانوں اور دیگر جانداروں کی روحیں قبض کرنے پر مامور ہے
سورۃ الانعام میں ہے حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (آیت - ۱۱) جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی جان کو قبض کر لیتے ہیں۔ مفسرین کرامؒ اس کی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب کسی کی موت کا وقت قریب آجاتا ہے تو عزرائیل علیہ السلام کے ساتھی فرشتے متعلقہ شخص کی جان کو اس کے جسم حتیٰ کہ اس کے ناخنوں اور بالوں سے سمیٹ لیتے ہیں۔ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ (الواقعۃ - ۸۳) حتیٰ کہ جب وہ بالکل حلق میں آجاتی ہے تو ملک الموت اس کو لے لیتا ہے اور پھر وہ اس کو آگے لے جاتے ہیں۔

حدیث[۱] میں ایک انصاری صحابیؓ کا واقعہ آتا ہے حضور علیہ السلام اس کی نزع کی حالت میں اس کے پاس گئے۔ وہاں ملک الموت موجود تھے۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ اے ملک الموت! میرے صحابی کے ساتھ جان کنی میں نرمی اختیار کرو۔ اس نے جواب دیا، اے محمدؐ! خدا کی قسم میں تو ہر مومن کے ساتھ نرمی کا سلوک کرتا ہوں میں تو اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہوں اور اس کے حکم کی تعمیل میں تلاش کرتا رہتا ہوں کہ کس شخص کی جان کو کس وقت اور کس مقام پر قبض کرنا ہے حقیقت یہ ہے کہ میں ایک مچھر کی جان بھی اپنے ارادے اور قدرت سے نہیں نکالتا میں تو صرف خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ مجھے بھی عین وقت پر ہی بتلایا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی جان فلاں وقت اور فلاں مقام پر قبض کرنی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ملک الموت مقرر ہے جو تمہاری جانوں کو قبض کر لیتا ہے۔

بعد از وفات فرمایا جب کسی شخص کی روح قبض کر لی جاتی ہے ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

---

[۱] جمل صفحہ ۴۱۵ جلد ۳

[۲] روح المعانی صفحہ ۱۲۵ جلد ۲۱ و قرطبی صفحہ ۹۲ جلد ۱۴ و در منثور صفحہ ۱۷۳ جلد ۵ (فیاض)

[illegible]

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا
نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَوْ شِئْنَا
لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ
الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٣﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ
لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا
عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤﴾
اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا
خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿١٥﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ
عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا
وَّطَمَعًا ۡ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿١٦﴾

ترجمہ۔ اور اگر آپ دیکھیں (اس حالت کو) جب
کہ مجرم لوگ اپنے سر نیچے کیے ہوئے ہوں گے
اپنے پروردگار کے سامنے (اور کہیں گے) اے ہمارے

[illegible]

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں۔ درمیان میں اختصار کے ساتھ پیغمبر علیہ السلام کو خطاب کیا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہاری جانوں کو ملک الموت قبض کر لیتے ہیں، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہلی دفعہ پیدا کر دیا تو اب دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیسے مشکل ہو سکتا ہے۔ اس کا فیصلہ ہے کہ وہ سب کو ضرور زندہ کر کے اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا، اور پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل آئے گی۔

دنیا میں دوبارہ آمد کی تمنا

اب اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کی دوبارہ زندگی کا کچھ حال بیان فرمایا ہے۔ آج تو یہ لوگ اس چیز کو ناممکن خیال کرتے ہیں مگر قیامت کے دن جب یہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیے جائیں گے تو ان کی پشیمانی قابلِ دید ہو گی۔ فرمایا وَلَوْ تَرٰٓی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اور اگر آپ دیکھیں ان مجرموں کو جب کہ وہ اپنے پروردگار کے سامنے سرنگوں حاضر ہوں گے، ندامت اور ذلت کے ساتھ عرض کریں گے رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا وَسَمِعْنَا اور اپنے کانوں سے سن لیا۔ اب ہمیں یقین آ چکا ہے کہ جس چیز کو ہم بعید خیال کرتے تھے، وہ ہمارے سامنے ہے۔ لہٰذا اب ہماری درخواست یہ ہے۔ فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا کہ ہمیں دنیا میں واپس پھیر دے، اب کی دفعہ ہم نیک اعمال انجام دیں گے۔ اِنَّا مُوْقِنُوْنَ بے شک ہمیں یقین آ گیا ہے کہ تیرا وعدہ برحق ہے۔ تو نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے جو جو پیغام بھیجے۔ وہ درست ثابت ہوئے ہیں۔ اب ہم پہلے عقائد و اعمال کو ترک کر کے نئے عقائد و اعمال اختیار کریں گے۔ سورۃ الشعراء میں مجرموں کا یہ بیان آتا ہے فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (آیت ۱۰۲) اگر ہمیں دنیا میں واپس جانے کا ایک موقع مل جائے تو ہم وقوعِ قیامت اور جزائے عمل پر ایمان لے آئیں گے۔ تیرے انبیاء اور کتابوں کو تسلیم کر لیں گے اور نہایت

[illegible]

[illegible]

اس کی اسے پسند یا ناپسند ہے

فرمایا اگر ہم چاہتے تو سب کو راہ راست پر لے آتے وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ مگر میری طرف سے حق بات یہ ہے کہ میں جنوں اور انسانوں سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔ جنوں اور انسانوں میں سے جو بھی کفر، شرک اور معاصی کے راستے پر چلے گا، سب کو جہنم رسید کروں گا۔ جب شیطان نے اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنے کی قسم اٹھائی تھی تو اللہ نے اس کے بارے میں بھی یہی الفاظ استعمال کیے تھے لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ (ص - ۸۵) میں تجھے اور تیرے پیروکاروں سے جہنم کو بھر دوں گا۔ مجھے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہے۔

بھلانے کا عذاب

فرمایا اب تمہاری دنیا میں واپسی کی خواہش پوری نہیں ہو سکتی، اب تو صرف دنیا کی زندگی کا بدلہ ملنے والا ہے۔ فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا پس اب عذاب کا مزہ چکھو اس وجہ سے کہ تم نے آج کے دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا۔ اس وقت تو کہتے تھے کہ نہ کوئی قیامت ہے، نہ حساب کتاب کی منزل اور نہ ہی جزائے عمل۔ دراصل فراموش شدہ چیز کا تذکرہ نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ تم نے دنیا کی زندگی میں رہ کر آخرت کی زندگی کو نظر انداز کر دیا۔ لہٰذا اب اس کا مزہ چکھو إِنَّا نَسِينَاكُمْ آج ہم بھی تمہیں نظر انداز کر دیں گے۔ آج تمہاری کوئی درخواست قبول نہیں کریں گے بلکہ اپنی رحمت سے دور کر دیں گے اب تمہارے ساتھ یہی سلوک ہونے والا ہے۔ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ اب اپنے اعمال کی پاداش میں ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ عقیدہ بھی ایک دائمی چیز ہے جسے انسان اپنے ذہن و قلب اور روح میں بٹھا لیتا ہے۔ پھر جب یہ عقیدہ ہی باطل ہو جائے، انسان کفر اور شرک کو اپنے آپ پر طاری کر لے تو اس کی سزا

[illegible]

[illegible]

اور اگر مجلس کی تبدیلی کے بعد دوبارہ یہی آیت پڑھی یا سنی گئی تو دوبارہ سجدہ کرنا لازم ہو جائے گا۔

تکبر کی بیماری

فرمایا ہماری آیتوں پر ایمان لانے والے لوگ آیات کو سن کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید بیان کرتے ہیں وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ تکبر بہت بڑی خصلت ہے، جو انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ شیطان تکبر ہی کی وجہ سے مردود ہوا۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ دیگر قباحتوں کی نسبت تکبر کو دل سے نکالنا زیادہ مشکل ہے۔ چنانچہ بیعت کا مقصد انسان کی تربیت اور اصلاح ہے، محض رسومات از قسم عرس، قوالی وغیرہ کرانا تو بیعت کا مقصد نہیں ہے۔ مرشد کا کام تو یہ ہے کہ وہ اپنے مرید کی اس طرح تربیت کرے کہ اس کی تمام بری خصلتیں دور ہو کر اچھی خصلتیں پیدا ہو جائیں۔ حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ بہت بڑے بزرگ، عالمِ دین، مفتی اور پیر بھی تھے۔ سلوک کے موضوع پر آپ کی کتاب "تربیت السالک" وغیرہ پڑھیں۔ آپ کے مرید خطوط کے ذریعے اپنے اشکال پیش کرتے تھے اور آپ ہر اشکال کا علاج تجویز فرماتے تھے اور واضح کرتے تھے کہ فلاں خصلت کو اس طرح دور کرنا ہے اور اس کے مقابلہ میں فلاں عمل کرنا ہے۔ آپ سے قدیم اور جدید تعلیم یافتہ ہر قسم کے لوگوں نے اصلاح کا سلسلہ قائم کیا اور درجہ کمال تک پہنچے۔ ابھی حال میں کراچی کے ڈاکٹر عبدالحیٔ فوت ہوئے ہیں آپ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے، اور وکیل تھے۔ انہوں نے حضرت تھانویؒ سے بیعت کر کے علم اور تربیت دونوں چیزیں حاصل کیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کایا پلٹ دی اور انہیں کمال درجے کا مرشد بنا دیا۔ بہرحال تکبر کے متعلق پرانے بزرگ فرماتے ہیں نقل الجبال بالابر ایسر من اخراج الکبر من القلوب سوئی کے ذریعے پہاڑوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا تکبر کو دل سے نکالنے کی نسبت آسان کام ہے

حضور علیہ السلام کے متعلق ارشاد سے بھی ثابت ہے کہ اس آیت کریمہ میں جس نماز کا ذکر ہے، وہ تہجد کی نماز ہے۔ [1] آپ کا ارشاد مبارک ہے کہ جنت میں ایسے بہترین محلات ہوں گے کہ اندر سے باہر کا اور باہر سے اندر کا بخوبی نظارہ ہو سکے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، حضور! یہ محلات کن لوگوں کی قسمت میں ہوں گے؟ فرمایا جو روزہ رکھیں گے، غربا و مساکین کو کھانا کھلائیں گے اور ایسے وقت میں نماز ادا کریں گے۔ وَالنَّاسُ نِیَامٌ جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں گے اور اس سے تہجد کی نماز ہی مراد ہے۔

اور باقی رہی یہ بات کہ اہل ایمان اپنے پروردگار کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ایمان میں یہ دونوں چیزیں شامل ہیں بلکہ اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ ایماندار آدمی کا ایمان خوف اور امید کے درمیان ہوتا ہے۔ اُسے خدا تعالیٰ کے جلال و عظمت اور اُس کی گرفت کا خوف ہوتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے جلیل القدر انبیاء بھی اس کے خوف سے لرزتے ہیں۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (الشعراء - ۸۲) اے پروردگار! قیامت والے دن میری لغزش کو معاف فرما دینا۔ کہیں میری گرفت نہ ہو جائے۔ دوسری طرف مومن اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ پُر امید رہتے ہیں کہ وہ ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا، کیونکہ اُس کی رحمت اُس کے قہر پر غالب ہے۔

فرمایا اہل ایمان کی ایک صفت یہ بھی ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ وہ ہماری دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرتے ہیں۔ فریضہ زکوٰۃ ادا کرتے کے علاوہ صدقات و خیرات کرتے ہیں۔ غربا و مساکین

---

[1] قرطبی ص ۱۰۳ ج ۱۴ و خازن ص ۲۲۳ ج ۵

[2] معالم التنزیل ص ۱۵۹ ج ۳ و خازن ص ۲۲۵ ج ۵ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ
أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑰
أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا
لَّا يَسْتَوُونَ ⑱ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا
بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑲ وَأَمَّا الَّذِينَ
فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن
يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ
ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنتُم بِهِ
تُكَذِّبُونَ ⑳ وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ
الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُونَ ㉑ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ
رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ
مُنتَقِمُونَ ㉒ ع

ترجمہ:۔ پس نہیں جانتا کوئی نفس جو پوشیدہ رکھی
گئی ہے اُن کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ بدلہ اُس کا

[illegible]

[illegible]

اللہ کے راستے میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

خفیہ انعامات

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ صفات کے حامل مومنین کے لیے اپنے خفیہ انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ پس کوئی نفس نہیں جانتا جو پوشیدہ رکھی گئی ہے ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ مطلب یہ کہ آج کسی اہل ایمان کے علم میں بھی نہیں کہ اللہ نے ان کے لیے کیسے کیسے انعامات خفیہ طور پر رکھے ہوئے ہیں۔ جو انہیں بہشت میں پہنچ کر ہی معلوم ہوں گے۔ اور ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں گے۔ یعنی وہ اس جزائے عمل سے بہت خوش ہوں گے۔ فرمایا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ یہ بدلہ ہے ان اعمال کا جو وہ انجام دیتے رہے۔

گزشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ اللہ کے بندے راتوں کو اٹھ کر اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ لوگ دنیا میں رات کے وقت چھپ چھپا کر بارگاہ ایزدی میں مناجات کرتے رہے اسی طرح اللہ نے ان کے انعامات کو بھی پوشیدہ رکھا ہوا ہے جس کا علم انہیں وہیں جا کر ہوگا۔ اور وہ ان کے لیے ایک خوشی کا باعث بنیں گے۔ حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں، نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی دل پر کھٹکی ہیں۔ پھر حضور علیہ السلام نے یہی آیت تلاوت فرمائی فَلَا تَعْلَمُ ۔ ۔ ۔ الخ[1]

نیک و بد کا انجام

ان انعامات کا تذکرہ کرنے کے بعد استفہامیہ انداز میں اللہ نے فرمایا فَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا کیا بھلا ایک مومن

---

[1] تفسیر طبری ص ۱۰۳ ج ۲۱ و ابن کثیر ص ۴۶۳ ج ۳ و روح المعانی ص ۱۲۳ ج ۲۱ (فیاض)

[illegible]

میں پانی کی نہریں جاری ہوں گی اور درختوں پر ہر طرح کے پھل موجود ہوں گے۔ فرمایا یہ سب کچھ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ان کی مہمان نوازی کے طور پر ہوگا اُن کے اعمال کے بدلے میں جو وہ دنیا کی زندگی میں انجام دیتے رہے۔

اہل جنت کو یہ نعمتیں بغیر مشقت کے حاصل ہوں گی کیونکہ یہ رب کی مہمان نوازی کے طور پر ہوگا۔ اپنے گھر میں انسان ہر طرح کی نعمتیں حاصل کر لیتے ہیں مگر اس کے لیے محنت و مشقت کرنا پڑتی ہے تب جا کر مطلوبہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ اس کے باوجود نعمت کے ختم ہو جانے کا ہر آن امکان ہوتا ہے۔ خود انسانی زندگی روبہ زوال رہتی ہے اور آخر ایک نہ ایک دن ختم ہو جاتی ہے اور تمام نعمتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ موت سے پہلے طرح طرح کی بیماریاں اور حوادثات پیش آتے رہتے ہیں، جن کی وجہ سے انسانوں کو پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ مگر جنت میں نہ تو زندگی ختم ہوگی اور نہ کسی نعمت کے چھن جانے کا خطرہ ہوگا۔ اہل ایمان کی یہ مہمان نوازی دائمی ہوگی اور یہ اس لیے کہ وہ دنیا میں اچھے اعمال انجام دیتے رہے۔

کفار کا انجام

اس کے بالمقابل کفار کے متعلق فرمایا وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا بہر حال وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ فسق کا اطلاق انسان کی مختلف حالتوں پر ہوتا ہے۔ یہ لفظ مطلق گنہگار کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جب کہ اس کا لغوی معنی اطاعت سے باہر نکل جانا ہے۔ اللہ نے مشرکوں کے متعلق فرمایا وَأَكْثَرُهُمْ فٰسِقُونَ (التوبہ - ۸) ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ اہل کتاب کے متعلق بھی فرمایا وَأَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ (آل عمران - ۱۱۰) ان کی اکثریت فاسقوں پر مشتمل ہے۔ منافقوں کے متعلق بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِينَ (التوبہ - ۵۳) تاہم اس مقام پر فاسق سے مراد کافر ہیں کیونکہ یہ لفظ ایمان کے مقابلہ میں لایا گیا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ جنہوں نے کفر اور نافرمانی کا راستہ اختیار کیا فَمَأْوٰىهُمُ النَّارُ ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہوگا۔ اور وہ ایسا ٹھکانا ہے كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا

[illegible]

[illegible]

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں[1] فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجرمین کو دنیا میں اس دنیوی نظام کی موجودگی میں بھی بعض جرائم کی سزا دیا رہتا ہے۔ کوئی بیماری لگ گئی، حادثہ پیش آگیا، جان، مال یا اولاد کا نقصان ہو گیا، قحط پڑ گیا یا جنگ مسلط ہو گئی، یہ سزا ہی کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ لوگوں کی تنبیہ کے لیے وقتاً فوقتاً بھیجتا رہتا ہے۔ اس کے نتیجے میں سعادت مند لوگ سمجھ جاتے ہیں اور وہ جرائم سے باز بھی آجاتے ہیں مگر جو ناہنجار قسم کے لوگ ہوتے ہیں وہ تنبیہ کا کچھ اثر قبول نہیں کرتے اور اعمال بد میں منہمک رہتے ہیں۔ اور پھر آخر کار بڑے عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض اوقات لوگ سزا کے مستحق بن جاتے ہیں مگر بعض اسباب کی وجہ سے وہ سزا رکی رہتی ہے۔ پھر جب وہ اسباب رفع ہو جاتے ہیں تو مقررہ سزا طوفان کی طرح یکدم وارد ہو جاتی ہے۔

آیات الٰہی سے اعراض

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کا شکوہ بیان کیا ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ اور اس سے بڑا ظالم کون ہے کہ جب اس کے سامنے اس کے پروردگار کی آیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، اور اسے بتایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ الکلام نازل فرمایا ہے یا اس نے اپنی وحدانیت کے یہ دلائل پیش کیے ہیں ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا تو پھر وہ شخص ان سے اعراض کرتا ہے۔ آیات الٰہی کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا بلکہ ہر اچھی بات سنی ان سنی کر دیتا ہے۔ اللہ نے اعراض کی یہ صورت بھی بیان فرمائی ہے۔ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ وہ اندھے، بہرے اور گونگے بن جاتے ہیں۔ حق بات سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔ ظاہر ہے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص

(فیاض)

الغرض! ان تین قسم کے جرائم کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے کہ جس کے سامنے اس کے رب کی آیات ذکر کی جائیں۔ اور وہ اعراض کر جائے۔ اللہ ایسے مجرموں سے ضرور انتقام لے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُن
فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَائِهِ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى
لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً
يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا
بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ۝ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ
يَخْتَلِفُونَ ۝ أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا
مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ
فِي مَسَاكِنِهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ أَفَلَا
يَسْمَعُونَ ۝

[illegible]

کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے (۲۵) کیا ان لوگوں کے لیے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی جماعتیں ہلاک کی ہیں جن کے ٹھکانوں میں یہ چلتے ہیں۔ بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں کیا یہ سنتے نہیں ؟ (۲۶)

ربطِ آیات

اس سورۃ کی ابتداء میں قرآن کی حقانیت اور صداقت بیان ہوئی۔ پھر اللہ نے توحید کا مسئلہ سمجھایا۔ اس کے بعد وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا ذکر ہوا۔ پھر منکرین قیامت کا رد ہوا اور قیامت میں پیش آنے والے بعض واقعات کا تذکرہ ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان اور فسق کرنے والوں کا انجام بیان فرمایا اور بطور تنبیہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قیامت کے بڑے عذاب سے پہلے ہم دنیا میں کمتر عذاب بھی بھیج دیتے ہیں تاکہ لوگ بُرے عقائد و اعمال سے باز آجائیں پھر اللہ نے منکرین کے متعلق فرمایا کہ جو لوگ آیاتِ الٰہی کو سُن کر ان سے اعراض کرتے ہیں، ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار نہیں کرتے ان سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے ؟

نزولِ تورات

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزولِ تورات کا ذکر فرما کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد تورات ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو تورات کی تعلیم و اشاعت میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اسی طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم کی تعلیم، تبلیغ اور اشاعت پر بے شمار مصائب برداشت کرنا پڑیں گی۔ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پیش کیے گئے کہ آپ کی قوم نے اس عظیم کتاب سے اعراض کیا۔ سورۃ الفرقان میں ہے۔
وَقَالَ الرَّسُولُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ٥
(آیت ۳۰) اللہ کا رسول کہے گا، پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا یعنی اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت قتادہؒ نے ایک تیسری تفسیر بیان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ملاقات کے متعلق کسی شک میں نہ پڑیں۔ حضور علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین ملاقاتوں کا ذکر احادیث میں ملتا ہے۔ واقعہ معراج والی حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا گذر ایک سرخ ٹیلے کے پاس ہوا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مدفون ہیں، تو میں نے دیکھا رَاَیْتُ مُوْسٰی قَائِمًا یُّصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ۔ کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر جب آپ علیہ السلام بیت المقدس پہنچے تو وہاں تمام کے تمام انبیاء کو موجود پایا جن میں موسیٰ علیہ السلام بھی شامل تھے اور آپ نے سب کو نماز پڑھائی۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے تیسری ملاقات چھٹے آسمان پر ہوئی۔ اللہ نے آپ کی امت کے لیے پچاس نمازیں مقرر فرمائیں مگر جب موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حضور علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ ان میں کمی کرائیں کیونکہ آپ کی امت اتنی مشقت برداشت نہیں کر سکے گی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام بار بار اللہ کے حضور درخواست پیش کرتے۔ الغرض! اللہ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کے متعلق کسی شک میں نہ پڑیں کیونکہ آپ نے بعینہٖ موسیٰ علیہ السلام سے ہی ملاقات کی تھی۔ جو کہ جسم اور روح کے ساتھ تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ معراج کے موقع پر انبیاء

---

[1] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباسؓ ص۳۲۷
[2] خازن ص۲۲۷ ج۵ و مظہری ص۲۹۵ ج۷ [3] مسلم ص۲۶۸ ج۲ و نسائی ص۲۴۲ ج۱ و مسند احمد ص۱۴۸ ج۳ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کے اجر ملے گا۔ گویا کامیابی صبر ہے۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ جب بنی اسرائیل کو سخت ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو صبر کی تلقین کی۔ قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر اختیار کرو وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (آیت ۱۲۸) اور اچھا انجام متقیوں کا ہی ہوگا۔

امامت کے لیے دوسری شرط یقین ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کے تمام احکام اور ان کے نتائج پر یقین ہو۔ اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے جو اصول وضع فرمائے ہیں سب کو دل وجان سے تسلیم کرے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالت پر یقین ہو۔ وقوع قیامت، روز جزائے عمل پر یقین ہو۔ اللہ کی جنت اور دوزخ پر یقین ہو۔ اگر کوئی شخص متردد رہے گا۔ اور ان چیزوں پر یقین نہیں کرے گا۔ تو وہ امامت کا مستحق نہیں بن سکتا۔

امام سفیان ثوریؒ کی روایت میں آتا ہے کہ انھوں نے حضرت علیؓ کے اس قول کے متعلق پوچھا گیا اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِيْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ یعنی صبر کا ایمان کے ساتھ وہی تعلق ہے جو سر کا جسم کے ساتھ ہے۔ اگر سر نہ ہو تو جسم بیکار ہے۔ اسی طرح اگر صبر نہیں تو ایمان ناممکن ہے۔ اس پر امام ثوریؒ نے فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے اس بنیادی چیز کو پکڑ لیا تو اللہ نے ان کو دنیا میں امامت عطا فرمائی۔ سورۃ فرقان میں اللہ کے نیک بندوں کی دعا بھی ہے۔ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (آیت ۷۴) مولا کریم! ہمیں نیک لوگوں کا پیشوا بنا دے جو ہماری اقتدا کریں۔ غرضیکہ جب صبر اور یقین جیسی چیزیں حاصل ہوں گی تو اللہ تعالیٰ منصب امامت پر فائز کرے گا۔

مسلمانوں کی محرومی

مسلمان آج دنیا کی امامت سے محروم ہیں جس کی وجہ یہی ہے کہ وہ صبر اور

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہمارے عوامی نمائندے کہتے ہیں کہ ہر بے زمین کاشتکار کو زمین دو۔ ہر بے گھر خاندان کو مکان کے لیے پلاٹ دیے جائیں گے۔ یہ تو جبھی ہو سکتا ہے، جب یہ خود اپنی زمینوں کو چھوڑ دیں۔ اگر یہ اپنی جاگیریں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تو باقیوں کو تقسیم کرنے کے لیے زمین کہاں سے آئے گی؟ یہ سب دھوکہ ہے۔ جب تک تم خود عوامی معیار اختیار نہیں کرو گے، عوام کا معیار کیسے بلند ہو سکتا ہے؟ جو لوگ اعلیٰ ترین رہائش اختیار کرتے ہیں، اعلیٰ ترین ہوٹل میں کھانا کھاتے ہیں، بہترین کار استعمال کرتے ہیں، دیگر تمام مراعات حاصل کرتے ہیں ان کو عوامی مسائل سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟

بہرحال اللہ نے ہم اصول کے طور پر بتلا دیا کہ جنہوں نے صبر کیا، ہماری آیتوں پر یقین کیا تو اللہ نے دنیا کی امامت ان کے سپرد کر دی۔ اگر مسلمان بھی دنیا کی راہنمائی کرنا چاہتا ہے تو انہی اصولوں کو اپنانا پڑے گا اور اس کے لیے سب سے پہلے خود کو تبدیل کرنا ہوگا۔ ورنہ موجودہ الحادی اور سرمایہ دارانہ نظام کی موجودگی میں قوم کی اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

قیامت کے دن فیصلہ

فرمایا، اب مخالفین کی ایذا رسانی پر صبر کا دامن نہ چھوڑیں۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بے شک تیرا رب ہی قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ، ان معاملات میں جن میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے۔ یہ لوگ حق کی مخالفت کرتے تھے اور باطل کو رائج کرنا چاہتے تھے۔ اللہ کے نبیوں اور مصلحین کو ایذا پہنچاتے تھے قیامت اور جزائے عمل کا انکار کرتے تھے۔ ان کا عملی فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ دنیا میں تو اللہ نے ہدایت اور گمراہی کو بالکل واضح کر دیا جیسا کہ فرمایا قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ ۔ ۲۵۶)، مگر وضاحت کے باوجود جنہوں نے غلط راستے کا انتخاب کیا ان کے متعلق دو ٹوک فیصلہ قیامت کے دن ہو جائے گا۔

[illegible]

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ
الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ
أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ ۖ أَفَلَا يُبْصِرُونَ ﴿٢٧﴾
وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ﴿٢٨﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ
الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٢٩﴾
ع فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ ﴿٣٠﴾

ترجمہ:۔ کیا نہیں دیکھا ان لوگوں نے کہ بیشک ہم
چلاتے ہیں پانی کو خشک زمین کی طرف۔ پس ہم نکالتے
ہیں اُس کے ساتھ کھیتی کہ کھاتے ہیں اُس سے ان
کے مویشی اور یہ خود بھی۔ کیا یہ دیکھتے نہیں؟ ﴿٢٧﴾
اور کہتے ہیں یہ لوگ کہ کب ہوگا یہ فیصلہ،
اگر تم سچے ہو؟ ﴿٢٨﴾ آپ کہہ دیجئے کہ فیصلے کے
دن نہیں فائدہ دے گا کفر کرنے والوں کو ان کا
ایمان لانا، اور نہ اُن کو مہلت دی جائیگی ﴿٢٩﴾ پس
(اے پیغمبر!) آپ ان سے اعراض کریں، اور انتظار
کریں بیشک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں ﴿٣٠﴾

ربطِ آیات گزشتہ آیت میں تاریخی واقعات کی طرف اشارہ تھا کہ کیا

قرآن پاک میں اکثر مقامات پر اللہ نے پانی کے نزول کا ذکر اس طرح کیا ہے وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (البقرہ ۲۲) ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا۔ ظاہر ہے کہ نزول آب سے مراد نزول بارش ہے جو براہ راست کسی خطہ ارضی میں برس کر وہاں کی خوشحالی کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ تاہم اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے پانی کو چلانے کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم پانی کو خشک زمین کی طرف چلاتے ہیں۔ اس چلانے سے بادلوں کا چلانا بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے کسی چٹیل زمین کی طرف چل کر بارش برساتے ہیں۔ تاہم اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم پانی کو ایسی جگہوں تک چلا کر لے جاتے ہیں جہاں براہ راست بارش نہیں ہوتی، یا اگر ہوتی ہے تو مفید نہیں ہوتی۔ اس کی واضح مثال پہاڑوں پر برسنے والی بارش کی ہے کہ بارش کا پانی پہاڑوں سے نیچے ندی نالوں کی صورت میں بہہ نکلتا ہے اور اس سے میدانی علاقے سیراب ہوتے ہیں۔ اگر میدانی علاقے بھی ہوتے ہیں، جہاں بارش بالکل نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو کم یا بے وقت ہوتی ہے اور لوگ اس سے کما حقہ مستفید نہیں ہو پاتے۔ پھر جب پہاڑوں پر ہونے والی بارش یا پہاڑوں پر پڑنے والی برف کا پانی دریاؤں اور نہروں کے ذریعے دور دراز علاقوں تک پہنچتا ہے تو لوگ ہر موسم میں حسب ضرورت اس کو استعمال کرتے ہیں اور اس سے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک چلانے کی ایک اعلیٰ صورت بھی اللہ نے قرآن میں بیان فرمائی ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ (الزمر ۲۱) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے اور اسے زمین میں چشمے بنا کر چلاتا ہے گویا زمین رگوں نالیوں کے ذریعے پانی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے اور پھر لوگ ٹیوب ویلوں اور کنوؤں کے ذریعے پانی نکال کر زمین کو سیراب کرتے ہیں، خود بھی استعمال کرتے ہیں اور جانوروں کو بھی پلاتے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے پانی کو دلیل قدرت کے طور پر پیش کیا ہے

علاوہ خون پر بھی انسانی جسم کا ڈرو ملا ہے، لہٰذا پانی ہر جاندار کے لیے نہایت اہم ضروری ہے۔ اللہ نے ایسے یہ احسان جتلایا ہے کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف چلاتے ہیں، پھر اُس سے کھیتی اگاتے ہیں جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتی ہے۔

حیوانات اور نباتات کے لیے پانی کی جس قدر زیادہ ضرورت ہے، اللہ نے اسی قدر اس کی بہم رسانی کا بھی فری انتظام فرمایا ہے۔ قدرت کا مہیا کردہ ذخیرہ آب تقریباً بالکل مفت ہے، البتہ اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے کبھی کم اور کبھی زیادہ محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کے لیے ہوا آکسیجن پانی سے بھی زیادہ ضروری ہے، اس لیے اللہ نے اس کو بالکل ہی فری مہیا کیا ہے ہوا ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے جسے حاصل کرنے کے لیے کسی محنت مشقت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح پانی کی سپلائی بھی بالکل فری ہونی چاہیئے، اور اس پر کسی قسم کا ٹیکس نہیں عائد ہونا چاہیئے۔ ہر حکومت کا فرض ہے کہ وہ ملک کے کونے کونے میں حسب ضرورت پانی مہیا کرنے کا انتظام کرے۔

فرمایا ہم نے پانی کو چلا کر اس سے سبزی، پھل اور اناج پیدا کیے ہیں، اور ایسے انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنایا ہے اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ کیا یہ لوگ قدرت کی اس نشانی کو دیکھتے نہیں۔ اللہ نے اپنی قدرت کی ایک ایسی زندہ مثال پیش کی ہے جو ہر روز مشاہدہ میں آتی ہے، لوگوں کے سامنے بارش برستی ہے، زمین میں روئیدگی پیدا ہوتی ہے، فصل پکتی ہے اور پھر وہ جانداروں کی خوراک بنتی ہے۔ کیا یہ دلیل ان کے لیے کافی نہیں؟ گزشتہ درس میں تاریخی واقعات کا ذکر کر کے اللہ نے فرمایا، کیا یہ سنتے نہیں؟ ظاہر ہے کہ واقعات کا تعلق سماعت سے ہی ہوتا ہے لہٰذا اب مشاہداتی مثال بیان کر کے فرمایا ہے، کیا یہ دیکھتے نہیں؟ مطلب یہ کہ دونوں مثالیں غور و فکر کا مطالبہ کرتی ہیں تاکہ لوگ بعض باتیں سن کر اور بعض چیزیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں اور آنے والی ابدی

دلائل قدرت کا مشاہدہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کہ اس دن مجرم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لائیں گے مگر مفید نہیں ہوگا۔ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ اور نہ ہی ان کو مزید مہلت دی جائے گی کہ دنیا میں واپس جا کر اپنے عقائد اور اعمال کو درست کر لیں۔ پیچھے سورۃ سجدہ کی ابتداء میں گزر چکا ہے کہ جب مجرم لوگ عذاب الٰہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو کہیں گے رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ (آیت ۱۲) اے ہمارے پروردگار، ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، اب ہمیں دنیا میں واپس بھیج ہم اچھے کام انجام دیں گے اور تیری باتوں پر یقین کریں گے۔ مگر اس وقت کوئی درخواست قبول نہیں ہوگی اور نہ ہی مجرموں کو کوئی مہلت دی جائے گی۔ اللہ فرمائے گا اب عمل کا وقت ختم ہو کر جزائے عمل کا وقت شروع ہو چکا ہے۔ اس وقت ان کی حالت یہ ہوگی فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ (آیت ۵۷) کہ اس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ مفید نہیں ہوگی اور نہ انہیں خدا تعالیٰ کو منانے کا موقع ملے گا۔

درگذر اور انتظار

آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانتَظِرْ آپ ان بدبختوں کی ایذا رسانیوں پر درگذر کریں، ان کی طرف دھیان نہ دیں اور فیصلے کے وقت کا انتظار کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی ایذا رسانیوں اور آپ کے صبر کا کیا نتیجہ نکالتا ہے۔ اہل ایمان کو دنیا و آخرت ہر دو جگہ پر کامیابی حاصل ہوگی، جب کہ کافر اور مشرک ذلیل و خوار ہوں گے۔ آج تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ مٹھی بھر مسلمان کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے مگر انہیں جلد ہی پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد دین کے ساتھ ہے اور وہ کس طرح اہل ایمان کے حق میں نتیجہ نکالتا ہے۔ إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ بے شک یہ بھی انتظار کرنے والے ہیں۔

فضائل سورۃ

یہ تین رکوع کی تیس آیت والی سورۃ ہے۔ سورۃ الملک کی بھی تیس

[illegible]

[illegible]

سورة الأعراف

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ احزاب مدنی ہے ، یہ تہتر آیتیں ہیں ، اور اس کے نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ
وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ ①
وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ ② وَّتَوَكَّلْ
عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ③

ترجمہ :۔ اے نبی! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیے اور نہ کہا مانیں آپ کافروں اور منافقوں کا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ① اور پیروی کریں آپ اُس چیز کی جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کام کرتے ہو اس کی خبر رکھنے والا ہے ② اور آپ بھروسہ رکھیں اللہ تعالیٰ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ختم کیا گیا ہے۔ عورتوں سے متعلق طلاق اور عدت کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خصوصیات اور عام مومن عورتوں کے بعض مسائل بیان ہوئے ہیں۔ مشرکین متبنیٰ یعنی منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کے حقوق دیتے تھے، جب کہ اللہ نے اس کا رد کیا ہے۔ خاص طور پر متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کا مسئلہ بھی آگیا ہے۔ عورتوں کے لیے پردے کے احکام نازل کیے گئے ہیں۔ بعض تعزیری احکام بھی آگئے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ذکر توحید اور ختم نبوت کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ قیامت اور محاسبہ اعمال کا ذکر بھی آگیا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کا ایک خاص موضوع پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آداب ہیں۔ آپ کی تعظیم و توقیر کا خصوصی ذکر ہے آپ کے خاتم النبیین ہونے کا تذکرہ ہے۔ آپ کے لیے چار سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت کا ذکر ہے اور آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

اس سورۃ مبارکہ کی سابقہ سورۃ السجدہ کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ سابقہ سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عام مومنین کے لیے تسلی کا مضمون بیان کیا تھا کہ آپ اپنے مخالفین کے پراپیگنڈا سے متاثر نہ ہوں بلکہ صبر کا دامن تھامے رکھیں، اپنا کام کرتے رہیں اور نتائج کا انتظار کریں اب اس سورۃ کی ابتداء بھی اللہ تعالیٰ نے تسلی کے مضمون سے کی ہے۔

شرف خاتم النبیین

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انسانوں کو مختلف طریقوں سے خطاب فرمایا ہے جہاں عام مومنوں سے خطاب مطلوب ہوتا ہے وہاں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ آتے ہیں اور جہاں پوری بنی نوع انسان کی توجہ مطلوب ہوتی وہاں یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کہہ کر خطاب کیا جاتا ہے۔ البتہ جہاں خصوصی احکام بیان کرنا مقصود ہوتا ہے یا تسلی دینا مطلوب ہوتا ہے تو وہاں پر خاص طور پر نبی علیہ السلام کو خطاب کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر بھی پیغمبر علیہ السلام کو خصوصی خطاب ہے یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہیں۔ وہ جس شیخ پر آپ کو چلانا چاہتے ہیں، آپ اُس سے بچتے رہیں اور تقویٰ پر قائم رہیں نبی کی ذات سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کسی وقت خوفِ خدا سے غافل بھی ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر-۶۵) اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا تو سارے عمل ضائع ہو جائیں گے کہ شرک اتنی بڑی چیز ہے۔ یہاں بھی وہی بات ہے بھلا اللہ کے نبی سے شرک کی کیسے توقع کی جا سکتی ہے، جب کہ اس کا اولین منصب ہی یہ ہے کہ لوگوں کو شرک سے باز رکھے۔ مطلب یہی ہے کہ جس طرح آپ پہلے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر قائم ہیں اسی طرح اس پر قائم رہیں۔ یہاں بھی خوفِ خدا پر مداومت اختیار کرنے کا حکم ہے۔

امام ابن کثیرؒ[1] اور بعض دوسرے مفسرین نے ایک بزرگ طلق ابن حبیبؒ سے تقویٰ کا یہ معنی نقل کیا ہے اَنْ تَعْمَلَ بِطَاعَةِ اللّٰهِ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ نُّوْرِ اللّٰهِ وَتَرْجُوْ ثَوَابَ اللّٰهِ وَتَتْرُكَ مَعْصِيَةَ اللّٰهِ عَلٰى نُوْرٍ مِّنَ اللّٰهِ مَخَافَةَ عَذَابِ اللّٰهِ کہ اللہ کی عطا کردہ روشنی کے تحت اللہ کی طاعت پر عمل کرتے رہیں، اللہ سے ثواب کی امید رکھیں اور اللہ کی معصیت کو ترک کر دیں اس نورِ ایمان اور نورِ ہدایت کے ذریعے جو اللہ نے عطا کیا ہے، اور خدا کے عذاب سے برابر ڈرتے رہیں۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ آپ اللہ سے ڈرتے رہیں اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں۔

مکی زندگی میں کفار و مشرکین حضور علیہ السلام سے سودے بازی کرنا چاہتے تھے اور اُن کی یہ پیشکش مکی زندگی کے ابتدائی دور میں بھی ہوتی رہی کہ آپ ہمیں دین مداہنت کی ممانعت

---

[1] ابن کثیر ص ۴۶۷ ج ۳ (فیاض)

[illegible]

نہ کوئی سفارش کر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دین کے معاملہ میں کسی کافر، مشرک اور ملحد کی بات نہیں مانی جا سکتی، نہ اُن سے مشورہ لیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اس کے اہل ہی نہیں مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں قانون سازی کے لیے غیر مسلموں، عیسائیوں، یہودیوں اور دہریوں سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ تو تمہیں اپنا ہی قانون بتائیں گے اور اس طرح تمہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ دیکھئے! اسلام نے سود کو قطعاً حرام قرار دیا ہے۔ مگر ہماری ساری بنکاری سودی نظام پر چل رہی ہے جب بھی سودی نظام کو ختم کرنے کی آواز بلند ہوتی ہے۔ تو پھر مشورہ غیر مسلموں سے ہی لیا جاتا ہے کہ بتاؤ ہم سودی نظام کو اسلامی نظام میں کیسے تبدیل کریں۔ یہی تو خرابی ہے جو ہمیں اسلامی قوانین رائج کرنے میں پیش آرہی ہے۔ ہاں البتہ عام دنیوی لین دین، تجارت اور انتظامی امور کے متعلق ہر اچھی رائے کو قبول کیا جا سکتا ہے خواہ وہ کسی طرف سے آئے مگر دین کے معاملے میں کوئی رعایت نہیں ہے

چار اعدائے دین

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اعدائے دین چار ہیں جن میں سے دو ظاہری ہیں اور دو باطنی، ظاہری دشمن تو یہی کافر اور منافق ہیں جن سے اس آیت کریمہ میں بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ کافر کھلم کھلا اسلام دشمنی کرتے ہیں۔ جب کہ منافق درپردہ اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے ہیں۔ دین کے باطنی دشمنوں میں پہلے نمبر پر شیطان ہے جو نظر تو نہیں آتا۔ مگر انسانی دل و دماغ میں وسوسہ ڈال کر اس کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ اُس نے اللہ کے سامنے عہد کیا تھا کہ میں تیرے بندوں کو آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے آکر بہکاؤں گا۔ میں ان کو دین کے معاملہ میں گمراہ کروں گا۔ ان کے بُرے اعمال ان کی نظروں میں مزین کر کے دکھاؤں گا۔ اور دنیوی معاملات میں ان کو بہکا پھسلا کر برائی کی طرف مائل کر دوں گا۔ ایسے دشمن سے

لہ روح المعانی صہ ۴۲/۲۱ و مظہری صہ ۳۰۳ ؎ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

ہے تو یہ نام نہاد لیڈر طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر عوام کو اپنے پیچھے لگا کر ووٹ حاصل کر لیتے ہیں اور ممبر اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ اسلام کے یہ نام لیوا بھلا کون سا اسلامی قانون لائیں گے، تو اسلام کی مبادیات سے بھی واقف نہیں، پارلیمنٹ کا ممبر تو وہ آدمی بننا چاہیے جو اللہ کی کتاب، اس کے رسول کی سنت اور خلفائے راشدین کے عمل کو جاننے والا ہو۔ ان چیزوں سے بے بہرہ لوگ اسلام کی کیا نمائندگی کریں گے اور کونسا قانون پاس کریں گے؟ ممبری کے قابل تو وہ شخص ہے جو دین کے اساسی قانون سے واقف ہو اور پھر اپنے اندر قربانی کا جذبہ بھی رکھتا ہو۔ ذاتی اغراض کو پس پشت ڈال کر اجتماعی مفاد کے لیے کام کرے اگر یہ چیز نہیں ہے تو پھر عوام سے فراڈ ہی ہوتا رہے گا۔ لوگ پروپیگنڈا کے زور پہ یقین کر لیتے ہیں کہ واقعی فلاں آدمی یا جماعت ہماری نجات دہندہ ثابت ہوگی مگر وہ سراسر دھوکہ ہوتا ہے۔ مارشل لاء کے دور میں ہم نے کتنی بار کہا تھا کہ اب تمام اختیارات فرد واحد میں مرتکز ہو چکے ہیں۔ نام نہاد عوامی نمائندوں سے جان چھوٹ چکی ہے لہٰذا اب بلا حیل و حجت قرآن کا قانون نافذ کر دیا جانا چاہیے اور اس کے مخالفین کو تختہ دار پہ چڑھا دو پھر دیکھیں کون مخالفت کرتا ہے۔ مگر ہماری یہ آواز بھی بیکار ثابت ہوئی۔ اسلام کے نام پر ریفرنڈم کرایا تھا اس کا کیا نتیجہ نکلا؟ کیا واقعی اسلام نافذ ہوا؟ اصل بات یہ ہے کہ نفاذِ اسلام کا ارادہ ہی نہیں۔ ورنہ اس سے بہتر موقع کوئی نہیں آ سکتا تھا مگر وہ بھی ہاتھ سے جا رہا۔ اب پھر وہی نام نہاد جمہوریت کا رنگ الاپا جا رہا ہے جس میں ووٹ خریدے جاتے ہیں اور ممبر اسمبلی میں پہنچ کر سب سے پہلے الیکشن کے اخراجات کا دگنا چوگنا اکٹھا کیا جاتا ہے اور باقی وقت ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے میں صرف ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے اور اسلام کا محض نعرہ ہی رہ جاتا ہے، اسے نافذ کرنے کی کوئی مخلصانہ کوشش نہیں کرتا کیونکہ ایسا کرنے سے خود ممبروں کے مفاد پہ زد پڑتی ہے۔ مقصد یہ کہ خود ہمارے لیڈر ہی ہمیں گمراہ کر رہے ہیں ورنہ عوام میں تو کہیں نہ کہیں ایمان موجود ہے۔

[illegible]

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (آیت۔ ۹) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
لہذا کارساز بھی اسی کو سمجھو۔ وہی بگڑی بنائے گا کہ سارا اختیار اسی کے پاس ہے۔ توحید
خالص کو اپناؤ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی صورت میں شرک نہ کرو۔ اسی کی ذات
پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے پروگرام کو جاری رکھو۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ
جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ
تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ
اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ
بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي
السَّبِيْلَ ④ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ
عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ
فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ
مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ⑤

[illegible]

راستے کی ④ پکارو ان کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کرکے۔ یہ بات زیادہ انصاف والی ہے اللہ کے نزدیک۔ پس اگر تم نہ جانتے ہو ان کے باپوں کو پس… تمہارے بھائی ہیں دین میں، اور تمہارے ساتھی ہیں۔ اور نہیں تم پر گناہ اس چیز میں جو تم نے خطا کی لیکن گناہ اس میں ہے جو تمہارے دلوں نے پختہ ارادہ سے کیا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ⑤

ربط آیات

سورۃ کی ابتدائی آیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب کیا گیا۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں بلکہ وحی الٰہی کا اتباع کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہوئے اپنے پروگرام کو جاری رکھیں۔ کفار، مشرکین اور منافقین کے غلط پروپیگنڈا کا شکار نہ ہوں اور زمانہ جاہلیت کی غلط باتوں پر دھیان نہ دیں۔ اگلی آیت میں، اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی تین باتوں کا ذکر کیا ہے۔ جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں اور اپنے نبی کو ان کے مقابلے میں صحیح باتوں کو اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔

دو دلوں کی نفی

زمانہ جاہلیت[1] میں یہ ایک عام تاثر پایا جاتا تھا کہ اگر کوئی شخص غیر معمولی طور پر ذہین، سمجھدار اور معاملہ فہم ہوتا تو اس کے متعلق کہا جاتا کہ اس شخص کے سینے میں دو دل ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت[2] میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نماز میں بھول گئے تو بعض منافق کہنے لگے کہ آپ کے دو دل ہیں۔ ان میں سے ایک دل کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دوسرے دل کے ساتھ مخلص مومنوں کی طرف۔ اللہ نے اس بات کی تردید فرمائی ہے کہ کسی شخص کے سینے

ـلہ ابن کثیر ص ۴۶۵ ج۳ و معالم التنزیل ص ۵۰۰ ج۳ و خازن ص ۲۷۹ ج۵

ـلہ ابن کثیر ص ۴۶۹ ج۳ و طبری ص ۱۱۸ ج۲۱ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

رہتے ہیں اور ساتھ ساتھ گفتگو بھی کرتے رہتے ہیں، اس طرح اُن کے دِل کی توجہ دِل کی طرف اور باتوں کی طرف بیک وقت کیسے ہوسکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ ایک وقت میں یا ذکر ہوگا یا دیگر باتیں۔ تو ایسا کرنا محض دھوکہ ہے۔ کوئی شخص ایک ہی وقت میں ذکر کے ساتھ ساتھ دنیاوی باتیں کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ گفتگو میں تو مصروف ہوتا ہے۔ مگر ذکر سے خالی ہوتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ کسی شخص کے سینے میں اللہ نے دو دِل نہیں بنائے۔ دل ایک ہی ہوتا ہے جو یا تو کفر کی طرف مائل ہوگا یا اطاعت کی طرف

ظہار کا مسئلہ

اب دوسرا مسئلہ اللہ نے بیویوں سے ظہار کرنے کے متعلق بیان فرمایا ہے ظہار کا معنیٰ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت، پیٹ، یا ران یا کسی دیگر اعضائے مستورہ سے تشبیہ دے جن کا دیکھنا بھی حرام ہے۔ یا وہ اپنی بیوی کو اپنی ماں، بہن یا دیگر محرمات ابدیہ میں سے کسی کے برابر قرار دے۔ ایسا کہنا اگرچہ ناجائز اور سخت ناپسندیدہ ہے مگر اس سے بیوی قطعی طور پر حرام نہیں ہو جاتی بلکہ شریعت کا مقرر کردہ کفارہ ادا کرکے مرد اور عورت ازدواجی زندگی برقرار رکھ سکتے ہیں۔ کفارہ کا مسئلہ سورۃ مجادلہ میں بیان کر دیا گیا ہے یعنی ظہار کرنے والا شخص ایک غلام آزاد کرے یا دو ماہ کے متواتر روزے رکھے یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے زمانہ جاہلیت میں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کا اعلان کر دیتا تھا۔ تو پھر وہ اس کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی تھی اللہ نے اسی بات کی تردید فرمائی ہے وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِىْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہاری اُن بیویوں کو تمہاری مائیں نہیں بنا دیا جن سے تم ظہار کرتے ہو یعنی اُن کو اپنی ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دے دیتے ہو۔

ظہار کا لفظ ظَہر کے مادے سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ پشت ہوتا ہے۔ یعنی اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت کے ساتھ تشبیہ دینا۔ دراصل پشت کے ساتھ تشبیہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ان کے لیے کوئی اچھا سا غلام خرید لائے جس سے روزمرہ ضروریاتِ زندگی میں خدمت لے سکیں۔ جب وہ منڈی میں گئے تو ان کی نظر حضرت زیدؓ پر جم گئی جو اس وقت چھوٹے بچے تھے اور بڑے ذہین معلوم ہوتے تھے۔ حضرت زیدؓ حقیقت میں غلام نہیں تھے بلکہ بڑے وسیع قبیلہ کلب کے چشم و چراغ تھے۔ اتفاق سے یہ اپنے ماموں کے ہاں گئے ہوئے تھے کہ وہاں ڈاکہ پڑا تو ڈاکو باقی چیزوں کے ساتھ زیدؓ کو بھی لوٹ کر لے گئے اور غلام بنالیا اور اس طرح آپ بحیثیت غلام عکاظ کی منڈی میں پہنچ گئے۔ بہرحال حکیم ابن حزامؓ نے حضرت زیدؓ کو خرید کر حضرت خدیجہؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ پھر جب حضور علیہ السلام کا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہو گیا تو آپ نے حضرت زیدؓ کو اپنے لیے طلب کر لیا جو حضرت خدیجہؓ نے بخوشی منظور کر لیا اور اس طرح حضرت زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل میں آکر آپ کی خدمت پر مامور ہو گئے۔

جب حضرت زیدؓ بڑے ہو گئے تو آپ کو تجارت کے سلسلہ میں شام کے سفر پر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ان کو ان کے والد حارثہ اور چچا نے پہچان لیا کہ یہ تو ہمارا بچھڑا ہوا بچہ ہے۔ ان کو یہ بھی علم ہو گیا کہ آپ خاندانِ قریش میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، چنانچہ جب حضرت زیدؓ سفر سے واپس آ گئے۔ تو آپ کے والد اور چچا بھی مکے پہنچے اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ ہمارا بچہ ہے۔ کسی وجہ سے غلامی کے چکر میں پھنس گیا ہے۔ آپ اسے چھوڑ دیں، ہم اس کا تاوان ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، کہ مجھے تاوان کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر زیدؓ جانا چاہتا ہے تو میری طرف سے کھلی اجازت ہے۔ اس وقت تک حضور علیہ السلام منصبِ نبوت پر بھی فائز ہو چکے تھے اور حضرت زیدؓ آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ آپ غلاموں میں سب سے پہلے حضور پر ایمان لانے والے ہیں۔ جب آپ کے والد اور چچا نے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو حضرت زیدؓ نے انکار کر دیا اور کہا کہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کے لیے اپنے تہائی مال تک کی وصیت کر سکتا ہے جس کا وہ حقدار ہوگا باقاعدہ وارث نہیں بنے گا۔

حقیقی باپ کی طرف نسبت

اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم بھی دی ہے اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ[1] اپنے لے پالک بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو نہ کہ اُس شخص کی طرف جس نے اُسے بیٹا بنا لیا ہے فرمایا هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ انصاف والی ہے کہ تم ایسے لوگوں کی نسبت اُن کے حقیقی باپوں کی طرف کرو۔ صحابہ کرامؓ بیان کرتے ہیں کہ ان آیات کے نزول سے پہلے ہم حضرت زیدؓ کو زیدؓ ابن محمد کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کے بعد ہم زیدؓ ابن حارثہ کہنے لگے۔ حضورؐ کا یہ فرمانؐ بھی ہے مَنِ ادَّعٰی اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ فَقَدْ کَفَرَ جس شخص نے کسی کی نسبت غیر باپ کی طرف کی اُس نے کفر کا ارتکاب کیا، بلکہ ایک روایت میں اُس کے لیے جنت کے حرام ہونے کا ذکر بھی آتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ منہ بولے بیٹوں کو اُن کے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارا کرو۔

فرمایا فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اگر تم اُن کے باپوں کو نہ جانتے ہو فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْكُمْ پس وہ دین میں تمہارے بھائی اور تمہارے ساتھی ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر کسی کے باپ کا علم نہ ہو تو ایسے لوگوں کو بھائی یا رفیق کہہ کر پکار لو مگر غیر باپوں کی طرف نسبت بالکل نہ کرو۔ بعض روایات[2] میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زیدؓ سے کہا اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلٰنَا تم ہمارے بھائی اور ہمارے ساتھی ہو۔ اس طرح گویا آپ نے اس آیت مبارکہ کی عملی تفسیر پیش کر دی۔

---

[1] ابن کثیر ص ۴۶۶ ج ۳ و قرطبی ص ۱۱۸ ج ۱۴ [2] در منثور ص ۱۸۱ ج ۵
[3] ابن کثیر ص ۴۶۷ ج ۳

(فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ اَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ ؕ وَ اُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلٰی بِبَعۡضٍ فِیۡ کِتٰبِ اللّٰہِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَفۡعَلُوۡۤا اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓئِکُمۡ مَّعۡرُوۡفًا ؕ کَانَ ذٰلِکَ فِی الۡکِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ﴿۶﴾

ترجمہ:- اللہ کے نبی کو زیادہ تعلق ہے ایمان والوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے۔ اور نبی کی بیویاں اُن (مومنوں) کی مائیں ہیں اور قرابت دار بعض زیادہ تعلق رکھتے ہیں بعض کے ساتھ اللہ کی کتاب میں ایمان والوں اور ہجرت کرنے والوں سے، مگر یہ کہ تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ کوئی احسان کرنا چاہو۔ یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے ﴿۶﴾

ربطِ آیات: سورۃ احزاب کے بنیادی مضامین اللہ کے نبی کا ادب و احترام اور عورتوں سے متعلق بعض احکام ہیں۔ گذشتہ درس میں اللہ نے فرمایا تھا کہ کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں ہو سکتے۔ نیز یہ کہ اگر تم اپنی بیویوں کو ظہار کے طریقے پر ماں کہہ دو تو وہ مائیں نہیں بن جاتیں۔ یہ محض تمہارے منہ کی باتیں ہیں جن میں حقیقت نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ جس کو تم منہ بولا بیٹا بنا لیتے ہو وہ تمہارا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا لہٰذا اُس کو اس کے حقیقی باپ کی طرف ہی نسبت کر کے پکارنا چاہیئے اور اگر ایسے کسی شخص کے باپ کا نام پتہ معلوم نہ ہو تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی اور ساتھی

[illegible]

ہیں کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو مومن آدمی کا ایمان آفتابِ نبوت کی ایک شعاع ہے۔ امیر یزید والے بزرگ اگرچہ امی تھے مگر بڑے علم و فہم والے اور صاحبِ کشف بزرگ تھے، اُن کے ملفوظات اُن کے ایک مرید نے ایک عظیم کتاب کی صورت میں جمع کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ پیغمبر کے قلبِ مبارک سے ایک تار سا نکل کر ہر اہلِ ایمان کے قلب کے ساتھ آکر مل جاتا ہے۔ اگر یہ تار یعنی تعلق ٹوٹ جائے، تو انسان سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ کشفی بات ہے مگر درست ہے۔

اسی لیے بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مومن غور کرے تو اُسے معلوم ہو گا کہ ایمان حقیقت میں اللہ کے نبی کے قلبِ مبارک کی شعاع کا نتیجہ ہے پیغمبر علیہ السلام آفتابِ نبوت ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص حقیقتِ ایمان کو سمجھنے کے لیے فکری حرکت شروع کرے گا تو ایمان کی حقیقت پانے سے پہلے اُسے پیغمبر کی معرفت حاصل کرنا پڑے گی۔ کیونکہ ایمان تو پیغمبر کے واسطے سے ہی آتا ہے۔ غرضیکہ نبی کا وجود مسعود ہم سے ہماری ہستی سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔

نبی بمنزلہ باپ

نبی کے ساتھ اس روحانی تعلق کی بنا پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام مومنوں کے حق میں بمنزلہ باپ کے ہیں۔ حضرت سلمان فارسیؓ کی روایت[1] میں آتا ہے کہ کفار و مشرکین حضور علیہ السلام کے متعلق طرح طرح کی بیہودہ باتیں کرتے تھے۔ اور مختلف قسم کے اعتراض کرتے تھے۔ مگر ہمارا جواب یہی ہوتا تھا کہ پیغمبر علیہ السلام ہمارے لیے بمنزلہ باپ کے ہیں بلکہ باپ سے بھی زیادہ شفیق ہیں۔ انہوں نے ہمیں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات کی تعلیم دی ہے حتیٰ کہ استنجا پاک کرنے کا طریقہ بھی سکھایا ہے۔ آپ کا ارشادِ گرامی[2] ہے اَنَا لَکُمْ بِمَنْزِلَۃِ الْوَالِدِ یعنی میں تمہارے لیے بمنزلہ باپ ہوں۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت جابرؓ کی روایت[3] کے مطابق قرآن کی بعض قراتوں میں یہ الفاظ بھی

1.
2. ابن کثیر ص۴۶۷ ج۳
3. درمنثور ص۱۸۳ ج۵ و روح المعانی ص۱۵۲ ج۲۱ و مدارک ص۲۹۳ ج۳ و احکام القرآن جصاص ص۳۵۵ ج۳ (فیاض)

[illegible]

اللہ کے نبی کو یہ حق اس لیے حاصل ہے کہ وہ اللہ کا نائب ہے۔ تصرف کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو آگ میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن اگر اللہ کا نبی حکم دیدے کہ تم ایسا کرو۔ تو اُمتی پر ایسا کرنا فرض ہو جائے گا۔ لہٰذا معلوم ہُوا کہ نبی کو ہماری جانوں اور روحوں پر بھی تصرف حاصل ہے۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے[1] لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُسے اُس کے والدین، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ نبی کو اُمتی کے ساتھ زیادہ لگاؤ اور تعلق کا یہی معنٰی ہے۔

اگر ہمارا نفس بُرا ہے تو وہ بری بات کی ہی تلقین کرے گا مگر اللہ کا نبی ہمیشہ اچھی بات کی تلقین کرے گا۔ لہٰذا ثابت ہُوا کہ نبی کو ہمارے ساتھ خود ہمارے نفسوں سے بھی زیادہ ہمدردی ہے۔ اور اگر انسان کا نفس اچھا بھی ہے تو بسا اوقات وہ انسان کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتا اور ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت غلط فیصلہ کر بیٹھے مگر یہ اللہ کے نبی کی شان ہے کہ وہ اپنے اُمتی کے حق میں ہمیشہ صحیح فیصلہ کریگا۔ اُس کے پیش نظر ہمیشہ اُمتی کی خیر خواہی ہی ہو گی۔ اپنی جان بھی اپنے ساتھ وہ ہمدردی اور شفقت نہیں کر سکتی جو اللہ کا نبی اُمتی کے ساتھ کرتا ہے۔ لہٰذا اُسے اُمتی کے ساتھ اُس کی اپنی جان سے بھی زیادہ لگاؤ ہے۔

ازواجِ مطہرات مومنوں کی مائیں

نیز یہ بھی وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّہٰتُہُمْ کہ نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں یہ مسئلہ آگے بھی آرہا ہے۔ جہاں نبی کی بیویوں سے نکاح کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ بہرحال ازواجِ مطہرات کو دو وجوہ سے مومنوں کی مائیں قرار دیا گیا ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کی بیویوں کا

---

[1] ابن کثیر ص۴۶۷ ج۳ و مظہری ص۳۰۹ ج۷ (فیاض)

[illegible]

اللّٰہِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ ۔ اللہ کی کتاب میں بعض قرابت دار
بعض کے ساتھ مومنوں اور مہاجروں کی نسبت زیادہ لگاؤ رکھتے ہیں جب مسلمان
مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو حضور علیہ السلام نے مہاجرین اور انصار
میں رشتہ اخوت قائم کر دیا تھا ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو آپس
میں بھائی بھائی بنا دیا۔ چنانچہ ہر دو بھائی حقیقی بھائیوں کی طرح ہو گئے۔ حتیٰ کہ فرمایا
یَرِثُ الْمُهَاجِرِیُّ الْاَنْصَارِیَّ اگرچہ مہاجر بھائی فوت ہو جائے تو اس کی وراثت
اس کے انصاری بھائی کو ملے گی، اور اسی طرح انصاری بھائی کا ورثہ اس کا مہاجر
بھائی ہوگا۔ یہ عبوری احکام تھے۔ پھر جب اسلام کو تقویت حاصل ہو گئی، مسلمانوں
کی جماعت مضبوط ہو گئی، لوگ کثرت سے اسلام میں داخل ہو گئے اور مہاجرین کے
عزیز و اقارب بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تو اللہ نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا
اور فرمایا کہ وراثت کے معاملے میں دینی بھائی کی نسبت کسی شخص کے اصل عزیز و اقارب
ہی زیادہ حقدار ہیں۔ وراثت کے مسائل اور ہر حصے دار کے حصہ کی مقدار اللہ
نے سورۃ النساء میں بیان کر دی ہے کسی میت کے وارث پہلے نمبر پر ذوی الفروض
یعنی وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے اللہ نے قرآن میں مقرر کر دیے ہیں۔ پھر دوسرے
نمبر پر عصبہ آتے ہیں جن میں اولاد اور باپ کی طرف سے رشتہ دار شامل ہیں۔ پھر
تیسرے نمبر پر ذوی الارحام یعنی ماں کی طرف سے رشتہ دار آتے ہیں۔ تو فرمایا، کہ
اب وراثت کا حکم وہ نافذ العمل ہو گا جس میں میت سے حقیقی رشتہ داروں کو
حصہ دار قرار دیا گیا ہے۔ البتہ عام مومنین اور مہاجرین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا
ان کو عطیہ پیش کرنا، ان کی خدمت کرنا درست ہے مگر وراثت میں ان کا
کوئی حصہ نہیں ہے۔

ساتھیوں کے ساتھ احسان

فرمایا عام مومنین اور مہاجرین کی نسبت تمہارے رشتہ دار تم سے زیادہ لگاؤ

۱۔ ابن کثیر ص۴۹۷ ج۳ (خلاصہ)

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ
وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ
مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۷
لِّيَسْــَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ وَاَعَدَّ
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۸

ترجمہ:۔ اور (اس بات کو دھیان میں لاؤ) جب کہ ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا اور (خاص طور پر) آپ سے ۔ اور نوح علیہ السلام سے ، اور ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام سے ، اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے ۔ اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا ⑦ تاکہ پوچھے اللہ تعالیٰ سچوں سے ان کی سچائی کے بارے میں اور تیار کیا ہے اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب ⑧

ربط آیات

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کو مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ تعلق اور لگاؤ ہے ۔ نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں ، لہٰذا نبی کا اتباع اور ادب و احترام ضروری ہے ۔ اور دوسرا مسئلہ اللہ نے قرابت داروں کے متعلق فرمایا کہ عام مومنوں اور مہاجروں کی نسبت قرابتداروں کا وراثت میں حق فائق ہے ۔ البتہ دوسرے لوگوں سے حسن سلوک اور احسان کیا جاسکتا ہے اس سے پہلی آیت میں پیغمبر علیہ السلام کا مرتبہ اور آپ کا اجلال و اکرام بیان ہوا تھا ۔ نبی علیہ السلام کو جو خیر خواہی اور ہمدردی نوع انسان سے بالعموم اور اہل ایمان کے ساتھ بالخصوص ہے ، وہ کسی دوسری ذات میں نہیں ۔ جس قسم کی تربیت آپ

[illegible]

بڑی روشن ہو چکی تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ان کے متعلق دریافت کیا، تو آپ کو بتلایا گیا کہ یہ آپ کی اولاد میں سے نبی یا رسول یا نہایت ہی نیک لوگ ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر بھی آتا ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے ان کے متعلق دریافت کیا تو بشر نے فرمایا کہ یہ آپ کی اولاد میں سے آخری دور کے نبی ہیں۔ پھر دریافت کیا کہ ان کی عمر کتنی ہے۔ کہا ساٹھ سال۔ اس پر آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میری عمر میں سے چالیس سال ان کو دے دیئے جائیں تاکہ ان کی عمر سو سال ہو جائے۔ آپ کی یہ درخواست قبول کر لی گئی۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سال تھی۔ جب ان میں سے چالیس سال باقی رہ گئے تو اللہ تعالیٰ کا حکم آگیا۔ آپ نے کہا ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔ فرمایا گیا کہ یہ عمر تو تم نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو دے دی تھی۔ مگر آپ وہ بات بھول چکے تھے لہذا انکار کیا جس طرح آدم علیہ السلام بھولے تھے اسی طرح آپ کی اولاد بھی بھولتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے معاملات کو تحریر کرنے کا حکم دیا ہے، تاکہ بعد میں کوئی انکار نہ کر سکے۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد ہوا تھا جب آپ کو زمین پر اتارا گیا تو عرفات کے قریب وادیٔ نعمان میں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کی ساری روحوں کو نکالا۔ یہ روحیں چیونٹیوں کی مانند بالکل چھوٹی چھوٹی تھیں۔ بعض دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کے دائیں کندھے پر ہاتھ رکھ کر اہل ایمان کی روحوں کو برآمد کیا اور پھر بائیں کندھے پر ہاتھ رکھ کر دوسرے لوگوں کی روحوں کو نکالا۔ بہرحال یہ عہد الست کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی تمام روحوں کو مخاطب

[illegible]

[illegible]

لیا تھا کہ اگر تمہارے زمانے میں دوسرا نبی آجائے یا نبی آخر الزمان آجائیں تو ان کی تائید و نصرت کرنا۔

شیخ ابن عربیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ عہد خدا تعالیٰ کی توحید پر کاربند رہنے، ادائے رسالت اور لوگوں کو دین کی طرف دعوت دینے کا تھا اور پختہ عہد لیا تھا کہ تم اس فریضہ کو پورے طریقے سے ادا کرو گے، اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرو گے۔[1]

حضور علیہ السلام کی خصوصیت

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تو تمام انبیاء کے بعد مبعوث ہوئے مگر اس آیت کریمہ میں آپ کا ذکر باقی انبیاء سے پہلے کیا گیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ امام ترمذیؒ[2] نے ایک روایت بیان کی ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی تو آپ نے فرمایا میں اس وقت بھی نبی تھا و آدم بین الروح والجسد جب وقت آدم علیہ السلام کے جسم میں روح بھی داخل نہیں ہوئی تھی اور حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے[3] کہ میں تخلیق میں سب سے پہلے اور بعثت میں سب انبیاء کے بعد ہوں مطلب یہ کہ آپ کی تخلیق عالم ارواح میں بھی سب سے پہلے عمل میں آئی۔ اسی لیے اکثر بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس جہاں میں نبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ذریعے اللہ نے باقی انبیاء کی ارواح کی بھی تربیت فرمائی اور اس طرح آپ کو اس عالم میں بھی شرف اور مرتبہ حاصل تھا۔

امام ابن عربیؒ[4] اور بعض دیگر محققین فرماتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق کا باعث بھی حضور علیہ السلام کا وجود مبارک ہے اور سب سے مقدم ذریعہ فیضان بھی آپ

---

1. تفسیر الشیخ الاکبر ص ۱۴۱ ج ۲ — 2. ترمذی ص ۵۱۹
3. طبری ص ۱۲۵ ج ۲۱ و ابن کثیر ص ۴۶۹ ج ۳ و معالم التنزیل ص ۱۶۲ ج ۳ و درمنثور ص ۱۸۴ ج ۵
4. تفسیر الشیخ الاکبر ص ۱۴۱ ج ۲ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کہ لوگو! کل قیامت کے دن میرے بارے میں تم سے سوال ہوگا تم کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا۔ نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ اَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ ہم اللہ کے حضور گواہی دیں گے کہ آپ نے امانت ادا کر دی، تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور امت کے لیے خیر خواہی بھی کر دی۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے اپنی انگشتِ شہادت، آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا، خدایا گواہ رہنا۔

بہرحال قیامت والے دن اللہ تعالیٰ سچے لوگوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں سوال کریگا۔ اس بات کا ذکر سورۃ المائدہ میں بھی آیا ہے هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (آیت۔ ۱۱۹) اُس دن سچے لوگوں کو اُن کی سچائی ضرور فائدہ دے گی۔ اور سچے لوگوں میں سرِفہرست انبیاء کی جماعت ہے جنہوں نے پوری سچائی کے ساتھ دین کو قبول کیا، اُس پر عمل کیا اور اس کی اشاعت و بقا کا بندوبست کیا۔ اس کے بعد جن لوگوں نے دینِ حق کو مانا اور اس پر عمل پیرا ہوئے وہ بھی سچوں میں شمار ہوں گے، اور قیامت کے دن ان کی سچائی کے متعلق سوال ہوگا۔ اور وہ اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچیں گے۔ اِن کے برخلاف جنہوں نے دینِ توحید کو تسلیم نہ کیا اور کفر، شرک اور معصیت کا ارتکاب کرتے رہے، فرمایا وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب بھی تیار کیا ہوا ہے جس کا وہ شکار ہوں گے۔ حقیقت میں ایسے لوگوں نے اُس عہد کا پاس نہ کیا جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ وہ انبیاء کے لائے ہوئے دین کو قبول کریں گے اور ان کی تائید و نصرت کریں گے۔ ایسے لوگوں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی اور ان کے لائے ہوئے دین کو ٹھکرا دیا اور بالآخر دردناک عذاب میں پھنس گئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا
وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ⑨ إِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ
وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ
وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ
بِاللَّهِ الظُّنُونَا ⑩ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ
وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ⑪ وَإِذْ يَقُولُ
الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ
مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ⑫

کر گلوں تک آ رہے تھے ، اور تم گمان کرتے تھے طرح
طرح کے گمان (۱۰) اُس وقت آزمائے گئے مومن اور
وہ سخت متزلزل کئے گئے (۱۱) اور جب کہتے تھے
منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ نہیں
وعدہ کیا ہم سے اللہ اور اُس کے رسُول نے مگر دھوکہ (۱۲)

ربطِ آیات

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُس میثاق النبیین کا ذکر فرمایا ، جو اُس نے اپنے انبیاء سے عالمِ ارواح میں لیا تھا ۔ اِن میں سے پانچ اولوالعزم انبیاء کا ذکر اللہ نے خاص طور پر کیا ۔ اُن سب سے یہ پکا عہد لیا گیا تھا کہ اگر پہلا نبی پچھلے نبی کا زمانہ پائے تو اُس پر ایمان لائے اور اس کی تائید کرے ۔ اور مجموعی طور پر تمام انبیاء کا پختہ عہد یہ تھا کہ وہ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور اُن کی نصرت کریں گے ۔ ظاہر ہے کہ جب انبیاء نے یہ عہد کر لیا تو ہر اُمتی پر بھی یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ آخری نبی پر ایمان لائے اور اُس کی تائید و نصرت کرے ۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ ہم نے یہ عہد اس لیے لیا تھا تاکہ سچے لوگوں کی سچائی اور کافروں کا کفر واضح ہو جائے اور پھر سچے لوگوں کو اُن کی سچائی کا بدلہ جنت کی صورت میں دیا جائے اور کافروں کو دردناک عذاب کا مزہ چکھایا جائے ۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنگ احزاب کے بعض واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے اور اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے انہیں اپنی نعمت کی یاد دہانی کرائی ہے جو اُس نے اِس موقعہ پر مسلمانوں پر کی اور جس کی بدولت مسلمانوں کو کفار کے غلبے سے محفوظ رکھا ۔ ان آیات کا گذشتہ آیات کے ساتھ ربط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس سچائی ، خلوص اور وفاداری کو جانچنے کا اشارہ گذشتہ آیات میں کیا تھا ، جنگ احزاب کے موقعہ پر اُس کا امتحان ہو رہا تھا کہ کون دینِ حق کے ساتھ مخلص اور نبی کا سچا وفادار ہے اور کون منافق اور کافر ہے ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

علیہ السلام کے بعض معجزات بھی ظاہر ہوئے۔ فاقہ کی حالت میں لوگ پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کھودتے رہے۔ اتنے میں دشمن بھی خندق تک پہنچ گیا۔ اور مسلمانوں کا یہ دفاعی منصوبہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ اس خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے۔ اگر کسی نے کوشش کی تو جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ یہ محاصرہ پچیس دن یا ایک ماہ تک جاری رہا مگر کفار اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد دو طریقوں سے کی۔ ایک تو اُن کی امداد کے لیے فرشتوں کا لشکر بھیج دیا اور دوسرا سخت ہوا بھیجی۔ جس سے کافروں کے خیمے اکھڑ گئے، ہانڈیاں الٹ گئیں، اونٹ بھاگ کھڑے ہوئے اور اس طرح وہ محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ فرشتوں کا لشکر اللہ نے میدان بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔ فرشتے براہِ راست جنگ تو نہیں لڑتے مگر اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کے دل مضبوط کر دیتا ہے۔ پھر جس شخص کو اعتقاد ہو کہ اُس کے ساتھ فرشتوں کی جماعت موجود ہے۔ اس کا حوصلہ بڑھ جائے گا۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں اطمینان پیدا ہو جائے گا۔ بہرحال کافروں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور مسلمان اُن کے شر سے مامون رہے۔

انعاماتِ الٰہیہ کا تذکرہ

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی انعام کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کو یاد کرو اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ جب کہ تمہارے اوپر ہر طرف سے دشمن کے لشکر چڑھ آئے تھے۔ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا پس ہم نے اُن پر ایک تیز ہوا بھیجی جس نے اُن کے سارے نظام کو درہم برہم کر دیا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ وَ نُصِرْتُ بِالصَّبَاحِ یعنی اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کو مغرب کی طرف سے

لہ تفسیر خازن ص ۲۳۲ ج ۵ و مظہری ص ۳۱۱ ج ۷ و مدارک ص ۲۹۵ ج ۳ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نے پلٹ کر حملہ کر دیا تو مسلمانوں نے یہ دعا پڑھی تھی حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ یعنی ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

فرمایا، اس وقت تمہاری حالت یہ تھی وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا اور تم طرح طرح کے گمان کر رہے تھے، خاص طور پر منافقین اور کمزور دل لوگوں کے دلوں میں بہت سے وسوسے آ رہے تھے کہ پتہ نہیں اب کیا ہوگا۔؟ کیا مسلمان بالکل ہی ختم ہو جائیں گے؟ مصیبت کے وقت خوف پیدا ہو جانا طبعی امر ہے اور یہ کمال کے منافی نہیں۔ سامنے دشمن کا لشکر جرار نظر آ رہا تھا، مسلمانوں کی تعداد بھی بالکل قلیل تھی اور سامانِ حرب بھی تھوڑا تھا۔ اور ادھر عورتیں اور بچے غیر محفوظ نظر آتے تھے۔ ان حالات میں خوف وہراس اور وساوس کا پیدا ہونا فطری امر تھا۔

فرمایا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ اس وقت مومنوں کو آزمایا گیا کہ اس قدر مشکل وقت میں یہ کس حد تک ثابت قدم رہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی گھبراہٹ کو سکون میں تبدیل کر دیا۔ اس کے برخلاف منافقوں پر دہشت طاری ہوگئی۔ فرمایا وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا۔ اور مومن اچھی طرح متزلزل کیے گئے مگر وہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہے جس کی وجہ سے کفار کو شہر میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔

منافقوں کی کمینگی

فرمایا اس وقت کو بھی یاد کرو وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ جب کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا کہہ رہے تھے مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا کہ ہم سے نہیں وعدہ کیا اللہ اور اس کے رسول نے مگر دھوکے کا۔ غزوہ احد کے موقع پر جب دشمن دوبارہ حملہ نہ کر سکا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ انشاء اللہ آئندہ ہم کامیاب ہوں گے، اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے منافق کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ خندق کھودتے

[illegible]

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ
لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ
مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ
وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾
وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ
سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ
اِلَّا يَسِيْرًا ﴿١٤﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ
مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ
اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿١٥﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ
فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا
تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٦﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ
يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا
اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧﴾ قَدْ يَعْلَمُ
اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ

لِإِخْوَٰنِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۖ وَلَا يَأْتُونَ
ٱلْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٨﴾ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَآءَ
ٱلْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ
أَعْيُنُهُمْ كَٱلَّذِى يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ
ٱلْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ ٱلْخَوْفُ سَلَقُوكُم
بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى ٱلْخَيْرِ ۚ أُو۟لَـٰٓئِكَ
لَمْ يُؤْمِنُوا۟ فَأَحْبَطَ ٱللَّهُ أَعْمَـٰلَهُمْ ۚ وَكَانَ
ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُونَ ٱلْأَحْزَابَ
لَمْ يَذْهَبُوا۟ ۖ وَإِن يَأْتِ ٱلْأَحْزَابُ يَوَدُّوا۟ لَوْ
أَنَّهُم بَادُونَ فِى ٱلْأَعْرَابِ يَسْـَٔلُونَ
عَنْ أَنۢبَآئِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا۟ فِيكُم مَّا
قَـٰتَلُوٓا۟ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾

اور اگر شہر میں اس کے اطراف سے کوئی فوج داخل کر دی جائے پھر ان لوگوں سے فتنہ برپا کرنے کا مطالبہ کیا جائے تو فوراً اس میں شامل ہو جائیں گے۔ اور نہ ٹھہریں گے اس کے بارے میں مگر بہت تھوڑا (۱۴) اور البتہ تحقیق انہوں نے معاہدہ کیا تھا اللہ سے اس سے پہلے کہ پشت نہیں پھیریں گے۔ اور اللہ کے عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا (۱۵) (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، ہرگز نہیں فائدہ دے گا تم کو بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہو گے موت سے یا قتل کیے جانے سے۔ اور اس وقت تم کو فائدہ نہیں دیا جائے گا مگر بہت تھوڑا (۱۶) آپ کہہ دیجئے کون ہے جو بچاتا ہے تمہیں اللہ سے اگر وہ ارادہ کرے وہ تمہارے ساتھ برائی کا یا ارادہ کرے تمہارے ساتھ مہربانی کا۔ اور نہ پائیں گے وہ اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار (۱۷) تحقیق جانتا ہے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو روکتے ہیں تم میں سے اور ان کہنے والوں کو بھی جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف چلے آؤ۔ اور وہ نہیں جاتے لڑائی میں مگر بہت تھوڑا (۱۸) وہ بخیل ہیں تمہارے اوپر۔ جب آجائے خوف تو دیکھیں گے آپ ان کو کہ وہ تکتے ہیں۔ آپ کی طرف گھومتی ہیں ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح جس پر غشی طاری ہوتی ہے موت کی وجہ سے۔ پس جب خوف چلا جاتا ہے تو پھر وہ کاٹتے ہیں تمہیں تیز زبانوں سے۔ حریص ہیں وہ مال کے۔ یہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۵ - لَبِّثْ قَلِيلًا يُدْرِكِ الْهَيْجَا الْجَمَلْ
لَا بَأْسَ بِالْمَوْتِ إِذَا حَانَ الْأَجَلْ

کاش کہ تھوڑا سا توقف ہو جائے جب میرا پیارا اونٹ میدان جنگ تک پہنچ جائے، اور پھر اگر موت بھی آجائے تو کچھ پروا نہیں، ظاہر ہے کہ موت تو ہر صورت آنی ہے اور اگر یہ اسلام کے دفاع میں آجائے تو اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے۔ اس موقع پر حضرت سعدؓ کی والدہ نے آپ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! تاخیر نہ کرو بلکہ جلدی کرو اور اللہ کے رسول جہاں بھی ہوں ان کے پاس فوراً پہنچ جاؤ۔

منافقوں کی طرف سے حوصلہ شکنی

مسلمانوں میں تو اس قدر جوش و جذبہ پایا جاتا تھا مگر منافقوں کا حال یہ تھا کہ وہ بزدل بنے ہوئے تھے اور جیسا کہ گزشتہ درس میں گزر چکا ہے، کہنے لگے کہ اس جنگ سے پہلے اللہ کے نبی نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ آئندہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہی کامیاب و کامران کرے گا۔ پھر جب شہر کا پوری طرح محاصرہ ہو گیا تو وہ مجاہدین کی حوصلہ شکنی کرنے لگے۔ وَإِذْ قَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ اے یثرب کے رہنے والو! یہاں دشمن کے مقابلے میں مورچہ بند ہو کر رہنا تمہارے لیے کوئی موزوں ٹھکانا نہیں ہے۔ یہاں تو سراسر تباہی اور بربادی ہے۔ دشمن کثیر تعداد اسلحہ سے لیس تمہارے مقابلے میں ہے۔ تمہاری تعداد بھی قلیل ہے، سر و سامان کا فقدان ہے حتیٰ کہ تمہاری خوراک کا بھی کوئی بندوبست نہیں اور تمہیں فاقے پر فاقے آرہے ہیں۔ ان حالات میں تم دشمن کا کیسے مقابلہ کر سکو گے۔ غزوہ احد کے موقع پر بھی منافق اسی قسم کی بات کر کے مسلمانوں سے علیحدہ ہو گئے تھے کہ قریش کی کثیر تعداد کے ساتھ مقابلہ کرنا تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، لہٰذا ہم تمہارے ساتھ اس تباہی میں شریک نہیں ہو سکتے۔ کہنے لگے حالات اب بھی ناموافق ہیں، تم دس ہزار کے جرار لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکو گے فَارْجِعُوا اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ اور

[illegible]

رکھیں گے بکہ وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا یَسِیْرًا نہیں ٹھہریں گے مگر بہت کم اور دشمن کے ساتھ شریک ہو جائیں گے حالانکہ وَلَقَدْ کَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا یُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ اس سے پہلے یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عہد کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں برابر شریک رہیں گے اور پشت نہیں پھیریں گے مگر ان کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی دشمن ان سے اہل ایمان کے خلاف مدد طلب کرتا ہے تو فوراً تیار ہو جاتے ہیں، مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور اس طرح عہد شکنی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ غزوۂ احد کے موقعہ پر بھی منافقوں نے ایسی ہی خباثت کا اظہار کیا تھا مگر جب اللہ کی طرف سے سخت وعید آئی تو انہوں نے معافی مانگی۔ اس جنگ میں اگرچہ مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا مگر ایک لحاظ سے انہی کا پلہ بھاری رہا کیونکہ دشمن تعاقب نہ کر سکا بلکہ مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کر کے انہیں بھگا دیا۔ اُس وقت انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے ساتھ غداری نہیں کریں گے مگر غزوہ احزاب کے موقع پر انہوں نے پھر حیلوں بہانوں سے یہی کام کیا، حالانکہ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ ہم پشت نہیں پھیریں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ ان کو علم ہونا چاہیئے وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا اللہ سے کیا ہوا عہد رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ اس کے متعلق ان سے سوال ہوگا کہ تم نے عہد شکنی کیوں کی؟ اس کے برعکس اللہ کا نبی اور ایمان والے سخت تکالیف برداشت کر کے بھی دشمن کے سامنے سینہ سپر ہیں۔ غزوہ خندق ہی میں سختی کا ایک دن ایسا بھی آیا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سارا دن مورچہ زن رہے حتیٰ کہ ظہر، عصر اور مغرب کی تین نمازیں بھی قضا ہو گئیں۔ پھر آپ نے عشاء کے وقت میں یہ نمازیں قضا کر کے پڑھیں۔ نمازِ عصر کی فوتیدگی پر حضور علیہ السلام نے سخت افسوس کا اظہار کیا اور بددعا فرمائی، کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کی قبروں کو آگ سے بھر دے کہ ان کی وجہ سے

لہ مظہری صہ۳۲۶ (فیاض)

لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہماری طرف آجاؤ اور جنگ میں شریک نہ ہو۔ اس زمانہ میں مخلص مسلمان اور منافق ملے جلے تھے۔ اگر ایک بھائی پکا مسلمان ہے تو دوسرا منافق ہے تو ان حالات میں منافق اپنے بھائی بندوں کو جنگ میں شرکت سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ جب کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی یا وہ شہید ہو جاتا، تو منافقوں کو غلط پراپیگنڈا کرنے کا موقع مل جاتا کہ اگر ہمارے ساتھ رہتے تو تکلیف نہ پہنچتی۔ دوسری جگہ اللہ کا یہ فرمان موجود ہے کہ اگر تم مضبوط قلعوں میں بھی بند ہو جاؤ تو موت سے بچ نہیں سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ وہاں سے نکال کر اسی مقام پر تم پر موت طاری کر دے گا۔ بہر حال مسلمانوں کے ساتھ شریک جنگ ہونے سے روکنے والوں کے متعلق فرمایا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ اِلَّا قَلِيلًا کہ وہ خود لڑائی میں کم ہی جاتے ہیں اور اکثر حیلے بہانے سے اعتراض ہی کرتے ہیں۔

منافقین کی بدکرداری

فرمایا اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ وہ تم پر بڑے بخیل ہیں۔ تمہاری مدد کرنے اور مال خرچ کرنے میں انتہائی کنجوسی کا اظہار کرتے ہیں اور حیلے بہانے سے بچنا چاہتے ہیں۔ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ پس جب خوف آئے یعنی خطرہ درپیش ہو۔ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ تو آپ دیکھیں گے کہ یہ منافق لوگ آپ کی طرف تکتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح گھومتی ہیں جس طرح کسی شخص پر موت کی غشی طاری ہو۔ اس وقت یہ لوگ بڑے حیران اور دہشت زدہ معلوم ہوتے ہیں فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ اور جب خوفزدگی دور ہو جائے سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ تو آپ کو تیز زبانوں سے کاٹتے ہیں، طعن اور ملامت کرتے ہیں اور مسلمانوں کی مذمت کرنے لگتے ہیں۔ پھر فرمایا اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ یہ لوگ مال کے بڑے حریص ہیں۔ جہاد میں تو شریک نہیں ہوتے مگر جب مسلمانوں کو فتح نصیب ہوتی ہے اور مال غنیمت حاصل ہوتا ہے

[illegible]

کے متعلق خبریں پوچھتے رہتے کہ اُن کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہے۔ وہ مخلص مسلمانوں کی شکست اور مالی و جانی نقصان کی خبر سننے کے منتظر رہتے۔ یہ ایسے بزدل لوگ ہیں کہ جونہی دشمن قریب آئے یہ خوفزدہ ہو کر تمنا کرنے لگتے ہیں کہ وہ شہر کی بجائے دیہات میں ہوتے کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہونا پڑتا۔

فرمایا منافقوں کا جنگ سے گریز ایک لحاظ سے اچھا ہے کیونکہ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ اگر وہ تمہارے درمیان بھی ہوں مَّا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا تو جنگ میں نہیں شریک ہوں گے مگر بہت تھوڑا۔ مطلب یہ کہ تمہارے ساتھ رہنے کا فائدہ بھی کچھ نہیں جب انہوں نے نہ صرف خود جنگ سے اعراض کرنا ہے بلکہ اپنے بھائی بندوں کو بھی لڑائی سے علیحدہ رہنے کی ترغیب دینا ہے۔ اس لحاظ سے ایسے لوگ تمہارے درمیان رہ کر نقصان کا باعث ہی بنیں گے۔ بہتر ہے کہ یہ دور دور ہی رہیں تاکہ ان کی خباثت بھی آشکارا ہوتی رہے اور مسلمان ان سے زیادہ خبردار بھی رہیں اور پھر اپنے بچاؤ کی بہتر تدبیر اختیار کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی سازشوں اور اُن کی بزدلی کو ظاہر کر دیا تاکہ مخلص مسلمان اُن کی سازشوں کا شکار نہ ہوں۔

لقد كان لكم في رسول الله أسوة
حسنة لمن كان يرجوا الله واليوم الآخر وذكر
الله كثيرا ٢١ ولما رءا المؤمنون الأحزاب
قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله
ورسوله وما زادهم إلا إيمانا وتسليما ٢٢
من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله
عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم
من ينتظر وما بدلوا تبديلا ٢٣ ليجزي
الله الصادقين بصدقهم ويعذب المنافقين
إن شاء أو يتوب عليهم إن الله كان غفورا
رحيما ٢٤ ورد الله الذين كفروا بغيظهم
لم ينالوا خيرا وكفى الله المؤمنين
القتال وكان الله قويا عزيزا ٢٥ وأنزل
الذين ظاهروهم من أهل الكتاب من
صياصيهم وقذف في قلوبهم الرعب

فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ﴿٢٦﴾
وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ
وَأَرْضًا لَّمْ تَطَئُوهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ
ع شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿٢٧﴾

ترجمہ:- البتہ تحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک
اچھا نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو امید رکھتا ہے
اللہ تعالیٰ سے اور قیامت کے دن کی اور اس نے
ذکر کیا اللہ کا کثرت سے (٢١) اور جب دیکھا ایمان
والوں نے لشکروں کو تو کہنے لگے اور یہی ہے وہ چیز جس کا
وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا ہے
اللہ اور اس کے رسول نے، اور نہ زیادہ کیا اس بات نے
ان کے لیے مگر ایمان اور اطاعت کو (٢٢) مومنوں میں
سے کچھ مرد ایسے ہیں جنہوں نے سچ کر دکھلایا اس چیز
کو جس پر انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا۔ پس بعض
ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنا عہد پورا کیا ہے۔
اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو انتظار کر رہے ہیں
اور نہیں تبدیل کی انہوں نے کسی قسم کی تبدیلی (٢٣) تاکہ
بدلہ دے اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا اور
سزا دے اللہ تعالیٰ منافقوں کو اگر چاہے یا توبہ قبول
کرے ان کی بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے
والا مہربان ہے (٢٤) اور لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے ان
لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ان کے غصے کے ساتھ نہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کے شانہ بشانہ کام کیا، ایڑی چوٹی کا زور لگا کر گزرا، بس اتنا فرق ضرور رہے کہ یہ سب کچھ آپ نے اللہ کی رضا اور دین کی تائید کے لیے کیا۔ اور یہی باقی لوگوں کے لیے فرض ہے۔ یہ آپ کا موقعہ تھا ورنہ زندگی کے ہر گوشہ پر تمام نشست و برخاست حرکت و سکون، نشیب و فراز، صبح و شام غرضیکہ ہر معاملہ میں اللہ کے نبی امت کے لیے نمونہ ہیں لہٰذا جو لوگ بیروی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مشقت اٹھانے سے گریز کرتے ہیں، انہیں نبی کی ذات کا نمونہ دیکھنا چاہیئے اگر وہ اس قدر مصائب برداشت کر سکتے ہیں۔ تو دوسرے لوگ کیوں نہیں کر سکتے؟ امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ جس کام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرض یا واجب سمجھ کر کیا ہے۔ وہ امت کے لیے بھی فرض یا واجب ہوگا۔ اور جو کام آپ علیہ السلام نے بطورِ سنت انجام دیا ہے وہ امت کے لیے بھی سنت ہے۔ البتہ جو کام حضور علیہ السلام نے استحباب کے درجے میں کیا ہے اس میں عام مسلمانوں کو اختیار ہے کہ چاہے تو وہ کام ثواب کی خاطر کریں۔ اور اگر وہ کام نہیں کرتے تو کوئی مواخذہ نہیں ہے[1]۔ البتہ میں اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام کو اسوۂ حسنہ کا لقب دیا ہے۔ یعنی آپ اہلِ ایمان اور دیگر لوگوں کے لیے ایک واضح نمونہ ہیں۔ آپ کو دیکھ کر ہر شخص اپنی چال ڈھال اور رنگ ڈھنگ اس نمونہ کے مطابق بنا سکتا ہے۔ قرآن پاک کی اساسی تعلیم اور وحی الٰہی کی تعیین کا مجسم نمونہ حضور علیہ السلام کی ذات ہے۔

مگر یہ نمونہ اس شخص کے لیے ہے لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ جو اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے اور قیامت کے دن پر بھی اس کو یقین ہے کہ اس دن جزائے عمل واقع ہوگا۔ رجاء کو لفظ اضداد میں سے ہے اور یہ امید کا معنی بھی دیتا ہے اور خوف کا بھی۔ اگر اس سے خوف مراد لیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ اللہ کے نبی میں نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ اور

---

[1] احکام القرآن جصاص ص ۲۵۵ ج ۳ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بتائی ہے جس کے مقابلے کے لیے مسلمانوں کے پاس صرف تین ہزار آدمی تھے جو دفاع کرنے کے قابل تھے۔ باقی عورتیں، بچے اور بوڑھے تھے جو دفاع میں حصہ لینے کے قابل نہیں تھے۔ بہرحال فرمایا کہ اہل ایمان نے کفار کے لشکر کو دیکھ کر کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ سچا ثابت ہوا ہے۔ اور کفار کے حملہ سے خوفزدہ ہونے کی بجائے وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا اس کی آمد نے سچے مسلمانوں کے ایمان اور اطاعت میں اضافہ ہی کیا اہل ایمان کو اللہ اور اس کے رسول کے وعدے پر کامل یقین تھا، لہٰذا انہوں نے اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

ایفائے عہد

ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ مومنوں میں سے بعض وہ ہیں کہ جس بات کا انہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا، اسے سچ کر دکھایا۔ عہد یہ تھا کہ آخر دم تک اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے۔ فرمایا فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جنہوں نے اپنی نذر پوری کر لی ہے یعنی شہادت کا درجہ پا لیا ہے مثلاً غزوہ احد کے موقع پر حضرت انس بن نضرؓ کا واقعہ ہے کہ وہ میدان جنگ کی طرف جا رہے تھے۔ کسی نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے، احد پہاڑ کے اس طرف مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے، میں ادھر جا رہا ہوں۔ میدان جنگ میں پہنچ کر دشمن کا خوب مقابلہ کیا۔ آپ کے جسم پر اسّی زخم آئے کہ شناخت نہیں ہو رہی تھی۔ آخر کار انگلیوں سے ان کی شناخت ہوئی۔ اس طرح انہوں نے جام شہادت پی کر اپنے عہد کو پورا کیا۔ نحبہ کا معنی عہد و پیمان اور نذر ہوتا ہے اور اس سے مراد زندگی بھی ہو سکتی ہے کہ ان میں سے بعض مومن وہ ہیں جنہوں نے

۱۔ مظہری ص ۳۴۳ ج ۷ — ۲۔ ابن کثیر ص ۴۷۵ ج ۳

۳۔ احکام القرآن للجصاص ص ۳۵۶ ج ۳ [illegible] (فیاض)

[illegible]

[illegible]

عَلَیْهِمْ یا انہیں توبہ کی توفیق عطا کرے کہ وہ نفاق کو چھوڑ کر پکے سچے ایماندار بن جائیں۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا بےشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جن مومنوں نے ایفائے عہد کرتے ہوئے جان کا نذرانہ پیش کر دیا اور وہ جو ابھی اپنی باری کے منتظر ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی سچائی کا ضرور بدلہ دے گا۔ رہا منافقوں کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی کرتوتوں کی انہیں سزا دے دے یا پھر انہیں توبہ کی توفیق دے کر معاف کر دے کیونکہ وہ بخشنے والا بھی ہے اور مہربان بھی۔ اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں۔ وہ لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

کافروں کی ناکامی

آگے اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ اللہ نے غصے سے بھرپور کافروں کو واپس پلٹا دیا۔ ایک طرف فرشتوں کا لشکر بھیج کر اہلِ ایمان کے دلوں کو مضبوط کیا اور وہ کفار کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور دوسری طرف اتنی تیز آندھی چلائی کہ کافر حملہ آور محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہو گئے اور اسی طرح ناکام و نامراد واپس چلے گئے۔ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا اور وہ کوئی بہتری نہ پا سکے۔ وہ مدینہ کو فتح کر کے لوٹ مار کرنے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے آئے مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ اور اللہ نے اہلِ ایمان پر یہ احسان فرمایا کہ ان کی جنگ سے کفایت کی یعنی وہ جنگ لڑنے سے بچ گئے اور اس طرح انہیں کچھ نقصان نہ پہنچا۔ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا اور اللہ تعالیٰ قوت والا اور کمالِ قدرت کا مالک ہے اور ہر چیز پر غالب ہے۔ وہ اپنی مشیت اور ارادے کے مطابق جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔ وہ چاہے تو تھوڑی جماعت کو کثیر تعداد پر غالب کر دے کیونکہ قوت تو اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا بھروسہ بھی اسی کی ذات پر رکھنا چاہیے کیونکہ قوت کا سرچشمہ وہی ہے۔

بنو قریظہ کی سرکوبی

قبیلہ بنو قریظہ مدینے کی شرقی جانب چند میل کے فاصلے پر آباد تھا۔ یہ لوگ

[illegible]

کا اعلان فرمایا۔ پھر حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ ان یہودیوں کے لیے جو مناسب سمجھو سزا تجویز کرو۔ انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ بنی قریظہ کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنا لیا جائے اور ان کی زمینوں پر مسلمان قابض ہو جائیں۔ چنانچہ اس فیصلے پر عمل درآمد کیا گیا اور بنی قریظہ کے تمام بالغ مرد جن کی تعداد چار اور چھ سو کے درمیان تھی قتل کر دیئے گئے۔ حضرت سعدؓ کے اس فیصلے کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے سعدؓ! تم نے یہ فیصلہ پہلی کتابوں کے مطابق کیا ہے۔ تورات میں یہ حکم موجود ہے کہ غداری کرنے والوں کی سزا یہ ہے کہ ان کے تمام قابل جنگ مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے اور ان کی جائدادوں پر قبضہ کر لیا جائے۔

اسی واقعہ کے پیش نظر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ اللہ نے کافروں کی مدد کرنے والے اہل کتاب کو ان کے قلعوں سے اتار دیا اور وہ شکست تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ اللہ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا اور مسلمان ان پر غالب آئے۔ اس کے نتیجہ میں فرمایا فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ اور ان میں سے ایک گروہ یعنی بالغ مردوں کو قتل کرتے ہو وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا اور ایک گروہ کو قیدی بناتے ہو۔ مسلمانوں نے یہودیوں کی عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنا کر آپس میں تقسیم کر لیا۔ اللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو یہ فائدہ بھی ہوا۔ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ کہ تمہیں ان کی زمینوں کا وارث بنا دیا۔ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ تم ان کے گھروں اور مالوں کے بھی مالک بن گئے۔ اگرچہ اس موقع پر باقاعدہ جنگ کی نوبت تو نہ آئی مگر مسلمانوں کو مالی لحاظ سے بڑی قوت حاصل ہو گئی۔

فتح خیبر

فرمایا وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا اللہ نے تمہیں اس سرزمین کا وارث بھی بنا دیا جس کو تم نے ابھی تک پامال نہیں کیا۔ یہ کون سی سرزمین ہے؟

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ
اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ
تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ
اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾
يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ
مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَمَنْ يَّقْنُتْ
مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ
اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

ترجمہ:- اے پیغمبر! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیں کہ اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگی اور اس کی زینت، پس آؤ میں تمہیں فائدہ پہنچاؤں اور رخصت کردوں تم کو اچھے طریقے سے رخصت کرنا (۲۸) اور اگر تم ارادہ کرتی ہو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کا۔ پس بیشک اللہ نے تیار کیا ہے تم میں سے نیکی والیوں کے لیے بڑا اجر (۲۹) اے پیغمبر کی بیویو! جو تم میں سے کھلی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ازواج سے علیحدگی

حضور علیہ السّلام نے اس مطالبے کا اس حد تک نوٹس لیا کہ آپ نے اپنی تمام ازواج سے ایک ماہ کے لیے ایلا کر دیا یعنی علیحدگی اختیار کر لی۔ آپ مسجد نبوی کے قریب ہی ایک بالاخانے میں تشریف فرما ہو گئے۔ عام مشہور ہو گیا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ ان حالات میں ازواج مطہرات کا پریشان ہونا تو فطری امر تھا تمام مسلمانوں کو بھی سخت تشویش لاحق ہو گئی۔ سب سے زیادہ پریشانی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو تھی۔ کیونکہ ان دونوں کی بیٹیاں حضور علیہ السلام کے نکاح میں تھیں۔ کوئی شخص اس معاملہ میں مداخلت کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے جرأت کر کے اس جمود کو توڑنے کی کوشش کی اور حضور علیہ السلام سے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی جو دے دی گئی۔ حضرت عمرؓ نے حاضر ہو کر کھڑے کھڑے عرض کیا کہ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس پر انہوں نے کہا اللہ اکبر۔ حضرت عمرؓ کی کچھ ڈھارس بندھی تو انہوں نے حضور علیہ السلام سے بیٹھنے کی اجازت چاہی۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ کوئی دل لگی کی بات کر کے حضور علیہ السلام کو خوش کیا جائے چنانچہ اجازت ملنے پر آپ حضور علیہ السلام کے پاس بیٹھ گئے اور بات شروع کر دی کہ مکہ میں تو ہم اپنی عورتوں پر غالب تھے اور کوئی ہمارے سامنے چوں چرا نہیں کرتی تھی مگر مدینہ میں آ کر ہماری عورتوں نے بھی یہودی عورتوں کی دیکھا دیکھی انہی کا رنگ ڈھنگ اختیار کر لیا ہے۔ ایک دفعہ خود میری بیوی نے مجھ سے زائد خرچ کا سوال کیا تو مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے اس کی گردن پر مکے مارنے شروع کر دیئے۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام مسکرا دیئے اور اس طرح کچھ دیر تک گفتگو ہوتی رہی ادھر مسجد میں مسلمان بڑے پریشان بیٹھے تھے کہ پتہ نہیں حضور علیہ السلام نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ کہیں واقعی اپنی بیویوں کو طلاق تو نہیں دے دی؟ اتنے میں حضرت

ئے طبری صفحہ ۱۵۶ ج ۲۱ و معالم التنزیل صفحہ ۱۷۳ ج ۴ (اقتباس)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

رہ سکتا۔ اور یہی حال آپ کی ازواج مطہرات کا بھی تھا۔ انہوں نے بھی حضور علیہ السلام کے اتباع میں آخرت کی زندگی کو دنیا کی زندگی پر ترجیح دی اور ہمیشہ فقر و فاقہ کو پسند کیا

دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کا انتخاب

بہر حال جب نبی علیہ السلام کی ازواج مطہرات نے آپ سے آسودہ حالی کا مطالبہ کیا تو آپ کو بہت ناپسند آئی۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے بھی یہ آیات نازل فرما کر حضور علیہ السلام کی تائید فرما دی اور آپ کو حکم دیا يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ اپنی ازواج سے کہہ دیں۔ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت چاہتی ہو عیش و عشرت اور آسودہ حالی کی طلبگار ہو فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ تو آؤ میں تمہیں فائدہ پہنچا دوں۔ جب کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دے دیتا ہے۔ اور وہ مہر بھی ادا کر چکا ہے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ عورت کو رخصت کرتے وقت حسب استطاعت ایک جوڑا کپڑے دے کر اُسے رخصت کرے اور اگر ایسی عورت ہے جس کا مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو اس کے لیے ایک جوڑا کپڑے دینا واجب ہو جاتا ہے۔ فائدہ پہنچانے سے یہی مراد ہے۔ فرمایا اگر دنیا چاہتی ہو تو میں تمہیں فائدہ پہنچاؤں وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا اور تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں یعنی طلاق دے کر بالکل فارغ کر دوں۔

پھر فرمایا کہ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا چاہتی ہو اور آخرت کے گھر کو پسند کرتی ہو۔ دنیا کی آسودگی کو ترک کرنے پر آمادہ ہو تو پھر خوب سن لو فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے نیکی کرنے والی عورتوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ جو دنیا کی عیش و عشرت کو ترک کریں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں دائمی آرام و راحت کا عطیہ عنایت فرمائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ تصویر کا دوسرا رُخ بھی بتلا دیا يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ اے نبی کی بیویو! مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

گی تو تمہاری سزا دگنی ہوگی۔ اس لفظ کے مختلف معانی آتے ہیں۔ مثلاً اس کا اطلاق بدزبانی، بے حیائی اور بخل پر بھی ہوتا ہے مگر یہاں پر اس لفظ سے زنا یا بدکاری مراد نہیں ہے کیونکہ اللہ کے پاک نبی کی بیویوں سے ایسا ممکن ہی نہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے مَا زَنَتْ امْرَاَةُ نَبِیٍّ قَطُّ یعنی نبی کی کسی بیوی نے کبھی زنا کا ارتکاب نہیں کیا۔ بعض انبیاء کی بیویوں نے کفر کا ارتکاب تو کیا ہے مگر بے حیائی کسی سے سرزد نہیں ہوئی۔ مقصد یہ کہ یہاں پر فحش سے بے ادبی، گستاخی یا بدزبانی وغیرہ جیسی لغزش تو مراد لی جا سکتی ہے، زنا جیسے فعل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

نیکی کا دگنا اجر

گزشتہ سے پیوستہ آیت میں نبی علیہ السلام کی بیویوں سے فرمایا تھا کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کا گھر پسند کرتی ہو تو اللہ نے تمہارے لیے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اب اگلی آیت میں اُن کی پارسائی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی۔ وَتَعْمَلْ صَالِحًا اور نیک اعمال انجام دے گی نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَیْنِ ہم اس کو اجر بھی دگنا دیں گے۔ جس طرح مقدس مقام، مقدس مہینے اور مقدس وقت میں عمل کا اجر بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی بلند مرتبت ہستی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگی تو اُس کے اجر و ثواب میں اضافہ ہو جائیگا۔ جس طرح حرمت والے مہینوں، مقاماتِ مقدسہ اور پچھلی رات کے اوقات میں اجر و ثواب بڑھ جاتا ہے اسی طرح مقدس ہستیوں کے اعمالِ صالحہ کا اجر بھی بہت بڑھ جاتا ہے۔

اس کے علاوہ فرمایا وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا کَرِیْمًا ہم نے اس کیلئے عزت کی روزی بھی تیار کر رکھی ہے دنیا میں عزت کی روزی وہ ہے جو حلال راستے سے آئے جس سے اطمینانِ قلب حاصل ہو اور جس کے استعمال سے عبادت کا جذبہ قوی ہو اور اس میں دلجمعی پیدا ہو۔ اور آخرت میں رزقِ کریم سے مراد یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو خاص مقام حاصل ہوگا، انتہائی باعزت روزی نصیب ہوگی۔ اور ہمیشہ کے لیے

[illegible]
[illegible]

درس نہم ۹ — آیت ۳۲ تا ۳۴

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ
اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ
قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ
فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ
الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ
الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾
وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ
ع اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

ترجمہ:- اے نبی کی بیویو! نہیں ہو تم عام عورتوں کی طرح
اگر تم ڈرتی رہو تو نہ دب کر بات کرو اس لالچ کرے
گا وہ شخص جس کے دل میں بیماری ہے۔ اور کہو بات
دستور کے مطابق ﴿۳۲﴾ اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں
اور نہ کھلے طریقے پر باہر پھرو جیسا کر عورتیں پہلی
جاہلیت کے زمانہ میں کھلی پھرتی تھیں۔ اور قائم رکھو
نماز کو اور دیتی رہو زکوٰۃ۔ اور اطاعت کرو اللہ اور
اس کے رسول کی۔ بیشک ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ

[illegible]

[illegible]

ہوگی تو تمھیں تمام عورتوں پر فضیلت ہے۔ تمھاری اس برتر حیثیت کا تقاضا ہے فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ کہ کسی اجنبی آدمی سے دب کر بات نہ کرو بلکہ کلام میں درشتی اختیار کرو۔ کیونکہ نرم لہجے میں بات کرنے سے فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ دل کا روگی آدمی لالچ کریگا۔ دل کے روگ سے مراد نفاق، خواہشاتِ نفسانیہ اور شہوانی میلان ہے۔ اس لیے حکم دیا کہ اگر کسی اجنبی آدمی سے بات کرنی پڑے تو روکھا پن ظاہر کرو، تاکہ کسی بد باطن آدمی کے دل میں کوئی خیال نہ آسکے۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی بیویوں کو ادب سکھایا ہے کہ غیر مرد سے بات کرتے وقت اس طرح بات کرو جس طرح اپنے بیٹے سے کی جاتی ہے وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا اور بات بھی دستور کے مطابق بھلی اور معقول ہونی چاہیے۔

تبرج جاہلیت

اللہ نے امہات المومنین کو یہ حکم بھی دیا وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ کہ اپنے گھروں میں ٹھہری رہو، بلاوجہ گھر سے باہر نہ نکلو کیونکہ گھروں میں رہنا ہی عورتوں کی اصل وضع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں میں تقسیم کار کر دیا۔ مرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ محنت مشقت کر کے کمائی کرے اور عورتوں کا کام یہ ہے کہ وہ امورِ خانہ داری کو انجام دیں۔ بچوں کی پرورش، کھانا پکانا کپڑے دھونا اور گھر کی صفائی کرنا عورت کے ذمے ہے۔ یہ سب کام گھر کی چار دیواری کے اندر انجام دیے جاتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے نبی کی بیویوں کو حکم دیا ہے کہ وہ گھر میں مقیم رہیں وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى اور جاہلیتِ اولیٰ کی عورتوں کی طرح اپنے آپ کو کھلے طور پر نہ دکھاتی پھریں۔ مطلب یہ کہ گھر میں رہ کر امورِ خانہ داری انجام دیں اور اگر اشد ضرورت کے تحت گھر سے باہر جانا پڑے تو پھر جاہلیت اولیٰ کے زمانے کی طرح بے پردہ نہ جائیں۔

لہ موضح القرآن ص ۵۰۵ (فیاض)

[illegible]

لیا جا سکتا ہے۔ بہر حال پردہ ہونا چاہیئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو عورت گھر میں رہ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیکی کے کام انجام دے گی، برائی سے بچے گی، اللہ تعالیٰ اس کو مجاہدین جیسا اجر عطا فرمائے گا۔ عورت کا بلا اجازت باہر جانا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر مسجد میں بھی جانا چاہیں تو خاوند یا سرپرست کی اجازت لے کر جائیں۔ مردوں کو بھی فرمایا کہ اگر عورتیں مسجد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو دیدیا کرو بشرطیکہ راستہ پُرامن ہو یعنی فساق و فجار سے کوئی خطرہ نہ ہو۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ عورت کا گھر کی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا، بڑے کمرے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور صحن کی نسبت بڑے کمرے میں پڑھنا افضل ہے۔ عورت جتنا چھپ کر نماز پڑھے گی، اتنا اجر زیادہ ہوگا۔ مسجد میں جانے کی صرف اجازت ہے فضیلت نہیں ہے۔ کیونکہ عورتوں کی اصل وضع گھر میں قرار پکڑنا ہے۔ بناؤ سنگار کر کے، زیورات اور بھڑکیلا لباس پہن کر عورتوں کا بے حجابانہ باہر نکلنا عورتوں کی وضع کے خلاف ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے[3] کہ اگر عورت مسجد میں نماز کے لیے بھی جائے تو معمولی لباس پہن کر جائے اور خوشبو نہ لگائے کہ یہ فتنے کا باعث بن سکتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان[4] ہے کہ عورت ستر ہے، جب یہ باہر نکلتی ہے تو شیطان جھانک کر دیکھتا ہے، اور لوگوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے جس سے بے حیائی کے لوازمات پیدا ہوتے ہیں موجودہ عریانی انگریز اور بے دین لوگوں کی پیدا کردہ ہے جو عورت کو مردوں کے شانہ بشانہ لانے کو ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ قرآن کے خلاف جاہلیت کی طرف قدم ہے۔ اگر کوئی عورت مجبور ہے تو اس کو اجازت لے کر باپردہ باہر

لہ

گہ

سہ ابن کثیر ص۴۸۲ ج۳ و مستدرک حاکم ص۲۰۹ ج۱

کہ ابن کثیر ص۴۸۲ ج۳ (فیاض)

[illegible]

ایک گروہ وہ ہے جو اس آیت کے مطابق صرف ازواجِ مطہرات کو اہلِ بیت میں شمار کرتا ہے اور حضور علیہ السلام کی اولاد اور آپ کے خاندان کے لوگوں کو اہلِ بیت کے افراد نہیں مانتا۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو مذکورہ حدیث کے مطابق صرف حضور علیہ السلام کے خاندان اور اولاد کو ہی اہلِ بیت سمجھتا ہے اور ازواجِ مطہرات کو اس میں شامل نہیں کرتا۔ یہ دونوں شیعہ اور رافضی ہیں اور گمراہ ہیں۔ جو لوگ صرف پنج تن کو اہلِ بیت کہتے ہیں وہ بھی گمراہ ہیں۔ کیونکہ یہ نظریہ نصِ قرآنی کے خلاف ہے۔ دوسری طرف حدیث بھی صحیح ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں[1] کہ حقیقتاً قرآن اور حدیث میں تضاد نہیں ہے صرف سمجھنے کی بات ہے۔ نصِ قرآنی عام ہے اور اس کے مطابق اہلِ بیت میں ازواج بھی شامل ہیں اور اولاد بھی۔ ہم اپنی زبان میں اہلِ بیت کا متبادل لفظ "گھر والے" بولتے ہیں۔ اور جب ایسا کہتے ہیں تو اس سے مراد نہ تو صرف ازواج ہوتی ہیں اور نہ صرف اولاد، بلکہ ازواج اور اولاد دونوں مراد ہوتے ہیں۔ لہٰذا نہ تو ازواج کو اہلِ بیت سے خارج کیا جا سکتا ہے اور نہ اولاد کو۔ حدیث میں صرف اولاد کو اہلِ بیت کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ میری ازواج تو نصِ قرآنی کے مطابق اہلِ بیت میں شامل ہیں، میری یہ اولاد بھی اہلِ بیت میں شامل ہے۔ ان سے بھی گندگی کو دور کر کے انہیں پاک صاف کر دے۔

مسلم شریف[2] میں زید بن ارقمؓ کی روایت ہے کہ آپ سے شاگردوں نے پوچھا، کیا حضور کی ازواج اہلِ بیت نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ازواجِ مطہرات اہلِ بیت ہیں۔ مگر حضور علیہ السلام کے اہلِ بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِاَهْلِ مُحَمَّدٍ بیشک صدقہ نہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال ہے اور نہ آپ کے اہلِ بیت

---

[1] بیان القرآن ص ۴۸ ج ۹   [2] بیان القرآن ص ۴۸ ج ۹ (فیاض)

[illegible]

کردیا۔ امہات المومنین حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد چالیس؟ پینتالیس؟ سال تک بقیدِ حیات رہیں اور امت کی کما حقہٗ تربیت کرتی رہیں۔ اُن کو تقویٰ، طہارت عبادت اور تعلیم میں اعلیٰ درجے کی حیثیت حاصل رہی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربانی کرنے والا اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ
وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ
وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ
وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ
وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ
أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٣٥﴾

[illegible]

اسوۂ حسنہ کا ذکر فرمایا اور اُن مومنین کی تعریف فرمائی جو اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں، یوم آخرت میں اُن کا یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ اور اُس کے رسول کے وعدے پر مکمل یقین کرتے ہیں۔ اور اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے سچے لوگوں کی سچائی کا اجر اور منافقین کے انجام کا ذکر بھی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں سزا دے دے یا اگر چاہے تو انہیں توبہ کی توفیق دے کر اُن کا انجام بھی بہتر کر دے۔

پھر گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات کا ذکر فرمایا اور نبی علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اُن سے برملا کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کا مال و دولت اور زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کے گھر کی تلاش ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے لیے اجر عظیم بھی موجود ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کے مرتبہ کے پیش نظر اُن کو حکم دیا کہ وہ زمانہ جاہلیت کی طرح بے پردہ باہر نہ نکلیں اور اپنے بناؤ سنگار کا اظہار نہ کریں بلکہ شریفانہ طریقے پر اپنے گھروں میں قیام کریں کہ اسی میں اُن کی عزت و آبرو ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں اسی طریقہ سے پاک و صاف رکھنا چاہتا ہے۔

اب آج کی آیت میں مومن مردوں اور مومن عورتوں کا اکٹھا ذکر کر کے اُن کی بعض صفات بیان کی گئی ہیں اور انہیں اجرِ عظیم کی بشارت بھی سنائی گئی ہے احادیث[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی موقع پر ازواج مطہرات اور بعض دوسری مومن عورتوں نے حضور علیہ السلام کے سامنے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مردوں کا ذکر خیر تو کثرت سے کیا ہے مگر عورتوں کی خیر و خوبی کا ذکر بہت کم ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں مردوں اور عورتوں

---

[1] ابن کثیر صفحہ ۴۸۹ ج ۳ (فیاض)

[illegible]

توفیق ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔ جب کوئی شخص یہ اعمال انجام دیتا ہے تو دوسرے دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ شخص مسلمان ہے۔

اہلِ ایمان مرد و زن

پھر فرمایا وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں۔ ایمان کا تعلق تصدیق قلبی کے ساتھ ہے جو نظر نہیں آتی۔ اسی حدیثِ جبریل میں حضور علیہ السلام نے ایمان کی تعریف یہ فرمائی اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر ایمان لائے اور خیر و شر کی تقدیر کو حق جانے۔ گویا ایمان کا تعلق دل کی تصدیق سے ہے جو بظاہر نظر نہیں آتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں اور ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کا ذکر کیا ہے جو مذکورہ صفات کے حامل ہیں۔

اطاعت گزار مرد و زن

آگے فرمایا وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ اور اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں۔ قنوت کا معنی اپنی رضا و رغبت کے ساتھ خدا تعالیٰ کی اطاعت کو قبول کرنا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کی اطاعت کا دم بھر لیتا ہے تو پھر اس پہ لازم ہے کہ وہ مطاع کے ہر حکم کی تعمیل بھی کرے۔ تو قانتین اور قانتات کا یہی مطلب ہے کہ ایسے مرد و زن جو مکمل طور پہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے والے ہوں اور کسی حیلے بہانے سے اس کی اطاعت سے باہر نہ نکلیں۔ دیگر احکام الٰہی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ پوری دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنا بھی اطاعت میں شامل ہے۔

سچے مرد و زن

پھر فرمایا وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ اور سچے مرد اور سچی عورتیں اس سے مراد وہ مرد و زن ہیں جو زندگی کے ہر موڑ پر سچائی کو اپنا شعار بنالیں۔ سچ کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ نیت، عقیدے اور ارادے میں سچے ہونا، اعمال و کردار اور اخلاق میں سچے ہونا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہو تو خلوصِ نیت کے ساتھ

[illegible]

نے ایسے لوگوں کی کامیابی کی گارنٹی دی ہے۔

عاجز مرد و زن

آگے فرمایا وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں۔ اللہ کے سامنے خشوع یعنی عاجزی کا اظہار کمال درجے کی صفت ہے اور ہر انسان سے مطلوب ہے اللہ نے اپنے انبیاء کے متعلق بھی فرمایا ہے خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ وہ اللہ کے حضور نہایت عاجزی اور نیاز مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ ویسے عام انسانوں کے ساتھ بھی خشوع کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ غرور و تکبر سے پیش نہیں آنا چاہیے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے کہ اللہ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے اَنْ تَوَاضَعُوْا وَلَا يَفْخَرُ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ہر ایک کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ اور ایک دوسرے کے سامنے بڑائی کا اظہار نہ کرو کہ یہ ناپسندیدہ فعل ہے۔ بہرحال اس مقام پر اللہ نے عاجزی کرنے والے مردوں اور عاجزی کرنے والی عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

سخی مرد و زن

آگے فرمایا وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ اور صدقہ خیرات کرنے والے مرد اور صدقہ خیرات کرنے والی عورتیں۔ اللہ کی راہ میں غرباء، مساکین، یتامیٰ، بیوگان کی مالی اعانت اور کمزور طبقات کی دستگیری بھی ملت کا اہم اصول ہے بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنانا، بیمار کا علاج، تعلیمی اغراجات پورے کرنا اور دیگر جائز ضروریات کے لیے مال خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک[2] ہے۔ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ یعنی صدقہ اللہ تعالیٰ کے غصے کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض صحابہ کا بیان[3] ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

۱ ... ۲ مستدرک حاکم ص۵ ج۲
(فیاض)
۳ مسند احمد ص۲۳۳ ج۴

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عورت کی اس قدر پردہ داری مقصود ہے کہ اس کے لیے صرف حفظت کا لفظ آیا ہے، یہاں فُرُوْجَهُنَّ کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اسی سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ عورت کے حق میں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔ پردہ کی اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے وَلَا تَنْظُرْ لِمَ[1] فَخِذٍ حَیٍّ وَمَیِّتٍ کسی زندہ یا مردہ کی ران کی طرف بھی دیکھنا حرام ہے چہ جائیکہ کوئی مرد و زن زنا یا لواطت میں مبتلا ہو۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ ناموس کو بھی اسلامی اقدار میں داخل کیا ہے اور اس کی پابندی کرنے والے مردوں اور عورتوں کی تعریف فرمائی ہے

ذاکرین مرد و زن

اور اپنے بندوں کی دسویں صفت اللہ نے یہ بیان کی ہے وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں ۔ حصن حصین والے بزرگ حضرت جزری کہتے ہیں[2] کُلُّ مُطِیْعٍ لِلّٰهِ فَهُوَ ذَاکِرٌ جو شخص اللہ کی اطاعت کے کام میں مصروف ہے، وہ اللہ کو یاد کرنے والا ہے۔ ویسے ہر شخص کے لیے زبانی ذکر ہی آسان ترین ذکر ہے۔ باقی عبادات کی تو تعداد مقرر ہے، مگر ذکر کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی، کوئی جس قدر چاہے اللہ کا ذکر کر سکتا ہے۔ آگے اسی سورۃ میں آرہا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (الاحزاب ۔ ۴۱) اے ایمان والو! اللہ کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص رات کو اٹھتا ہے۔ اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرتا ہے۔ پھر وہ دونوں نماز ادا کرتے ہیں تو انکے نام ذاکرین اور ذاکرات کے رجسٹر میں درج ہو جاتے ہیں۔ فرمایا یہ مرتبہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک آدمی کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حالت میں ذکر کرنے والا نہ بن جائے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی روایت[3] میں آتا ہے۔ کہ آپ

---

[1] ابوداؤد ص۲۰۱ ج۲ و کبیر ص۲۰۲ ج۲۳ [2] حصن حصین ص (فیاض)

[3] ابوداؤد ص۹ ج۱

[illegible]

[illegible]

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ
مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾ وَاِذْ تَقُوْلُ
لِلَّذِىْۤ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ
اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِىْ فِىْ
نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ
وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا
وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَىْ لَا يَكُوْنَ عَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِىْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ
اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ
مَفْعُوْلًا ﴿۳۷﴾

ترجمہ :- اور نہیں ہے کسی مومن مرد اور نہ کسی مومن عورت کا کام کہ جب فیصلہ کر دے اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا تو ان کو کوئی اختیار باقی رہ جائے ان کے معاملے میں - اور جو شخص نافرمانی کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی پس بے شک وہ گمراہ ہوا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قرآن کے پاس کوئی اختیار باقی رہ جائے۔ مطلب یہ کہ اللہ اور رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن مرد و زن کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ اپنی مرضی سے اس فیصلے کو قبول کرے یا رد کر دے۔ بلکہ اسے تو ہر حالت میں اللہ اور نبی کے فیصلے کو برضا و رغبت جان کر اس پر عمل کرنا ہوگا۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو شخص اللہ اور رسول کے خلاف کرے گا فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔ اُسے فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔

شانِ نزول

شانِ نزول کے اعتبار سے یہ آیت حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے بارے میں ہے۔ حضرت زیدؓ کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ درس ۷۸ میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے کہ منہ بولے بیٹے کو اس کے حقیقی باپ کی طرف منسوب کر کے پکارو۔ اور اگر اس کے باپ کا اتہ پتہ معلوم نہ ہو تو اسے اپنا بھائی یا رفیق کہہ کر پکارو۔

حضور علیہ السلام نے حضرت زیدؓ کو منہ بولا بیٹا بنالیا تھا اور لوگ انہیں زیدؓ ابن محمد کہہ کر بلاتے تھے مگر مذکورہ آیت کے نزول کے بعد انہیں زیدؓ بن حارثہ کہا جانے لگا۔ درس نمبر ۷۸ میں یہ تفصیل بھی بیان ہو چکی ہے کہ حضرت زیدؓ کو حضرت خدیجہؓ نے عکاظ کی منڈی سے بطور غلام خرید کیا تھا۔ پھر جب آپ کا نکاح حضور علیہ السلام کے ساتھ ہو گیا تو انہوں نے یہ غلام حضور علیہ السلام کو ہبہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد حضرت زیدؓ کے والد اور چچا کو آپ کا علم ہوا تو وہ آپ کو لینے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معاوضہ ادا کر کے بچے کو لے جانا چاہا۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خود جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر زیدؓ نے حضور کے اخلاق کریمانہ کی بدولت آپ کے ہاں سے جانے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اعلان فرمایا۔ کہ آج سے میں نے زیدؓ کو آزاد کر دیا ہے اور یہ میرا منہ بولا بیٹا ہے۔ اس اعلان پر حضرت زیدؓ کے والد اور چچا خوش ہو کر واپس چلے گئے۔

زیدؓ کا نکاح زینبؓ سے

حضرت زیدؓ کے حضرت زینبؓ سے نکاح کے متعلق بھی درس نمبر ۷۸ میں اشارۃً ذکر آچکا ہے۔ جب حضرت زیدؓ آزاد ہو گئے تو حضور علیہ السلام نے اُنکے

[illegible]

[illegible]

ہیں، مگر جب اکثر لوگ نافرمانی کے کاموں ہی کو اچھا سمجھتے ہیں اور ہر معاملے میں احکامِ شریعت کو پسِ پشت ڈال کر من مانی کر رہے ہیں۔ بیاہ شادی کا معاملہ ہو، کوئی کھیل تماشے کی بات ہو یا کاروباری معاملات ہوں، ہم دیکھ رہے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ موجود ہے مگر اس کے باوجود ہم اس کی طرف توجہ کرنے کی بجائے غلط رسم و رواج کے پیچھے چل رہے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنا اپنے لیے باعثِ عزت سمجھتے ہیں۔

زیدؓ اور زینبؓ میں عدمِ موافقت

بہر حال اس آیت کریمہ کے حکم کے مطابق حضرت زیدؓ کا نکاح حضرت زینبؓ سے ہو گیا مگر ان دونوں کے مزاج میں ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکی۔ حضرت زیدؓ دھیمے مزاج کے آدمی تھے، اس کے برخلاف حضرت زینبؓ کے مزاج میں تیزی تھی۔ حضرت زینبؓ ایک نیک سیرت خاتون تھیں، نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔ جب حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگی تو بعض مخلص مسلمان مرد اور عورتیں بھی غلط پروپیگنڈہ کا شکار ہو گئیں، ان میں حضرت زینبؓ کی بہن بھی شامل تھیں اور ان پر حد بھی جاری کی گئی، مگر جب اس تہمت کا ذکر حضرت زینبؓ کے سامنے کیا گیا، تو انہوں نے کان پکڑ لیے اور کہنے لگیں: پناہ بخدا! بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہے! انہوں نے ام المؤمنین عائشہؓ کی تعریف کی اور انہیں اس الزام سے بری الذمہ قرار دیا۔ بایں ہمہ آپ کے مزاج میں حدت تھی لہٰذا حضرت زیدؓ کے ساتھ نباہ نہ ہو سکا۔ بات بات پر الجھاؤ پیدا ہونے لگا۔ تو حضرت زیدؓ نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں ان حالات کا تذکرہ کیا اور کہا کہ ہم میاں بیوی کے مزاج میں مطابقت پیدا نہیں ہو سکی۔ لہٰذا میں انہیں طلاق دے دینا چاہتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر چند حضرت زیدؓ کو سمجھاتے رہے کہ جلدی نہ کرو اور حتی الامکان نباہ کی کوشش کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں اسی بات کا ذکر کیا ہے وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ

اور جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ اس

[illegible]

دے گا۔ آپ کو اس بات کا خوف تھا کہ اس بارے میں لوگ کیا کہیں گے۔ کہ جو نکاح انہوں نے زور دے کر کرایا تھا اس میں نباہ نہ ہو سکا۔ اور بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ کو یہ بھی خلش تھا کہ حضرت زینبؓ کو اُن کی مرضی کے خلاف نکاح پر مجبور کیا گیا۔ اس کے بعد اگر نوبت طلاق تک آگئی تو ایک آزاد کردہ غلام سے طلاق کا داغ قریش خاندان کی ایک عورت پر لگ جائے گا۔ یہ چیز حضور کے لیے تکلیف دِہ تھی کہ اس طرح زینبؓ کی پوزیشن معاشرے میں مزید خراب ہو جائے گی یہ چیز تھی جس کا حضور علیہ السلام کو خوف تھا مگر اللہ تعالیٰ اُس کو ظاہر کرنے والا تھا۔

بالآخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کافی غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے، کہ زینبؓ کی دل شکنی کی تلافی صرف اسی صورت میں ممکن ہے۔ کہ اگر زیدؓ اسے طلاق دے دے تو میں خود اُس سے نکاح کر لوں گا۔ اس طرح زینبؓ کو نبی کی زوجیت کا شرف حاصل ہو جائے گا اور طلاق کے صدمہ کو بھول جائے گی۔ پھر آپ کو یہ بھی خیال آتا تھا کہ اگر میں نے زینبؓ سے نکاح کر لیا تو لوگ پھر اعتراض کریں گے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر لیا ہے، اور اس بات کو عرب لوگ ناجائز سمجھتے تھے۔ اِن حالات میں کافروں، مشرکوں اور منافقوں۔ نیز یہود و نصاریٰ کی طرف سے تکلیف دہ پراپیگنڈہ کا خطرہ بھی تھا، لہٰذا آپ خوف محسوس کر رہے تھے، مگر اللہ نے فرمایا کہ لوگوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

زیدؓ سے طلاق اور حضور سے نکاح

بالآخر وہی بات ہوئی جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ جب حضرت زیدؓ اور زینبؓ میں مفاہمت کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو انہوں نے حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا پس جب حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ سے اپنی غرض کو پورا کر لیا یعنی کچھ عرصہ ازدواجی زندگی کے طور پہ گزار لیا تو اللہ نے فرمایا زَوَّجْنٰكَهَا تو ہم نے اُس کا نکاح آپ سے کرا دیا، اور اس سے مقصود آپ کے دل کی خلش کو دور کرنا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ متبنّٰی کی مطلقہ سے نکاح

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا
فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا
مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ﴿٣٨﴾
الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ
أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٣٩﴾ مَا كَانَ
مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَٰكِنْ رَسُولَ
اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٠﴾ ع

ترجمہ:- نہیں ہے اللہ کے نبی پر کوئی حرج اس چیز میں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر فرمائی ہے۔ یہ دستور ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو اس سے پہلے گذرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم مقرر کیا ہوا ہوتا ہے ﴿۳۸﴾ وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں۔ اللہ کے پیغامات اور ڈرتے ہیں اسی سے، اور نہیں ڈرتے کسی سے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کفایت کرنے والا ﴿۳۹﴾ نہیں ہیں محمد باپ کسی ایک کے تمہارے مردوں میں سے، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ

[illegible]

نہیں کرنی چاہیئے اور لوگوں کے اعتراضات اور طعن و تشنیع کو خاطر میں نہیں لانا چاہیئے۔ فرمایا سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ یہ پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں اللہ کا دستور ہے۔ پہلے ادوار میں بھی لوگ انبیاء علیہم السلام پر اسی طرح اعتراض کیا کرتے تھے مگر انہوں نے جائز کام کو کرنے میں کسی پس و پیش کا اظہار نہیں کیا بلکہ ایسے کام بے دھڑک کر گزرے۔ آج لوگ تعدد ازواج پر اعتراض کرتے ہیں کہ ایک مرد کو چار عورتیں رکھنے کی اجازت کیوں ہے۔ حالانکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو سے بھی زیادہ بیویاں تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی متعدد بیویاں تھیں اور ان سے اولاد بھی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی جائز کردہ چیز پر طعن کرنا اللہ تعالیٰ پر طعن کرنے کے مترادف ہے، لہٰذا اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو کرتا رہے، آپ اس کی قطعاً پرواہ نہ کریں اور اپنا کام کرتے جائیں۔ فرمایا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا اور اللہ کا معاملہ تو ٹھہرا ہوا ہے۔ اس میں کون دخل اندازی کر سکتا ہے؟

فرمایا الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ اللہ کے نبی جو اس کے پیغامات لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں۔ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ ان کو صرف اسی بات کا خوف رہتا تھا کہ کہیں اللہ کی نافرمانی کا کوئی کام نہ ہو جائے۔ اللہ نے اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کفایت کرنے والا۔ مطلب یہ کہ معترضین کے طعن و تشنیع کا توڑ اللہ ہی کرے گا وہ ایسے لوگوں کو ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا۔

بعض چیزوں کے جواز کا محض حکم دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور بعض جائز امور پر اللہ تعالیٰ لوگوں سے عمل کروا کر اس کے جواز کو مزید پختہ کر دیتا ہے۔ اس

لہ بحر المحیط صفحہ ۲۳۶ ج ۷ و ازالة الخفاء صفحہ ۲۹۳ ج ۲ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ میں تمہارے لیے بمنزلہ باپ کے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی شفیق باپ اپنی اولاد کی بہترین تربیت کرتا ہے، اسی طرح میں بھی تمہاری تربیت کرتا ہوں۔

فرمایا: میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور ساتھ ساتھ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ تمام نبیوں کو ختم کرنے والا بھی ہوں۔ یہ لفظ خَاتَم اور خَاتِم دونوں طرح آیا ہے مگر دونوں کا معنی ایک ہی ہے یعنی ختم کرنے والا۔ خاتم مہر کو کہتے ہیں اس لیے امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نبیوں کی مہر ہیں۔ جب کسی چیز یا سلسلے کو بند کر دیا جاتا ہے تو اس پر مہر لگا دی جاتی ہے تاکہ کوئی مزید چیز اس میں داخل نہ ہو سکے۔ اللہ نے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ بھی ختم کر کے اس پر حضور علیہ السلام کے ذریعے مہر لگا دی ہے تاکہ کوئی اور شخص انبیاء کی جماعت میں داخل نہ ہو سکے۔ شاہ عبد القادرؒ بھی یہی ترجمہ کرتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول اور سب نبیوں پر مہر ہیں، کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اللہ نے سلسلہ نبوت آپ پر ختم کر دیا ہے۔

اور اگر خاتم بصورت فاعل لیا جائے تو معنی ختم کرنے والا ہوگا۔ مطلب وہی ہے کہ آپ سب سے آخر میں تشریف لائے اور آپ کے ذریعے سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، بلکہ خلفاء ہوں گے جو نیابت کا فریضہ انجام دیں گے۔ خلفاء میں سے اچھے بھی ہوں گے اور برے بھی مگر نبی کوئی نہیں ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ میری مثال ایک قصر کی ہے جو مکمل ہو چکا ہے مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی باقی ہے۔ لوگ دیکھ کر تعجب کرتے ہیں کہ محل تو بڑا عالیشان ہے۔ مگر

۱؎ ابن جریر طبری ص۱۲ ج ۲۲ ۲؎ بخاری ص۔۔۔

۳؎ ابن کثیر ص۴۹۳ ج ۳ و در منثور ص۲۰۳ ج ۵ (فیاض)

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کی نیابت اُن کے بھائی ہارون علیہ السلام نے انجام دی تھی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ فرق صرف اتنا ہے کہ اُن کے بعد ہارون بھی نبی ہوئے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کی تعریف میں حضور علیہ السلام کے یہ کلمات بھی ہیں لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ آپ نے اپنے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی فرمایا کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو نبی ہوتا یعنی اللہ نے اس میں بڑی صلاحیت رکھی تھی، مگر میرے بعد تو نبوت کا دروازہ ہی بند ہو چکا ہے

مدعیانِ نبوت

اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان واضح فرمودات کے باوجود آپ کے عہدِ سعادت سے لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ خود حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد تیس دجال اور کذاب آئیں گے، اُن میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ مگر میں تو خاتم النبیین ہوں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میرے بعد کوئی سچا نبی نہیں آئے گا، جو بھی دعویٰ کرے گا، وہ جھوٹا ہوگا۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی نے تو حضور علیہ السلام کی زندگی مبارک میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ مسیلمہ کذاب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے دوران مارا گیا۔ اس شخص کا اپنا بہت بڑا قبیلہ تھا، پھر اس نے دوسروں کو بھی ساتھ ملا لیا اور بہت بڑا دجل پیدا ہوا۔ آخر بارگیا قریباً فتنہ ختم ہوا۔ صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد ہر مدعی نبوت کافر اور واجب القتل ہے۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ لڑی گئی۔ مؤرخین کے مطابق یہ اتنا بڑا فتنہ تھا کہ اسے فرو کرنے میں گیارہ سو حفاظ اور قاری شہید ہوئے تھے، اور دونوں طرف سے چالیس ہزار آدمی کام آئے تھے۔

ا۔

۲۔ ترمذی ص ۳۲۲

۳۔ در منثور ص ۲۰۴ ج ۵ (فیاض)

[illegible]

کے آخری نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے جاہلیت کے باطل نظریے کو رد کر دیا۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرے گا وہ ہمیشہ کے لیے خائب و خاسر ہو جائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا
كَثِيرًا ﴿٤١﴾ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٤٢﴾
هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ
لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَكَانَ
بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ﴿٤٣﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ
يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ ۚ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ﴿٤٤﴾

[illegible]

[illegible]

پھر حضرت زیدؓ اور زینبؓ کے درمیان طلاق اور حضور علیہ السلام کے ساتھ حضرت زینبؓ کے نکاح کا ذکر کیا۔ پھر اللہ نے حضور علیہ السلام کو تسلی دی کہ اہل علم میں منافقین کے پراپیگنڈا کی طرف توجہ نہ فرمائیں، یہ نکاح ہم نے خود کرایا ہے تاکہ اہل ایمان پر یہ مسئلہ واضح ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح بالکل درست ہے فرمایا یہ دستور بہت ادوار سے چلا آ رہا ہے اور اللہ نے اپنے انبیاء کے لیے جو چیز مباح قرار دی انہوں نے اس پر عمل کرنے میں کسی ملامت کنندہ کی پروا نہیں کی وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تم میں سے کسی مرد بشمول حضرت زیدؓ کے باپ نہیں ہیں بلکہ آپ تو تمام انبیاء اور رسل کے خاتم ہیں۔ آپ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا، نہ کتاب اور نہ کوئی نئی شریعت، لہٰذا جاہلیت کی رسوم کو ختم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آپ کے ذریعہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح عملی طور پر پیش کر دیا جائے تاکہ آئندہ کے لیے یہ بات لوگوں کے لیے دستور العمل بن جائے۔

ذکرِ الٰہی کی فضیلت

چونکہ کفار، مشرک اور منافق اسلام اور اللہ کے نبی کے خلاف غلط پراپیگنڈا کرتے تھے جس سے حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کو سخت ذہنی پریشانی ہوتی تھی، اس پریشانی کا حل اللہ تعالیٰ نے یہ تجویز فرمایا۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔ اے ایمان والو! اللہ کا کثرت سے ذکر کرو۔ اگر مخالفین بیہودہ باتیں اور طعنہ زنی کرتے ہیں تو تم اس کا کوئی برا جواب نہ دو بلکہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرو کہ اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے خاص اوقات اور خاص مقدار مقرر فرمائی ہے مگر ذکرِ الٰہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ اس کے لیے نہ کوئی وقت مقرر ہے، نہ جگہ اور نہ مقدار۔ جس وقت، جہاں چاہو اور جتنا چاہو اللہ کا ذکر کر سکتے ہو۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ

له - الاحزاب رکوع ۶

(بقیہ حاشیہ)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہو۔ فرمایا متقین کی تکلیف دہ باتوں کا جواب ذکرِ الٰہی سے دو کر یہ چیز تمھارے لیے تقویت کا باعث بنے گی کیونکہ اللہ کا فرمان ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد - ۲۸) آگاہ رہو کہ دل کا سکون اللہ کے ذکر کے ذریعے حاصل ہوتا ہے ذکرِ الٰہی سے انسان کی غفلت دُور ہوتی ہے اور اسے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے، گناہ معاف ہوتے ہیں اور اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

تسبیح کی تاکید

فرمایا، ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا اور اُس کی تسبیح بیان کرو صبح کے وقت بھی اور پچھلے پہر بھی تسبیح کا معنیٰ تنزیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب، نقص اور ضعف سے پاک ہے جب کوئی شخص اپنی زبان سے سبحان اللہ ادا کرتا ہے تو اس کا عقیدہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اُس ذاتِ خداوندی پر ایمان رکھتا ہے، جس کی ذات ہر عیب اور آلودگی سے پاک ہے۔

تسبیح خدا تعالیٰ کی بہترین تعریف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے فجر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ جو شخص ان دو نمازوں کی پابندی کرے گا۔ وہ جنت میں داخل ہو گا، اور اُسے اللہ کا دیدار نصیب ہو گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم مغلوب نہ ہو ان دو نمازوں پر مداومت اختیار کرو۔

بعض فرماتے ہیں[2] کہ تسبیح سے مطلقاً ذکر مراد ہے، ذکر سے تو انسان کا کوئی لمحہ بھی خالی نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر یہ دو اوقات ایسے ہیں جن میں اللہ کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ نمازِ فجر اور عصر کے وقت فرشتوں کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی ہیں۔ ان اوقات میں لوگوں کے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔ لہٰذا اُس وقت اللہ کا زیادہ سے زیادہ ذکر کرنا چاہیئے تاکہ فرشتے اللہ کے حضور جا کر گواہی دے سکیں

---

[1] بخاری صہ ۸۱/۱ [2] روح المعانی صہ ۴۲/۲۲ (فیاض)

[illegible]

مجمع البیان[1] والے اس کا مطلب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ خداوند قدوس تمہیں جہالت سے نکال کر معرفت کی طرف، نفاق سے نکال کر اخلاص کی طرف لاتا ہے۔ کفر، شرک، نفاق، بدعت، معصیت سب اندھیرے ہیں۔ ان کی وجہ سے انسان میں روحانی تاریکی پیدا ہوتی ہے، جو دلوں، دماغوں اور روحوں میں چھا جاتی ہے جب تک انسان ان چیزوں سے توبہ نہ کرے وہ حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ یہ سب ناپاک چیزیں ہیں اور باطنی طہارت اس وقت نصیب ہوتی ہے جب کوئی شخص خلوص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرے اور اُس میں جذبہ اطاعت موجود ہو۔ تو فرمایا کہ خدا تعالیٰ نزولِ رحمت فرماتا ہے، فرشتے اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

فرمایا وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ بڑا مہربان ہے۔ اہل ایمان پر اُس کی خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اپنے فضل و کرم سے اللہ تعالیٰ اُن کی عبادت اور ریاضت کو قبول فرماتا ہے اور اُن کی غلطیاں اور کوتاہیاں معاف کرتا ہے۔ یہ اُس کی رحمت و بخشش کی علامت ہے ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ جس دن وہ اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہوں گے اُس دن اُن کی دعا سلام ہے۔ دو مسلمانوں کی ملاقات کے وقت بھی ایک دوسرے کو سلام کیا جاتا ہے۔ امام ابوبکر جصاص[2] اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ یہ لفظ چاہتا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ملیں قرآن کی دعا سلام ہی ہونی چاہیئے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ یعنی دو مسلمان ملاقات پر ایک دوسرے کے لیے خیر و سلامتی کی دعا کریں۔ آدم علیہ السلام سے لے کر ہر نبی کے دور میں سلام و دعا کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ پھر جب دو مومن جنت کے اندر

دعا بطور سلام

---

[1] مجمع البیان ص ۲۲۹ / ۲۲ [2] احکام القرآن للجصاص ص (فیاض)

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا
وَّنَذِيْرًا ۝۴۵ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا
مُّنِيْرًا ۝۴۶ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ
مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝۴۷ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ
وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى
اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۴۸

ترجمہ:- اے نبی! بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ کو شاہد بنا کر اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا (۴۵) اور بلانے والا اللہ کی طرف اُس کے حکم سے اور روشن چراغ (۴۶) اور آپ خوشخبری دیں ایمان والوں کو کہ بیشک اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے (۴۷) اور آپ نہ بات مانیں کفر کرنے والوں کی اور منافقوں کی، اور چھوڑ دیں آپ اُن کی طرف سے ایذا رسانی، اور بھروسہ کریں اللہ کی ذات پر۔ اور کافی ہے اللہ تعالےٰ کام بنانے والا (۴۸)

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں پہلے اہل ایمان کو کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنی مہربانیوں کا تذکرہ کیا کہ وہ خود رحمت نازل کرتا ہے اور فرشتے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ

[illegible]

چونکہ شاہد کا لقب دیا گیا ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور اسی بناء پر قیامت کے روز اللہ کی بارگاہ میں گواہی دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ لفظ شاہد کا معنیٰ حاضر و ناظر اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی کئی مقامات پر نفی کی ہے۔ مثلاً سورۃ قصص میں ہے کہ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف حکم بھیجا تو آپ طور کے مغربی جانب تو نہیں تھے وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (آیت ۴۴) اور نہ ہی آپ دیکھنے والوں میں تھے یعنی آپ وہاں حاضر و ناظر نہیں تھے۔ اس کے برخلاف وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (البروج-۹) ہر مقام اور ہر چیز پر حاضر و ناظر تو صرف اللہ کی ذات ہے۔ یہ صفت مخلوق میں سے کسی میں نہیں پائی جاتی۔

اللہ کی وحدانیت کی گواہی

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ شاہد کا معنیٰ گواہی دینے والا بھی درست ہے۔ اور اس کا اطلاق حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ پر کیا جائے تو جملے کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اے نبی! ہم نے آپ کو اللہ کی وحدانیت کی گواہی دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اس معنی کی تائید حضور علیہ السلام کی ایک حدیث[1] سے بھی ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سے دو جنازے گزرے۔ ایک میت کے متعلق صحابہ کرامؓ نے بتایا کہ یہ نیک اور اچھا آدمی تھا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اس پر واجب ہوگئی۔ پھر دوسرے جنازے کے متعلق صحابہؓ نے کہا کہ یہ برا آدمی تھا تو حضور نے فرمایا کہ واجب ہوگئی۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا حضور! کیا چیز واجب ہوگئی؟ فرمایا جس شخص کے متعلق تم نے اچھائی کی گواہی دی۔ اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ اور جس کے لیے برائی کی گواہی دی اس پر دوزخ واجب ہوگئی۔ پھر آپ نے تین دفعہ فرمایا اَنْتُمْ شُهَدَآءُ اللّٰهِ فِى الْاَرْضِ یعنی تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۵۵

(فیاض)

[illegible]

[illegible]

میں بھی موجود ہے۔ حضور علیہ السلام حوض کوثر پر موجود ہوں گے اور لوگوں کو پانی پلا رہے ہوں گے۔ پھر کچھ لوگ آپ کے پاس پہنچنا چاہیں گے مگر اللہ کے فرشتے ان کے راستے میں مزاحم ہوں گے۔ حضور علیہ السلام فرمائیں گے کہ فرشتو! ان کو آنے دو کہ یہ میرے ساتھی معلوم ہوتے ہیں مگر وہ جواب دیں گے اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ آپ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیسا بگاڑ پیدا کیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ ان لوگوں کو مجھ سے دور لے جاؤ جنہوں نے میرے بعد دین میں تغیر پیدا کر دیا۔ مطلب یہ کہ نبی علیہ السلام کو ساری امت کے اعمال کا علم تو نہیں۔ آپ اسی قدر گواہی دیں گے جتنا آپ کو علم ہوا یا اگر اللہ سب کے متعلق مطلع کر دے گا۔ تو سب کے متعلق شہادت دیں گے۔

اعمال امت سے لاعلمی کی تصدیق مسیح علیہ السلام کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آپ سے دریافت کرے گا کہ کیا تو نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنالو، تو آپ بارگاہ رب العزت میں جواب دیں گے کہ مولا کریم! میرے لائق یہ بات ہرگز نہیں کہ میں وہ بات کروں جس کا مجھے حق نہیں پہنچتا۔ میں نے انہیں ہمیشہ توحید کی دعوت دی وَکُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ (مائدہ [illegible]) جب تک میں ان لوگوں کے درمیان رہا، ان کے اعمال کو دیکھتا رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا اور تو ہی ہر چیز کو دیکھنے اور جاننے والا ہے۔

صفائی کی گواہی

قیامت والے دن صفائی کے گواہ بھی پیش ہوں گے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک[1] ایک حدیث لائے ہیں جس کا مضمون یہ ہے کہ قیامت والے دن اللہ کریم انبیاء علیہم السلام سے پوچھیں گے کہ میں نے تمہیں امت دے کر بھیجا تھا، تم نے

لے

[illegible]

معصیت سے پرہیز کریں گے، اعمال صالحہ انجام دیں گے، اخلاق حسنہ کا مظاہرہ کریں گے، تمام حقوق ادا کریں گے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے محنت کریں گے، انہیں ان کی کامیابی پر بشارت دی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مقام میں پہنچیں گے اور انہیں مراتب عالیہ حاصل ہوں گے۔ اس لحاظ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام امت کے لیے بطور مبشر ہیں۔ اس کے برخلاف جو شخص کفر، شرک، نفاق اور بدعات کا راستہ اختیار کرے گا، عملی طور پر ہر قسم کی برائی کا ارتکاب کرے گا، وہ بالآخر خدا تعالیٰ کی گرفت میں آئے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے حضور نبی کریم علیہ السلام ڈر سنانے والے ہیں۔ آپ ان کو برے انجام سے آگاہ کرتے ہیں۔ شاید کہ وہ راہ راست پر آجائیں۔

داعی الی اللہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حیثیت داعی الی اللہ کی بھی ہے آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ اسی لیے یہاں فرمایا ہے وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ آپ لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے والے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کی کتاب اور اس کے احکام پڑھ کر سناتے ہیں اور یاد دلاتے ہیں، کہ نیکی کا انجام بخیر اور برائی کا نتیجہ بہت برا ہوگا۔ دعوت الی اللہ بہت بڑی نیکی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا (حٰمٓ السجدة - ۳۳) اس شخص سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور نیک اعمال انجام دیتا ہے۔ بعض حضور علیہ السلام داعی الی اللہ ہیں مگر بِإِذْنِهِ اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ اللہ نے آپ کو یہ منصب سونپا ہے تو ساتھ آسانی بھی پیدا کر دی ہے۔

سراج منیر

پھر فرمایا وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ہم نے آپ کو روشن چراغ بھی بنا کر بھیجا ہے۔ اس سے مراد ہدایت کا روشن چراغ ہے۔ آپ کا قلب مبارک مرکز ہدایت اور آپ کی ذات سراپا سراج منیر ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ سراج منیر سے مراد سورج ہے جس کی آب و تاب

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نے عربوں کو کس قدر جلد مرتبے پر پہنچایا کہ سارا دنیا کے معلم بن گئے۔ اللہ نے ساری دنیا کی سیاست کو ان پڑھ عربوں کے ہاتھ میں دیدیا۔ اللہ نے تورات میں آپ کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ آپ میرے بندے اور رسول ہیں اور میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ آپ نہ بدگو اور نہ فحش کلام کرنے والے ہیں اور نہ بازاروں میں شور و شر کرنے والے آپ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتے بلکہ درگزر کرتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نہیں اٹھائے گا جب تک کہ ٹیڑھی ملت کو درست نہ کرلے اور لوگ اپنی زبان سے لا الٰہ الا اللہ نہ پڑھنے لگیں جس سے اندھی آنکھیں روشن ہو جائیں اور بہرے کان سننے لگیں اور بند دل کھل جائیں۔ حضور علیہ السلام کے یہ نام اور اوصاف تورات میں بیان کیے گئے ہیں۔

شعیا نبی کو بشارت

مفسر قرآن امام ابن ابی حاتم کی روایت ہے جسے امام ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے۔ ہیں کہ حضرت وہب ابن منبہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شعیا علیہ السلام پر خدا تعالیٰ نے وحی کی کہ اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ میں تمہاری زبان کو وحی کے ساتھ گویا کر دوں گا۔ تو تم لوگوں کو یہ بشارت دو کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے ابعث امیاً من الامیین کہ میں امیوں میں سے ایک امی نبی کو بھیجنے والا ہوں۔ وہ بدخلق ترش مزاج اور سنگدل نہیں ہوگا۔ بازاروں میں شور و شر کرنے والا نہیں ہوگا۔ تسکین والا ہوگا کہ چراغ کے پاس سے گزرے تو اس کو بجھانے نہیں اگر سرکنڈوں کے اوپر پاؤں رکھ کر چلے تو ان کی آواز تک نہ آئے۔ میں اس کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجوں گا۔ وہ کوئی فحش بات نہیں کرے گا۔ میں اس کے ذریعے اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا۔ اور بہرے کانوں کو سنوا دوں گا۔ میں اس کے لیے ہر امر جمیل کو درست کر دوں گا۔ اور اسے خلق جمیل عطا کروں گا۔ میں سکینت اور طمانیت کو اس کا لباس بنا دوں گا اور نیکی اس کا شعار ہوگا۔ اور تقویٰ اس کے ضمیر کی بات ہو

ا۔ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۶۴

(فیاض)

[illegible]

کرے گا۔ میں اس کو عزت دوں گا۔ اور جو اُن کے لیے دعا کرے گا، میں اس کی تائید کروں گا۔ اور گردش ان کے مخالفوں پر ڈال دوں گا، اور انھیں اپنے نبی کا وارث بناؤں گا۔

فرمایا جس طرح وہ نبی داعی الی اللہ ہے اسی طرح اُن کی امت کے لوگ بھی داعی الی اللہ ہوں گے۔ جو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے اور عہد کو پورا کریں گے۔ میں ان کا اختتام بھی اسی بہتری پر کروں گا جس سے ان کی ابتدا کی تھی اور پھر آخر میں فرمایا ذٰلِكَ فَضْلِي یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں عطا کروں میں فضلِ عظیم کا مالک ہوں۔

اہل ایمان کے لیے بشارت

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ نے دیگر اہل ایمان کا ذکر بھی کیا اور فرمایا وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ آپ ایمان داروں کو بشارت سنا دیں بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا کہ اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔ اللہ نے اس امت کو تمام سابقہ امتوں پر فضیلت بخشی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ مبارک ہے کہ ہم سب سے آخر میں آنے والے ہیں مگر سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت ہر جگہ اس امت کو فوقیت عطا فرمائی ہے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، لوگو! اللہ نے تمہیں خیر امم بنایا ہے۔ لہٰذا اس کی شرائط کو بھی پورا کرو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرتے رہو اور دین کے قیام میں وفاداری بھی دکھاؤ۔

مشن پر استقامت

حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کے فضائل بیان کرنے کے بعد فرمایا وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِينَ وَالْمُنٰفِقِينَ آپ کافروں اور منافقین کی بات نہ مانیں وہ تو آپ کو آپ کے مشن سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ طعن و تشنیع اور جھوٹا پراپیگنڈا کرتے ہیں۔ مگر آپ ان کی باتوں پر توجہ نہ دیں وَدَعْ أَذٰهُمْ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ
ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ
فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا
فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

ترجمہ:- اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو مومن عورتوں کے ساتھ، پھر تم ان کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ تم ان کو ہاتھ لگاؤ پس نہیں ہے تمہارے لیے ان پر کوئی عدت جس کو تم ان عورتوں سے شمار کرو۔ پس فائدہ پہنچاؤ ان کو اور رخصت کرو ان کو رخصت کرنا اچھے طریقے سے ﴿۴۹﴾

ربطِ آیات

گزشتہ آیات میں متبنّیٰ کی مطلقہ سے نکاح کا مسئلہ بیان ہوا، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبہ عالیہ اور آپ کے خاتم النبیین ہونے کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد مومنوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول اور فرشتوں کی طرف سے دعائے رحمت کا بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے آخری پیغمبر کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ پھر آخری امت کی فضیلت کا ذکر بھی ہوا۔ حضور علیہ السلام کو تسلی دی گئی کہ آپ مخالفین کی ایذا رسانیوں کی طرف توجہ نہ کریں بلکہ اپنا مشن دلجمعی کے ساتھ جاری رکھیں، نیز اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھیں کہ حقیقی کارساز وہی ہے۔

عدت کے مسائل

گزشتہ درس میں حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے نکاح، پھر ان کے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

لیے ایسی عورتوں پر کوئی عدت نہیں ہے جسے تم پورا کرو۔[1]

مفسرینؒ کرام فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مومنہ عورتوں سے نکاح اور مہر قبل از مساس طلاق کا ذکر کیا ہے جو کہ محض مومنہ کی شرف و فضیلت کے لیے ہے، وگرنہ اگر کوئی شخص کسی کتابیہ عورت سے بھی نکاح اور مہر کرے خلوت سے قبل طلاق دے دے تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر تَمَسُّوْهُنَّ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنی محض مَس کرنا یا ہاتھ لگانا ہوتا ہے، مگر مطلب محض ہاتھ لگانا نہیں بلکہ مباشرت کرنا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدت کو مجامعت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، کیونکہ جب میاں بیوی آپس میں ملتے ہیں تو حمل قرار پانے کا امکان ہوتا ہے۔ اللہ نے تین حیض کی عدت اسی لیے مقرر کی ہے تاکہ اچھی طرح تسلی ہو جائے کہ عورت حاملہ نہیں ہے اور نکاح ثانی کی صورت میں نسل میں جھگڑا نہ ہو۔ اور اگر حمل موجود ہے تو عدت کی مدت وضع حمل بھی اسی نظریہ کے تحت رکھی گئی ہے۔[2] تاہم امام ابو حنیفہؒ خلوت صحیحہ کو بھی مباشرت کے قائم مقام قرار دیتے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی کو نکاح کے بعد ایسی خلوت حاصل ہو جائے کہ مباشرت میں کوئی چیز حائل نہ ہو اور اس کے بعد طلاق واقع ہو جائے تو اس خلوت کو مباشرت کے قائم مقام سمجھا جائے گا اور عورت کے لیے عدت پوری کرنا ضروری ہو جائیگا۔

دورانِ عدت کے احکام

دورانِ عدت بھی عورت کے لیے بعض احکام لاگو ہوتے ہیں، مثلاً اللہ کا فرمان ہے کہ عورت طلاق کے بعد گھر خاوند کے ساتھ جس مکان میں رہتی تھی، وہ اسی مکان میں عدت گزارے اور خاوند یا اس کے لواحقین کو حکم دیا ہے کہ وہ مطلقہ بیوہ کو زبردستی اس مکان سے نہ نکالیں۔ ہاں اگر کوئی ایسی غیر معمولی صورتِ حال پیدا ہو جائے کہ اس گھر میں عدت پوری کرنا ممکن نہ ہو تو پھر وہ دوسری جگہ بھی جا سکتی ہے۔ البتہ

---

[1] ترجمہ شرح ریاض ۲۰۷/۵۸ [2] کشاف ص ۲۹/۳ (ایضاً)

اچھے طریقے سے رخصتی

گیا ہے کہ جس عورت کو مقاربت سے پہلے طلاق مل جائے اس کو کچھ عدت میں فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا پھر انہیں اچھے طریقے سے رخصت کرو۔ مطلقہ کو اچھے طریقے سے رخصت کرنا ایک ایسی خصوصیت ہے جو اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہ حسن معاشرت کا اسلامی اصول ہے کہ اگر زوجہ میاں بیوی کا نباہ نہیں ہو سکتا تو پھر مجبوراً ایک دوسرے کے ساتھ چمٹے رہ کر زندگی کو اجیرن بنا لینا، اچھی بات نہیں بلکہ طلاق کے ذریعے علیحدگی اختیار کر لو۔ اور اس موقع پر بھی کسی گالی گلوچ یا تشدد کی ضرورت نہیں بلکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ طلاق جیسے ناپسندیدہ فعل کے باوجود مطلقہ کو عزت و احترام کے ساتھ احسن طریقے سے رخصت کرو۔ اگر مہر مقرر ہے تو قابل ادائیگی ہے تو ادا کرو۔ ایک جوڑا کپڑے دو۔ دوران عدت عورت کو گھر سے نہ نکالو اور ہر طرح صرف ہم پہنچاؤ۔ اسلام نے تو اپنے مخالف کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تعلیم دی ہے اور کسی زیادتی کی اجازت نہیں دی۔ طلاق کا معاملہ بھی دیکھ لیں، جب میاں بیوی کے اختلافات بڑھ جاتے ہیں تو بعض لوگ غصے میں آکر ناک کاٹ ڈالتے ہیں مگر اسلام نے ایسی چیزوں کی اجازت نہیں دی بلکہ فرمایا کہ تمام فرائض اور حقوق ادا کرو۔ بیوہ کو ذمہ داری کا ثبوت دو اور قرآن و سنت کے بتائے ہوئے ضابطے پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اسلام کی بہترین تعلیم ہی اس کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے باوجود اگر لوگ بھٹکتے پھریں اور معاشرتی قوانین کے لیے اغیار کی طرف دیکھتے پھریں، تو یہ ان کی بدبختی کی علامت ہے۔

انسانی ہمدردی کا اصول

آج کل دنیا میں انسانی ہمدردی کی بڑی تشہیر ہو رہی ہے۔ دنیا کی ترقی یافتہ قوموں نے انسانی ہمدردی کے بڑے بڑے اصول وضع کیے ہیں۔ اقوام متحدہ (U.N.O.) کا چارٹر بھی موجود ہے۔ انسانی ہمدردی کے عالمی ادارے دنیا بھر میں مستحقین کو امداد فراہم کرتے ہیں۔ کہیں قحط پڑ جائے، زلزلہ آ جائے، جنگ چھڑ جائے یا طوفان آ جائے تو یہ ادارے حتی المقدور متاثرین کی امداد کرتے ہیں مگر کوئی بھی ادارہ خود غرضی سے خالی نہیں یہ ادارے اس امداد کے ذریعے مذہبی یا سیاسی مفاد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بعض عیسائی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اسلام ایک سچا مذہب ہے جس کے اصول واضح اور قابلِ عمل ہیں۔ اسلام نے نکاح کو مرد وزن کی سرپرستی کی تکمیل اور بقائے نسلِ انسانی کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور اس عقدِ نکاح کو قائم رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ اس کے باوجود اگر حالات کا تقاضا ہو تو پھر اس سے گلو خلاصی کی گنجائش بھی رکھی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے، اگر میاں بیوی کا آپس میں نباہ نہ ہو سکے تو وہ طلاق یا خلع کے ذریعے علیٰحدگی اختیار کر سکتے ہیں مگر طلاق کو غیر پسندیدہ فعل قرار دیا گیا ہے تاکہ حتی الامکان طلاق تک نوبت نہ پہنچے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے[1] ابغض الحلال الی اللہ الطلاق یعنی اللہ کے نزدیک مباح چیزوں میں مبغوض ترین چیز طلاق ہے۔ تاہم اگر زوجین کی زندگی میں مزید خرابیاں پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو طلاق کی اجازت ہے۔

---

[1] جامع صغیر ۱۳۲/۳ و مستدرک ۱۹۶/۲

(بقیہ حاشیہ)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ
اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ
اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ
وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ
مَعَكَ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا
لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً
لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ قَدْ عَلِمْنَا مَا
فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

[illegible]

لیے خاص ہے ، دیگر مومنوں کے علاوہ ۔ تحقیق ہم جانتے ہیں جو ہم نے مقرر کیا ہے ۔ ایمان والوں پر ان کی بیویوں کے بارے میں اور ان کی لونڈیوں کے بارے میں تاکہ تم پر کوئی حرج نہ ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے (۵)

ربط آیات

گزشتہ آیت میں مطلقہ عورت کی عدت کا مسئلہ بیان ہوا تھا کہ اگر کسی عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی جائے تو اس کے لیے کوئی عدت نہیں ، وہ جس وقت چاہے نکاح ثانی کر سکتی ہے ۔ پھر اللہ نے عدم مباشرت کے ضمن میں فرمایا کہ طلاق شدہ عورت کو کپڑوں کا ایک جوڑا دے کر اچھے طریقے سے رخصت کرو ۔ اور اگر مہر مقرر ہے تو اس میں اوا نہیں کیا تو وہ بھی ادا کرو ۔ اگر مہر مقرر نہیں ہوا تو کپڑوں کا جوڑا دینا واجب ہوگا ، بصورت دیگر مستحب ہوگا ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نکاح کے سلسلہ میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سات خصوصیات کا ذکر کیا ہے ۔ جن میں سے چار خصوصیات اس آیت کریمہ میں آگئی ہیں ۔ اور باقی تین آئندہ درس میں بیان ہوں گی ۔

تعدد ازدواج کی اجازت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی خصوصیت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اے نبی علیہ السلام اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ ہم نے آپ کے لیے وہ بیویاں حلال کر دی ہیں جن کے مہر آپ ادا کر چکے ہیں ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ازواج جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے کہ آپ نے جتنی بھی عورتوں کے مہر ادا کر دیے ہیں وہ سب آپ کے لیے حلال ہیں چاہے ان کی تعداد کتنی بھی ہے ۔ یہ آپ کی خصوصیت ہے ، ورنہ عام مسلمانوں کے لیے بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں ۔ جیسا کہ سورۃ النساء میں اللہ کا فرمان موجود ہے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (آیت ۳۰) پس اپنی طاقت کے مطابق دو ، تین یا چار عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو ، بشرطیکہ ان کے حقوق ادا کر سکو اور ان کے درمیان انصاف کر سکو ۔ اور اگر عدل نہ کر سکو تو پھر ایک ہی عورت

[illegible]

[illegible]

[illegible]

رہ کر وہ احکام دین سیکھیں اور پھر اُن کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کریں چنانچہ آپ کی تمام ازواج حضرت عائشہ فاضلہ اور نہایت پاکباز تھیں، لہٰذا انھوں نے تبلیغ دین کے لیے بڑا کام کیا۔ اس کام میں اُن کا حصہ بعض اوقات مردوں سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

کثرت ازواج کا دوسرا بڑا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت کو حتی الامکان دُور کیا جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بہت حد تک کامیابی بھی ہوئی۔ ابوسفیانؓ اگرچہ قریش خاندان سے تھے مگر حضور علیہ السلام اور دین کے سخت دشمن تھے، مگر جب اُن کی بیٹی ام حبیبہؓ کا نکاح حضور کے ساتھ ہو گیا تو ابوسفیانؓ کی دشمنی بہت حد تک کم ہو گئی تھی۔ یاد رہے آپ پہلے ہی اسلام لا چکی تھیں اور مہاجرین حبشہ میں بھی شامل تھیں۔ وہیں آپ کا نکاح حضور علیہ السلام کے ساتھ غائبانہ طور پر ہوا تھا۔ حضرت صفیہؓ بطور لونڈی آپ کے پاس آئی تھیں مگر آپ نے انھیں آزاد کر کے اُن سے نکاح کر لیا۔ اس طرح یہودیوں کی نفرت بھی کم ہو گئی۔ اسی نکاح کی وجہ سے یہودیوں کو حضور علیہ السلام کے قریب آنے کا موقع ملا۔ اور اُن میں سے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے۔ عربوں میں یہ عام دستور تھا کہ جس خاندان میں کسی شخص کا نکاح ہو جاتا وہ سارا خاندان اس شخص کو اپنا داماد سمجھتا۔ اور حتی الامکان اُس سے حسن سلوک سے پیش آتا۔ یہ بھی ایک وجہ تھی کہ کثرت ازواج کی وجہ سے آپ کی دشمنی بہت کم ہو گئی۔ اسی طرح باقی نکاحوں کی وجہ سے بھی اسلام کو بہت فائدہ پہنچا۔

لونڈیوں کی حلت

حضور علیہ السلام کی پہلی خصوصیت تو اللہ نے یہ بیان فرمائی کہ آپ کو کثرت ازواج کی اجازت فرما دی۔ اور آپ کی دوسری خصوصیت یہ ہے وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ اور وہ لونڈیاں بھی آپ پر ہم نے حلال قرار دی ہیں جو اللہ نے آپ پر لوٹائی ہیں۔ مثلاً حضرت صفیہؓ کا تعلق یہودی خاندان سے تھا اور وہ آپ کے ہاں بحیثیت لونڈی آئی تھیں۔ یہودیوں کی ایک اور عورت ریحانہ بھی بطور لونڈی آپ کی تحویل میں آئی تھی۔ اسی

[illegible]

مہلہ کی جاتی ہے ۔ لہٰذا مہاجر عورتوں میں فخر و خودپسندی کا احتمال بہت کم تھا ۔ ہجرت کے ساتھ مشروط کرنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جس عورت نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہوگی، اس کو دین کی تعلیم و تربیت کا بھی زیادہ موقع ملا ہوگا ۔ اور ازواج مطہرات سے نکاح کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اسلام کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو لہٰذا اللہ نے ہجرت کی یہ شرط عائد کردی ۔

بغیر مہر کے نکاح کی اجازت

اللہ نے حضور علیہ السلام کی چوتھی خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے ۔ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا اور ہم نے وہ مومنہ عورت بھی آپ کے لیے حلال کردی ہے جو اپنے نفس کو نبی کے لیے بخش دے، اگر اللہ کا نبی اس سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت از خود بغیر مہر کے نبی علیہ السلام سے نکاح پر رضامند ہے تو اس کی بھی اجازت ہے مگر یہ حضور علیہ السلام کو بغیر مہر کے بھی نکاح کی اجازت دیدی گئی ۔ جب کہ عام مومنوں کے لیے مہر کی ادائیگی ضروری ہے ۔ جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ (آیت ۲۴) اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے چار عورات کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ان کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں بشرطیکہ تم مال خرچ کرو یعنی انہیں حق مہر ادا کرو ۔ یہ ادائیگی اس قدر ضروری ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے نکاح کے بعد مباشرت نہیں کی فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (البقرہ ۔ ۲۳۷) تو پھر بھی اسے نصف مہر ادا کرنا ہوگا ۔ تاہم اللہ نے نبی علیہ السلام کو مہر کی ادائیگی کے بغیر بھی نکاح کی اجازت دیدی ۔ جب کوئی عورت از خود ایسا کرنے پر رضامند ہو ۔ حضور علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے یہ اجازت تو مل گئی، مگر آپ کی حیات مبارکہ میں ایسا کوئی موقع نہیں آیا کہ آپ نے اس سہولت سے فائدہ اٹھایا ہو ۔ ایک خاتون نے اپنے آپ کو حضور کی خدمت میں پیش کیا تھا مگر آپ نے یہ پیشکش قبول نہیں فرمائی تھی بلکہ اس عورت کا نکاح اپنے ایک صحابی سے کرا دیا تھا ۔ یہ بھی حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے ۔ اللہ نے

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ
تَشَآءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ
وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ
كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾ لَا يَحِلُّ
لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ
بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ
اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي
كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ ع ۲

ترجمہ:- آپ پیچھے ہٹا دیں اپنی بیویوں میں سے جس
کو چاہیں اور جگہ دیں اپنے پاس جس کو چاہیں۔ اور جس
کو آپ تلاش کریں ان میں سے جن کو آپ نے الگ
کر دیا ہے، تو آپ پر کوئی حرج نہیں ہے یہ
بات زیادہ قریب ہے کہ ٹھنڈی ہوں ان کی آنکھیں
اور وہ غم نہ کھائیں، اور وہ راضی ہوں اس چیز پر جو
آپ ان کو دیں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تمہارے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

لیے دین اسلام کی تعلیم کو عام کیا جائے۔ نبی کی بیویاں نبی کی صحبت میں رہ کر زیادہ سے زیادہ دینی علم حاصل کریں گی۔ اور پھر اسے آگے پہنچائیں گی۔ اور یہ فریضہ وہی عورت انجام دے سکتی ہے جو خود ایماندار ہو ... اگر عورت یہودیہ یا نصرانیہ ہوگی تو وہ نہ تو اسلام کی تعلیم حاصل کرے گی۔ اور نہ اسے آگے پہنچائے گی، لہٰذا اللہ نے یہ شرط عائد کردی کہ اگر کوئی عورت خود کو نبی کے لیے ہبہ کرتے اور نبی اس سے بغیر مہر کے نکاح کرنا چاہے تو اس عورت کا مومنہ ہونا ضروری ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی دینی مدرسہ میں کوئی کافر استاد مقرر کر دیا جائے۔ ایسا استاد مسلمانوں کو کیا تعلیم دے گا؟ پیغمبر کے گھر کو ایک دینی مدرسہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، لہٰذا اس گھر میں آنے والی ہر مومنہ خاتون ہی دین کی کما حقہ خدمت انجام دے سکتی ہے۔ البتہ مہر کے ساتھ کتابیہ سے نکاح کرنے کی اجازت اہل ایمان کے لیے عام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدۃ۔ ۵) اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی پاکدامن عورتوں کے ساتھ بھی تم نکاح کر سکتے ہو۔ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ جب کہ تم ان کے مہر ان کو ادا کر دو۔

عدم مساوات کی اجازت

آگے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی چوتھی خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ آپ اپنی بیویوں میں سے جسے چاہیں پیچھے ہٹا دیں وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ اور جس کو چاہیں اپنے قریب کریں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے بیویوں کے درمیان رہائش رکھنے میں مساوات قائم رکھنا ضروری نہیں ہے۔ اس کے برخلاف عام مسلمانوں کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی متعدد بیویاں ہیں تو ان کے درمیان مساوات کا قیام ضروری ہے یعنی ایک شخص جتنے روز کے لیے خورد و نوش اور شب باشی ایک بیوی کے ہاں اختیار کرے گا، اتنے ہی روز دوسری بیوی کے لیے اختیار کرے گا، مگر پیغمبر علیہ السلام کو اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ گویا آپ اپنی بیویوں کے پاس کم و بیش وقت گزار سکتے ہیں۔ اس استثنیٰ میں یہ مصلحت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام پر مساوات کے پہلے

[illegible]

کا اختیار کرنا خوشی کی بات نہیں تھی۔ اصل بات یہی تھی کہ جب امہات المومنین کو معلوم ہو گیا کہ نبی علیہ السلام پر مساوات کا قیام ضروری نہیں ہے، اس کے باوجود آپ اپنی طرف سے حتی الامکان مساوات کا سلوک فرماتے تھے، تو یہ بات ان کیلئے باعث مسرت تھی۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز پر اپنا حق سمجھے اور پھر وہ اُسے نہ ملے تو وہ ناراض ہو گا، مگر نبی کی بیویوں کا مساوات کا حق تو اللہ نے نہیں دیا اس کے باوجود حضور علیہ السلام کی طرف سے مہربانی کا سلوک امہات المومنین کے خوشی کا سبب تھا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ مساوات کے قانون سے آپ کا استثناء آپ کی بیویوں کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک اور غم سے نجات کا باعث ہو گا۔ ——————— اور پھر آپ اپنی مرضی سے ان کے ساتھ جو بھی سلوک کریں گے، وہ اس پر راضی ہوں گی۔ فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِىْ قُلُوْبِكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی بات کو جانتا ہے وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا اور وہ سب کچھ جاننے والا اور بردبار ہے وہ فوراً گرفت نہیں کرتا۔ اگر کوئی گرفت ہو جائے تو وہ اپنے وقت پر پکڑتا ہے یہ اس کی بردباری کی علامت ہے۔

مزید نکاح کی ممانعت

حضور علیہ السلام کی ساتویں خصوصیت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ اس کے بعد آپ کے لیے کوئی عورت حلال نہیں ہے وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ اور نہ ہی آپ ان کے بدلے میں دوسری بیویاں تبدیل کر سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ مزید بیویاں نہیں کر سکتے وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اگرچہ ان کا حسن کچھ زیادہ اچھا لگے۔ یہ پابندی بھی صرف حضور علیہ السلام کے لیے ہی تھی کہ آپ پہلی بیویوں میں سے کسی کو چھوڑ کر یا موجودہ بیویوں کی موجودگی میں مزید نکاح کر لیں۔

مفسرین کرام اس کی تفسیر دو طرح فرماتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس حکم کا

له خازن ص ۵ ج ۵ و تفسیر الثعالبی ص ۲۲۳ ج ۳ (فیاض)

[illegible]

ہوتا ہے کہ قبل از نکاح مرد اور عورت ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ شکل و صورت، قد و قامت اور حسن وغیرہ کا ادراک تو دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے اسی لیے تو اللہ نے فرمایا کہ آپ کو مزید نکاح کی اجازت نہیں ہے۔ اگرچہ آپ کو کسی عورت کا حسن بھلا معلوم ہو۔ اس بات کی تصریح حدیث میں بھی موجود ہے کہ جس عورت کو پیغام نکاح دینا مقصود ہو، آدمی اُسے دیکھ سکتا ہے اور پسند ناپسند کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ البتہ تنہائی میں بیٹھ کر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ اس سے کئی قسم کی قباحتیں پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ آج کل نام نہاد مہذب ممالک میں لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کو پسند کرنے کے لیے قبل از نکاح کئی کئی ماہ تک اکٹھے رہ کر COURT SHIP (کورٹ شپ) کرتے ہیں، اور اس کے بعد نکاح کر نے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں یہ سراسر بےحیائی کی بات ہے، تاہم لڑکے اور لڑکی کو ایک دوسرے کو دیکھنے اور بات چیت کرنے کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ الغرض، اللہ نے فرمایا کہ آپ کو مزید نکاح کی اجازت تو نہیں ہے ﴿اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ﴾ البتہ آپ کی ملک کی لونڈیاں گھر میں رکھنے کی اجازت ہے۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ احکام الٰہی کی پابندی یا ان کی خلاف ورزی کرنے والے سب لوگ اُس کی نگاہ میں ہیں، اور وہ ہر ایک کے ساتھ اُس کے عقیدہ اور عمل کے مطابق ہی سلوک کرے گا۔

لونڈی غلام کا رواج — اکثر لوگ اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام میں لونڈی غلام رکھنے کی اجازت ہے، جو کہ شرفِ انسانیت کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام بھی غلامی کو غیر فطری چیز تصور کرتا ہے اور اس کے حق میں نہیں ہے ظہورِ اسلام کے زمانے میں غلامی کا رواج پوری دنیا میں پھیلا ہوا تھا اور روزمرہ کا زیادہ تر انحصار انہی پر تھا۔ اگرچہ اسلام نے اس رواج کو یکسر ختم نہیں کیا، مگر اس کو پسند بھی نہیں کیا، بلکہ اس کو ختم کرنے کے لیے کئی اقدام کیے۔ چنانچہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ
النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ
غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ
فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ
ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۖ
وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا
سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ
حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ

ترجمہ :۔ اے ایمان والو! مت داخل ہو نبی کے گھروں
میں مگر یہ کہ تم کو اجازت دی جائے کھانے کی اس
حال میں کہ اس کے پکنے کا انتظار کرنے والے نہ ہو
لیکن جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ۔ اور جب
تم کھا چکو تو پھر چلے جاؤ۔ اور نہ آپس میں بات چیت
کے لیے جی لگا کر بیٹھنے والے ہو۔ بیشک یہ چیز
تکلیف دیتی ہے اللہ کے نبی کو۔ پس وہ حیا کرتا
ہے تم سے۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں حیا کرتا حق بات
کو ظاہر کرنے سے۔ اور جب تم پیغمبر کی بیویوں سے
کوئی سامان طلب کرو، پس مانگو ان سے پردے کے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وقت ڈالو۔

ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی دعوت کی۔ آپ کے ساتھ چار آدمی اور بھی تھے۔ جب میزبان کے گھر کی طرف چلے تو ایک مزید آدمی ساتھ مل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعلقہ مکان پر پہنچ کر صاحب خانہ کو مطلع کیا کہ ہمارے ساتھ ایک بن بلایا مہمان بھی ہے۔ اگر ایک زائد آدمی کے لیے کھانے کی گنجائش ہے اور تمہاری اجازت ہو تو وہ آدمی بھی آجائے ورنہ ہم اسے واپس لوٹا دیتے ہیں۔ بہرحال اس شخص نے اجازت دیدی اور اس طرح مسئلہ واضح ہوگیا۔ باقی رہی یہ بات کہ مہمان قبل از وقت پہنچ کر کھانا پکنے کا انتظار کرتا ہے، تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ایسا کرنا اس وقت معیوب ہوگا جب صاحب خانہ حرج محسوس کرے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں چونکہ کھانا کھانے کا انتظام عام طور پر گھر کے اندر ہوتا تھا۔ جہاں عورتیں بھی ہوتی تھیں، علیحدہ بیٹھک تو نہیں ہوتی تھی، اس لیے بسا اوقات میزبان کو مہمانوں کے قبل از وقت آجانے سے دقت پیش آتی تھی، اس لیے فرمایا کہ کھانا تیار ہونے سے پہلے ہی نہ آجاؤ مبادا کہ صاحب خانہ دقت محسوس کرے۔

شانِ نزول

ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام کا نکاح حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ ہوا تو آپ نے دعوتِ ولیمہ کا خاص طور پر اہتمام کیا تھا تاکہ لوگوں کو اچھی طرح علم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ کے ساتھ نکاح بالکل درست ہے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے ایک بکری ذبح کی اور روٹی پکائی، تمام شرکاء نے جن کی تعداد تین سو کے قریب تھی گوشت روٹی کھائی۔ اس موقع پر ام سلیم نے کچھ حلوہ بنا کر بھیجا، چنانچہ کھانے کے بعد حلوہ بھی کھایا گیا۔ اس موقع پر آپ نے باقی لوگوں کو بھی بلا لیا۔ انتہیٰ

ا

۲ ابن کثیر ص ۵۰۳ ج ۳ و روح المعانی ص ۷۲ ج ۲۲ و تفسیر مظہری ص ۳۷۲ ج ۷
(فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

واپس لوٹ جاؤ۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی کے گھر جاؤ تو دروازے پر کھڑے ہو کر تین دفعہ سلام کہو اگر اجازت مل جائے تو داخل ہو جاؤ اور اگر گھر سے کوئی جواب نہ آئے تو واپس لوٹ جاؤ۔ یہ تو عام لوگوں کے لیے احکام ہیں جب کہ پیغمبر علیہ السلام کے گھر سے متعلق تو حکم زیادہ مؤکد ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اطلاع چلے جاتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر تشریف فرما تھے کہ عربوں کے ایک قبیلے کا سردار آیا، اور سیدھا حضور کے پاس اندر چلا آیا۔ پھر پوچھا تمہارے گھر میں یہ خاتون کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی، میری بیوی اور مومنوں کی ماں ہے۔ وہ کم فہم تھا کہنے لگا۔ اَلَا نَتَبَادَلُ کیا ہم آپس میں تبادلہ نہ کر لیں یعنی میری بیوی تم لے لو، اور یہ مجھے دے دو۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے اس شخص کو امر کر فرمایا کہ تم ہمارے گھر میں بلا اجازت کیوں داخل ہوئے تو وہ شخص کہنے لگا کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے کسی مضر کے گھر میں اجازت لے کر نہیں گیا۔ ام المومنینؓ نے اس شخص کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے فرمایا یہ احمق ہے۔ مگر اپنی قوم کا سردار ہے۔ غرضیکہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہو جاتے تھے مگر اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔

کھانا کھانے کے بعد

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ اس آیت کی مصداق حضرت زینبؓ کے نکاح کے موقع پر دعوت ولیمہ تھی۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو لوگوں کو پیش کیا گیا۔ وہیں گھر میں انتظام تھا۔ ام المومنین بھی اسی کمرے میں دیوار کی طرف رخ کر کے بیٹھی تھیں۔ جب لوگ کھانا کھا چکے تو ان میں سے بعض وہیں بیٹھے بیٹھے باتیں کرنے

لے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نہیں اُس کا ایمان نہیں۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سب سے زیادہ حیادار تھے
صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہم تکلیف دہ چیز کی ناگواری حضور علیہ السلام کے چہرہ مبارک
سے معلوم کر لیتے تھے۔ ورنہ آپ اپنی زبان سے کسی تکلیف کا اظہار نہیں
فرماتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام
ایک دوشیزہ پردہ نشین لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ دوسری روایت میں
آتا ہے کہ ایک شخص زرد لباس پہنے ہوئے آیا۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد جب
وہ اٹھا تو حضور علیہ السلام نے دوسرے لوگوں سے فرمایا کہ اس شخص کو کہو کہ یہ
لباس مناسب نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ حضور علیہ السلام نے خود اپنی زبان سے اسے
یہ کہنا بھی پسند نہ کیا۔

فرمایا وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ بے شک اللہ تعالیٰ حق بات
کو ظاہر کرنے سے نہیں شرماتا۔ قرآن پاک میں سورۃ البقرۃ میں بھی ہے۔
إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً
فَمَا فَوْقَهَا (آیت - ۲۶) اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا اس بات سے کہ
وہ مچھر یا اس سے بڑی چیز کی مثال بیان کرے۔ بہرحال اس آیت میں نبی علیہ السلام
کے گھر میں جانے کے آداب بیان کیے گئے ہیں اور ان کا اطلاق عام مؤمنوں
پر بھی ہوتا ہے۔

پردے کی پابندی

آگے اللہ نے ازواج مطہرات کے متعلق یہ ادب بھی سکھایا وَإِذَا
سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ جب
تم نبی کی بیویوں سے کوئی سامان وغیرہ طلب کرنا چاہو تو پردے کے پیچھے سے
مانگو، سامنے نہ آؤ کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ اگر کسی اجنبی عورت سے
کوئی کام ہو تو بوقت اشد ضرورت آمنا سامنا ہو سکتا ہے۔ انسان بات بھی کر سکتا

[illegible]

دلوں کے لیے بھی اور امہات المؤمنین کے لیے بھی زیادہ پاکیزگی والی بات ہے
لہٰذا جب بات کرنا ہو، کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے
بات کرو۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا
أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ
ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿٥٣﴾ إِنْ
تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٥٤﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ
فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ
وَلَا أَبْنَاءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا
نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ وَاتَّقِينَ
اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٥٥﴾

[illegible]

اور نہ بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے، اور نہ بہنوں کے بیٹوں کے سامنے، اور نہ اپنی مسلمان عورتوں کے سامنے اور نہ اُن کے سامنے کہ مالک ہیں اُن کے داہنے ہاتھ (یعنی لونڈی غلام) اور ڈرتی رہو اللہ تعالیٰ سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے (یعنی ہر چیز اُس کے سامنے ہے) (۵۵)

ربط آیات

گذشتہ درس میں، اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے گھر کے آداب بتلائے۔ کہ آپ کے گھر میں بلا اجازت نہ جاؤ۔ اگر تمہیں کھانے کی دعوت دی جائے تو مقررہ وقت پر جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو بات چیت کے لئے بیٹھے نہ رہو، بلکہ اٹھ کر چلے جاؤ۔ اگرچہ نبی کریم علیہ السلام بوجہ اخلاق کریمانہ کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں مگر انہیں [illegible] رک جانے سے تکلیف پہنچتی ہے۔ پھر پردے کی ازواج مطہرات کے متعلق فرمایا کہ جب تمہیں ان سے کوئی چیز طلب کرنی ہو تو سامنے نہ آؤ، بلکہ پردے کا خیال رکھتے ہوئے پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔ تمہارے اور ان کے دلوں کی طہارت کے لیے یہی طریقہ بہتر ہے تاکہ دلوں میں کسی قسم کے وسوسے نہ پیدا ہونے پائیں۔ عام عورتوں کے برخلاف نبی کی بیویوں سے متعلق زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

امہات المومنین سے نکاح کی ممانعت

اب آج کی آیات بھی حضور نبی کریم علیہ السلام اور آپ کی ازواج مطہرات کے آداب سے متعلق ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ یہ بات تمہارے لائق نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسول کو کسی طرح بھی تکلیف پہنچاؤ۔ بلکہ تمہیں تو ہر وقت نبی کا ادب و احترام قائم رکھنا چاہیئے۔ اپنے قول و فعل سے کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیئے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تکلیف کا باعث ہو وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا اور نہ یہ کہ تم نکاح کرو۔ اس کی بیویوں سے

[illegible]

تقاضوں کی بات کرے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ آپ کی نظروں میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ نبی کی رفاقت میں امہات المومنین کے دلوں کو جو سکون اور اطمینان حاصل تھا، جو دنیا بھر میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

پیچھے آیت ۶ میں یہ بھی گزر چکا ہے وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ کہ نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔ لہٰذا جس طرح حقیقی، سوتیلی اور رضاعی ماں کے ساتھ نکاح حرام ہے، اسی طرح امہات المومنین کے ساتھ بھی نکاح حرام ہے۔ البتہ ان کی اولاد سے امتی کا نکاح ہو سکتا ہے کہ حرمت نکاح صرف ازواج مطہرات تک محدود ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نکاح کے ضمن میں حقیقی ماں، سوتیلی ماں، رضاعی ماں اور ام المومنین کا ایک ہی حکم ہے، تاہم بعض مسائل مختلف بھی ہیں۔ مثلاً حقیقی یا رضاعی ماں سے پردہ نہیں ہے، مگر ام المومنین سے پردہ کرنا پڑتا ہے۔ حقیقی ماں کا خرچہ اولاد کے ذمے ہوتا ہے مگر ام المومنین کے خرچ کی ذمہ داری عام مومن پر عائد نہیں ہوتی بلکہ ان کی کفیل بیت المال ہوتا ہے۔

امہات المومنین کے ساتھ امتی کے نکاح کی ممانعت کی ایک وجہ مفسرین یہ بھی بیان کرتے ہیں۔ پیچھے گزر چکا ہے کہ جب ازواج مطہرات نے نبی علیہ السلام سے خرچ بڑھانے کا مطالبہ کیا تو اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان کو کہہ دیں کہ اگر تم دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں اچھے طریقے سے علیحدہ کر دوں اور اگر اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور آخرت کے گھر کی طلبگار ہو تو پھر تنگی پر قناعت کرو۔ ازواج مطہرات نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا اور اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئیں۔ چنانچہ اللہ نے ان کی اس قربانی کے پیش نظر اپنے نبی کو یہ حکم بھی دیا کہ آپ مزید نکاح نہیں کر سکتے اور نہ ان کے بدلے میں کوئی دوسری عورت نکاح میں لا سکتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے نبی علیہ السلام کی رفاقت کو پسند کیا، اس لیے اللہ نے کسی امتی کو ان کے ساتھ نکاح کی ہمیشہ کے لیے ممانعت فرما دی۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر معارف القرآن میں یہ

ہے تو اس کا تعلق قبر کے ساتھ بھی ہے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔[1]
مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰى نَائِيًا
اُبْلِغْتُهٗ یعنی جو شخص میری قبر پر آ کر درود پڑھے گا تو اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے گا تو وہ مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔ حیات النبی کے مخالف علماء اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں حالانکہ یہ حدیث مختلف سندوں سے آئی جن میں بعض ضعیف بھی ہیں یعنی ان میں مروان سدی صغیر ضعیف راوی ہے مگر امام ابن قیمؒ نے ابو الشیخ کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اس کی سند میں کوئی راوی ضعیف نہیں ہے۔ یہ حدیث امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں بھی نقل کی ہے۔ امام بیہقیؒ نے حیات الانبیاء کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے۔ معراج کے واقعہ والی روایت بھی حیات النبی کی تصدیق کرتی ہے۔
جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا[2] رَاَیْتُ مُوْسٰی یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِہٖ قَآئِمًا میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ کھڑے ہونا جسم کی صفت ہے نہ کہ روح کی گویا آپ نے موسیٰ کو روح اور جسم کے ساتھ زندہ مشاہدہ کیا۔ آپ یہ بھی پڑھتے ہیں کہ قبر کو محض ایک گڑھا نہ سمجھو بلکہ مومن کی قبر حد نگاہ وسیع ہو جاتی ہے۔
حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے[3] کہ میرے منبر اور حجرے کے درمیان والا قطعہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ ظاہر ہے کہ قبر کسی کے لیے جنت کا باغ بن جاتی ہے۔ اور کسی کے لیے جہنم کا گڑھا۔ اس لیے بعض علماء نے ازواج مطہرات سے نکاح کی ممانعت کی یہ وجہ بھی بیان کی ہے کہ آپ حیات ہیں۔ یہ مسئلہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نہیں بلکہ آپ سے پہلے بزرگوں نے بھی ایسا ہی کہا ہے[4]

---

[1] مشکوۃ ص ۸۷ و تفسیر ابن کثیر ص ۵۱۵ ج ۳ [2] مسلم ص ۲۶۸ ج ۲ و نسائی ص ۲۴۲ ج ۱ و مسند احمد ص ۱۴۸ ج ۳
[3] بخاری ص ۱۵۹ ج ۱ و مسلم ص ۴۴۹ ج ۱ [4] حقانی ص ۸ ج ۲ (فیاض)

نقل کرتے ہیں۔ حضرت طلحہؓ کے متعلق خاص طور پر آتا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا تھا کیونکہ وہ آپ کی چچازاد بہن تھیں۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت طلحہؓ نے بڑا استغفار کیا، ایک غلام آزاد کیا اور ایک حج پیدل چل کر کیا کہ اللہ تعالیٰ اُن کی زبان سے نکلی ہوئی یہ غلط بات معاف کر دے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تمہارے ظاہر اور باطن سب باتوں کو جانتا ہے نبی کی ازواج امت کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہیں۔ لہٰذا ایسی بات دل میں ہرگز نہ لاؤ۔

محرم سے پردے کی عدم ضرورت

پہلی آیت کے ابتدائی حصے میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے کہ اجنبیوں کے لیے ضروری ہے کہ امہات المومنین سے پردہ کا اہتمام کریں اور اگر ان سے کوئی چیز طلب کرنی ہو تو پردے کے پیچھے سے طلب کریں۔ البتہ سورۃ نور میں محرموں سے عدم حجاب کے احکام گزر چکے ہیں کوئی عورت اپنے محرم کے ساتھ خلوت میں بیٹھ سکتی ہے اور اس کے ساتھ سفر بھی کر سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے یہی قانون امہات المومنین کے لیے نافذ العمل رکھا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءِ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ نبی کی بیویوں کو اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں بھتیجوں، بھانجوں، اپنی عورتوں اور غلاموں کے سامنے آنے میں کوئی حرج نہیں ہے عورتیں اور غلام تو پہلے ہی پردے سے مستثنیٰ ہیں۔ باقی تمام رشتہ دار عورت کے محرم بنتے ہیں جن سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے، اس لیے ضروری ان سے پردہ ضروری نہیں ہے۔ مومن غلام کو تو سورۃ نور میں بھی پردے سے مستثنیٰ قرار دیا جا چکا ہے۔ البتہ باقی غیر محرموں سے پردہ نہایت ضروری ہے فرمایا وَاتَّقِينَ اللَّهَ نبی کی بیویو! اللہ سے ڈرتی رہو۔ اس کا خوف ہمیشہ تمہارے پیش نظر رہنا چاہیے کہ کہیں کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے ر ت

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اے ایمان والو تم بھی رحمت بھیجو اُس پر اور سلام بھیجو پوری اطاعت کے ساتھ ﴿۵۶﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے گھر میں داخل ہونے کے آداب اور آپ کی ازواج مطہرات کے بارے میں بعض احکام بیان فرمائے تھے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ امہات المومنین کے ساتھ کسی امتی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ امتیوں کو خبردار کیا گیا کہ اللہ کے نبی کو کسی طریقے سے بھی اذیت نہ پہنچائیں۔ اللہ نے نبی کی ازواج کو پردے کا حکم بھی دیا اور ساتھ ساتھ محرموں کو اس حکم سے مستثنیٰ بھی قرار دے دیا۔ تاہم ازواج مطہرات کو ہر حالت میں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا۔

نبی پر درود وسلام

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام بھیجنے کی تعلیم فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی علیہ السلام پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اے ایمان والو! تم بھی اُس پر صلوٰۃ وسلام بھیجو، پورے ادب واحترام اور اطاعت کے جذبہ کے ساتھ۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کرنے مواقع پر درود پڑھنا مستحب ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ فَقَدْ اَخْطَأَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ کہ جس شخص کے سامنے میرا نام ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا تو وہ جنت کے راستے کو خطا کر گیا۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا جائے اور نبی علیہ السلام پر درود نہ بھیجا جائے تو یہ مجلس شرکاء کے لیے قیامت والے دن حسرت کا باعث ہوگی۔

درود کی فضیلت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پڑھنے کی فضیلت بہت سی روایات میں آئی ہے۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص حضور علیہ السلام پر ایک دفعہ صلوٰۃ و سلام پڑھے گا، میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا، دس غلطیاں معاف کر دوں گا، اور دس درجے بلند کر دوں گا۔ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا نام ذکر کیا جائے مگر وہ درود نہ پڑھے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ کسی ایک مجلس میں آپ کا اسم نامی کئی دفعہ ذکر کیا گیا ہو تو صرف ایک دفعہ درود پڑھنے سے بھی حق ادا ہو جائے گا، تاہم اگر بار بار پڑھے گا، تو زیادہ بہتر ہے۔ ہر دعا کے اول و آخر میں بھی درود شریف پڑھنا چاہیے کہ یہ قبولیت دعا کی نشانی ہے۔ حضرت عمرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک درود شریف نہ پڑھا جائے انسان کی دعا زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔ جب درود شریف پڑھا جاتا ہے تو پھر وہ اوپر جا کر درجہ قبولیت کو پہنچتی ہے۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور باہر نکلتے وقت بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ مسلم شریف (ابن ماجہ) کے متعلق آتا ہے کہ جب

۱؎ منذری ص ۲۷۱ و در منثور ص ۲۱۸ و ابن کثیر ص ۵۱۳ ۲؎ مسند احمد ص ۵۰ و مشکوٰۃ ص ۱۹۸

۳؎ مسند احمد ... منذری ص ۲۷۱ و در منثور ص ۲۱۸ ۴؎ احکام القرآن جصاص ص ۳۷۰

۵؎ مسلم ص ۱۹۷، ۱۶۲ و ابو داؤد ص ۴۵۸ و کتاب الاذکار للنووی ص ۳۷ (فیاض)

درود پڑھنے کا طریقہ

درود شریف مختلف مواقع پر مختلف الفاظ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے البتہ اس کے لیے ایمان، عقیدت، محبت اور صحیح طریقہ شرط ہے۔ اپنا مرضی سے موقع بےموقع یا خود ساختہ الفاظ کے ساتھ درود پڑھنا مفید نہیں ہوگا۔ بعض لوگ اذان سے پہلے یہ مرتبہ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ پکارتے ہیں حالانکہ حضور علیہ السلام نے اس موقع پر ان الفاظ کا قطعاً حکم نہیں دیا۔ درود شریف پڑھنے کے مختلف مواقع ہم نے عرض کر دیے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی جب چاہیں پاک صاف ہو کر نہایت ۴۳
عقیدت و محبت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھیں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا حضور! سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ لیکن ہم درود کیسے پڑھیں؟ آپ نے فرمایا اس طرح کہو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اس کے لیے اور بھی بہت سے کلمات آتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے جس میں درود شریف کے چالیس قسم کے الفاظ نقل کیے ہیں۔ اگر حضور علیہ السلام سامنے موں تو "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" بھی کہہ سکتے ہیں یا قبر شریف پر جا کر یہ الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔ البتہ اگر دور سے پڑھیں تو پھر اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی ... حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ پڑھنا چاہیے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ کے الفاظ بھی

له درمنثور ص۲۱۹ ج۵ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اعمال اور دعائے خیر کے ساتھ دیگر تمام امت کے ہر فرد کا اولین فریضہ ہے لیکن اس بات پر محسن کریا کہنا اخلاقی فرض ہے۔ تو اس طرح گویا درود پاک پڑھنے سے امتی کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ربط بھی قائم رہتا ہے۔ آپ کے لیے دعائے خیر بھی ہوتی ہے اور خود اس کو بھی نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ نماز تقرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اور درود پاک نماز کا حصہ بھی ہے۔ چنانچہ چوبیس گھنٹے میں کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوگا جب میں حضور علیہ السلام کی ذات مبارکہ پر کوئی نہ کوئی صلوٰۃ و سلام کا ہدیہ پیش کر رہا ہو۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ (الانشراح ۲۰) ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔

بعض احادیث میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی آیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھنے والوں کو قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل ہوگا۔ بشرطیکہ صحیح عقیدت اور ادب و احترام کے ساتھ پڑھا جائے۔ روپے چار روپے آڑانے سے صلوٰۃ و سلام پڑھنا تو محض ریاکاری معلوم ہوتی ہے اور پھر تعصب کا یہ حال کہ جو اس طریقہ سے نہ پڑھے اس پر بغیر درود کا فتویٰ لگا دیا گیا۔ یہ ناانصافی ہے۔ درود پاک تو متفق علیہ شے ہے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ درود پاک ضرور پڑھو، زیادہ سے زیادہ پڑھو، مگر اس طریقے اور ان الفاظ کے ساتھ جو نبی علیہ السلام نے سکھائے اور صحابہؓ نے ان پر عمل کیا۔ بہر حال نبی پر ہر فرشتوں پر بھی سلام بھیجنا درست ہے۔[1] تمام انبیاء پر بھی درود و سلام بھیجا جائے، اور پیغمبر کے ساتھ آپ کی آل اور صحابہؓ کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے یہی طریقہ درست ہے۔ انبیاء کے علاوہ کسی پر براہ راست درود بھیجنا درست نہیں جب صحابہؓ کا ذکر کیا جائے تو رضی اللہ عنہ کہنا چاہیے اور علماء، مؤمنین، اہلِ اور بزرگانِ دین کا تذکرہ ہو تو رحمۃ اللہ علیہ کہنا چاہیے یا غفر اللہ لہٗ کہنا چاہیے۔

---

[1] ۔۔۔۔۔۔۔ (احیاء الحق) ۔

[illegible]

[illegible]

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ﴿٥٨﴾ ع

ترجمہ:- بیشک وہ لوگ جو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو۔ اللہ نے ان پر لعنت بھیجی ہے دنیا اور آخرت میں۔ اور تیار کر رکھا ہے ان کے لیے ذلت کا عذاب ﴿۵۷﴾ اور وہ لوگ جو ایذا پہنچاتے ہیں مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بغیر ان کے کسی گناہ کے۔ پس تحقیق اٹھایا ہے انہوں نے بہتان اور صریح گناہ ﴿۵۸﴾

ربط آیات

گزشتہ درس میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا ذکر تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنے نبی پر خصوصی رحمت فرماتا ہے اور فرشتے اس کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ لہٰذا اے ایمان والو! تم بھی اپنے نبی پر درود و سلام کے پھول نچھاور کیا کرو۔ اور اس کام کے لیے نبی کے ادب و احترام اور خلوص نیت کو ملحوظ خاطر رکھو۔ اس سے پہلے حضور علیہ السلام کے گھر میں داخلے اور کھانا کھانے کے آداب بیان ہوئے تھے اور ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے ساتھ امتی کا نکاح ہمیشہ کے لیے حرام قرار دیا گیا، اور نبی علیہ السلام کو قولی، فعلی، ذہنی، جسمانی ہر قسم کی اذیت پہنچانے سے منع کیا گیا۔

[illegible]

انکار کرنا یا وقوعِ قیامت کو تسلیم نہ کرنا، سب ایذا رسانی کی باتیں ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔

نبی کو ایذا رسانی

وَرَسُوْلَهٗ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ رسول کو اذیت پہنچانے کی صورت یہ ہے کہ اس کی رسالت کا انکار کیا جائے، آپ کے مشن کا انکار کیا جائے، آپ کی لائی ہوئی کتاب کی تکذیب کی جائے اور آپ کے لائے ہوئے دین اور آپ کی سنت کی مخالفت کی جائے۔ اسی طرح آپ کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کرنا ایذا رسانی کا ذکر کیا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ نے مشرکوں اور کافروں کا حال بیان کیا ہے۔ کوئی آپ کو شاعر کہتا، کوئی مجنون اور کوئی نعوذ باللہ کذاب کہتا۔ آپ کی صفت میں طعن کیا جاتا اور آپ کے نسب میں طعن کیا جاتا۔ یہ سب ایذا رسانی کی باتیں ہیں۔ بعض یہود و نصاریٰ نے حضور علیہ السلام کی سیرت پاک کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سلسلہ میں ہزاروں سے زیادہ کتب اور رسائل شائع کیے ہیں۔ آپ کی ازواج پر اعتراض کیا اور کثرتِ ازواج کو نشانہ بنایا۔ غرضیکہ کفار، مشرکین اور اہل کتاب نے ہر طرح سے حضور علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی۔

ایذا رسانی کی سزا

گویا یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اس کے رسول کی ایذا رسانی کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں پھٹکار بھیجی ہے۔ ایسے لوگ ملعون ہیں، وہ دنیا میں بھی رسوا ہوں گے اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ دنیا میں تو معاندوں کی جماعت ان کا مقابلہ کر کے انہیں ذلیل و خوار کر گئی اور آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے۔ فرمایا وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا اللہ نے ان کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے جس میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کے لیے ناکام و نامراد ہو جائیں گے۔

عام مومنوں کو ایذا رسانی

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا رسانی کا ذکر کرنے کے بعد عام مومنین کے متعلق بھی فرمایا وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور وہ لوگ جو

[illegible]

اس کے بعد پردے کے احکام والی آیت میں ذکر کہ اللہ نے اس قسم کی ایذا رسانی کے تعزیری قانون کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، اگر کوئی شخص کسی بے گناہ مسلمان کو ستاتا ہے، اس پر تہمت لگاتا ہے اور پھر اُس کو ثابت نہیں کر پاتا تو اُس پر حد قذف جاری ہو گی یا وہ تعزیر کا مستحق بنے گا، چنانچہ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو یہودی کہہ کر مخاطب کرتا ہے تو وہ شخص عدالت کی طرف رجوع کر سکتا ہے اور عدالت ایسا الزام لگانے والے آدمی کو بیس کوڑے مارنے کی سزا دے سکتی ہے، فقہ کی کتابوں میں یہ تمام تشریحات موجود ہیں، کہ کس قسم کے غلط الفاظ استعمال کرنے سے کوئی شخص تعزیر کا حقدار بن جاتا ہے۔ یہاں اس مقام پر ان مومن مردوں اور مومن عورتوں کا ذکر ہو رہا ہے، جن کو بلا وجہ کوئی ایذا پہنچائی جائے فرمایا کسی بے گناہ مرد یا عورت کو کسی قسم کی تکلیف پہنچانا سخت معیوب ہے، یہ تکلیف خواہ گالی گلوچ کے ذریعے پہنچائی جائے یا مار پیٹ یا تہمت لگا کر، ایسا کرنے والوں کے متعلق فرمایا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا انہوں نے بہت بڑا بہتان اٹھایا ہے، جھوٹ باندھا ہے وَإِثْمًا مُّبِينًا اور صریح گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ اس قسم کے احکام سورۃ نور میں بھی بیان ہوئے جہاں حد قذف کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً آیت ۴ میں ہے جو لوگ پاکباز عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر چار گواہ پیش نہیں کر پاتے انہیں اسی کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔ تاہم اس مقام پر فرمایا کہ مومن مرد یا عورت کو کسی بھی طریقے سے ایذا پہنچانا صریح گناہ ہے۔

بہتان اور صریح گناہ

بہرحال پہلے درجے میں اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں گستاخی کرنے والوں کو ملعون قرار دیا گیا اور دنیا و آخرت کی سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا، اور دوسرے درجے میں اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی ایذا رسانی کے متعلق فرمایا کہ یہ بہتان اور صریح گناہ ہے، اس کا ارتکاب کرنے والے خدا کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ اگر خود مسلمان بھی ان آداب کی پابندی نہیں کریں گے تو ان کی سوسائٹی پاک

(جاری)

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ
الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ
ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ
اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ
الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ
بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۰﴾
مَّلْعُوْنِيْنَ ۛۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا
تَقْتِيْلًا ﴿۶۱﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا
مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۶۲﴾

ترجمہ: اے نبی! آپ کہہ دیجئے اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مومنوں کی عورتوں سے کہ وہ نیچے لٹکا لیا کریں اپنی چادریں۔ یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچانی جائیں اور ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا از حد مہربان ہے ﴿۵۹﴾ اگر نہ باز آئیں گے منافق لوگ اور وہ جن کے دلوں میں روگ ہے، اور جھوٹی خبریں اڑانے والے مدینہ میں تو ہم

[illegible]

بھی باز نہیں رہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ لونڈیاں ہیں نہ کہ گھر کی متقی باحیا اور باعزت عورتیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ جب آزاد عورتیں باہر نکلیں تو باپردہ نکلیں تاکہ پہچانی جاسکیں کہ یہ باعزت عورتیں ہیں اور کوئی بدکردار ان سے تعرض نہ کر سکے۔ ان کو تکلیف پہنچانے کا یہی مطلب ہے کہ ان کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرے، کوئی آوازے نہ کسے۔

پردے کا تفصیلی حکم تو سورۂ نور میں آ چکا ہے تاہم اس مقام پر نبی کے اہل خانہ کی عزت و احترام کے طور پر ان پر پردے کا حکم دیا گیا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ ازواج مطہرات بالعموم رات کے وقت قضائے حاجت کے لیے گھروں سے باہر جاتی تھیں کیونکہ اس زمانے میں گھروں میں اس قسم کا انتظام نہیں ہوتا تھا۔ بعض دیگر ضروریات کے لیے بھی گھر سے باہر جانا پڑتا تھا۔ چونکہ اس وقت منافق قسم کے لوگوں کی طرف سے کسی تعرض کا خطرہ تھا۔ اس لیے حضرت عمرؓ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کسی ممکنہ بدسلوکی سے بچنے کے لیے ازواج مطہرات کو باپردہ باہر نکلنا چاہیے۔ چنانچہ سنہ ۵ھ میں اللہ نے پردے کے یہ احکام نازل فرمائے۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے فرمایا اُذِنَ لَکُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِکُنَّ تم اپنی حاجتوں کے لیے باہر جاسکتی ہو لیکن پردے کے ساتھ تاکہ کوئی بداخلاقی کا واقعہ پیش نہ آئے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے امہات المومنین کو خطاب کیا گیا، پھر نبی علیہ السلام کی بیٹیوں کو اور پھر عام مومن عورتوں کو۔

پردے سے متعلق پہلے اسی سورۃ کے چوتھے رکوع میں گزر چکا ہے۔ کہ ازواج مطہرات گھروں میں رہیں وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ اور جاہلیت اولیٰ کی طرح کھلے عام بے پردہ نہ پھریں۔ اس وقت

۱۔ مظہری صفحہ ۳۹۸ جلد ۷ و در منثور صفحہ ۲۲۱ جلد ۵
۲۔ مظہری صفحہ ۳۹۹ جلد ۷ و در منثور صفحہ ۲۲۱ جلد ۵

[illegible]

[illegible]

[illegible]

شریعت نے شراب کو حرام قرار دیا ہے تو اس کی مبادی یعنی کشید کرنا اور اس کی تجارت بھی حرام قرار دے دی ہے تاکہ شراب نوشی کا موقع ہی پیدا نہ ہو۔ اسی طرح شریعت نے نکاح کی ترغیب دی ہے تاکہ برائی کی طرف رغبت نہ ہو اور پردے کا حکم دیا ہے تاکہ بے حیائی کے اسباب کو ہی روک دیا جائے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ جدید تہذیب کے دلدادہ پردے کو عورت کی حق تلفی قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ پردہ صنف نازک کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ عورتوں کو سر عام برہنہ کر دیا گیا ہے۔ اب وہ برقع یا بڑی چادر تو درکنار معمولی دوپٹے کو بھی سر پر بار سمجھتی ہیں اور محض گلے میں لٹکا لینا ہی کافی سمجھتی ہیں۔ اس بے پردگی سے یورپی ممالک کے شریعت الطبع انگریز بھی نالاں ہو چکے ہیں۔ اب اخلاق بگڑ رہے ہیں اور نسلیں خراب ہو رہی ہیں۔ پچھلی صدی میں ڈاکٹر اسپنسر بہت بڑا فلاسفر ہو گزرا ہے، جس نے جدید تہذیب کے خلاف سخت ریمارکس دیئے تھے۔ کہتا ہے کہ یورپ کی پینتالیس کروڑ کی آبادی میں سے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ پینتالیس بچے بھی حلال ہوں۔ فحاشی کا اس قدر دور دورہ ہے کہ حلال و حرام کی تمیز ہی اٹھ چکی ہے۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے فحاشی سے بچنے کے لیے سخت قانون دیئے ہیں جن کی پابندی سے انسانی اخلاق درست رہ سکتے ہیں اور انسانی سوسائٹی پاک رہ سکتی ہے۔ اسی لیے شریعت نے پردے کے احکام نازل فرما کر عورتوں کے غیر محرم مردوں سے میل جول بغیر محرم کے سفر کرنے اور کھیل تماشے پر پابندی عائد کر دی ہے۔ اسلام نے تصویر کشی کو بھی اسی لیے حرام قرار دیا ہے کہ یہ فحاشی کے مبادی میں سے ہے، چہ جائیکہ کہ سٹیج پر نیم برہنہ رقص ہو اور مرد وزن کا عام اختلاط ہو۔

بہرحال شریعت مطہرہ نے پردے کے احکام نازل فرما کر مسلمان سوسائٹی کو ہر قسم کی قباحتوں سے پاک رکھنے کا درس دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی کوتاہی ہو جائے یا خامی رہ جائے تو فرمایا وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور اللہ تعالیٰ

[illegible]

سے مراد بے حیائی اور فحاشی کی جھوٹی خبریں پھیلانا بھی ہو سکتا ہے جس سے سوسائٹی میں انتشار پھیلانا مقصود ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جھوٹی خبریں پھیلانے والوں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، اور اگر کوئی ایسا شخص گرفت میں آ جائے تو پھر قاضی اپنی صوابدید کے مطابق اسے زیادہ سے زیادہ سزا بھی دے سکتا ہے۔

پھر جب ایسے بدطینت لوگوں کا محاسبہ ہوگا تو فرمایا ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا تو وہ آپ کے پڑوس یعنی شہر مدینہ میں نہیں رہ سکیں گے۔ مگر بہت کم دنوں تک۔ اس قسم کے بد اخلاق لوگ خود بخود شہر سے بھاگ جائیں گے۔ اور سوسائٹی پاک ہو جائے گی۔ فرمایا مَلْعُونِينَ یہ لعنتی لوگ ہیں، ان پر پھٹکار پڑے گی۔ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا پھر جہاں بھی پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے۔ یہ شہر میں چھپ چھپا کر اپنی قبیح حرکات جاری نہیں رکھ سکیں گے بلکہ قانون کی گرفت میں آئیں گے وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا اور سخت طریقے سے مارے جائیں گے۔ ایسے لوگ تعزیر کی لحاظ سے واجب القتل ہیں اور ان کے ساتھ نہایت سختی سے نپٹا جائے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ تعزیری طور پر ان کے سر قلم کیے جا سکتے ہیں۔ جو لوگ معاشرے میں فحاشی، بے حیائی اور بد اخلاقی پھیلانے کے مرتکب ہوتے ہیں، وہ کسی ہمدردی کے لائق نہیں، انہیں سخت ترین سزا ملنی چاہیئے۔

ارشاد ہوتا ہے سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ اللہ کا یہ دستور پہلے لوگوں یعنی سابقہ امتوں میں بھی بدستور جاری رہا ہے۔ پہلی شریعتوں میں بھی غنڈے، بدمعاش قسم کے لوگوں کی سرکوبی کے لیے قوانین موجود تھے، اب آخری شریعت میں بھی اللہ نے یہی قانون رکھا ہے کہ لوگوں

اللہ کا اٹل دستور

لے

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا
عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ
قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ
سَعِيْرًا ۙ ﴿٦٤﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ
وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ
فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا
الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا
وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ
ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا
كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ ع

ترجمہ:- لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں قیامت کے
بارے میں۔ آپ کہہ دیجئے، بیشک اس کا علم اللہ کے
پاس ہے۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ شاید قیامت قریب
ہی ہو (٦٣) بیشک اللہ تعالیٰ نے پھٹکار کی ہے کافروں
پر اور تیار کی ہے ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ (٦٤)
ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں۔ نہ پائیں گے کوئی
حمایتی اور نہ مددگار (٦٥) جس دن کہ پلٹے جائیں گے ان

[illegible]

انکار کرتے تھے مگر جب اللہ کے پیغمبر اُن کو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈراتے تو بطور استہزاء پوچھتے، اچھا بتائیے قیامت کب آئے گی؟ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ ان سے کہہ دیں، اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وقوعِ قیامت کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے جو اُس نے کسی کو نہیں بتایا۔ ایک روایت[1] میں آتا ہے۔ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا اللّٰهُ یعنی وقوعِ قیامت کی گھڑی کا علم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ یہ علم اُس نے نہ کسی نبی مرسل کو دیا ہے اور نہ ملکِ مقرب کو۔ البتہ قیامت سے پہلے پیش آنے والے بعض واقعات کا ذکر ضرور کیا ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان[2] ہے، اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ یعنی میں اور قیامت اس طرح اکٹھے کئے گئے ہیں جس طرح یہ دو انگلیاں۔ آپ نے دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، جس طرح دو انگلیاں متصل ہیں اسی طرح قیامت بھی بالکل قریب ہے۔ اب میرے بعد نہ کوئی نبی آئیگا اور نہ کوئی نئی شریعت، بلکہ اب تو قیامت ہی آنے والی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصدیق کی ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر۔۱) قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا۔ شاہ عبدالقادر[3] فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے یہ سوال محض ہٹ دھرمی کی بنا پر کیا ہوگا۔ جس چیز کا جواب دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہے اُس کا بار بار سوال کرنا بے معنی بات ہے۔ ہاں! اگر کسی سادہ لوح آدمی نے محض علم حاصل کرنے کے لیے ایسا سوال کیا تو حضور علیہ السلام نے اُسے دوسرے طریقے سے سمجھایا۔ جیسے ایک دیہاتی نے عرض کیا تھا، حضور! یہ بتلائیے مَتَى السَّاعَةُ

لے
لے قرطبی صفحہ ۳۴۸ ج ۱۴   لے موضح القرآن صفحہ ۵۹
لے

(فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس کی بجائے انسان کو اپنی دوسری زندگی کے لیے تیاری کرنا چاہیئے تاکہ وہ اس زندگی میں عذاب الٰہی سے بچ جائے۔

اس آیت کریمہ میں وَمَا يُدْرِيكَ کے الفاظ ہیں جن کا معنی ہے کہ آپ کو کس نے بتایا بعض مقامات پر اسی کے ہم معنی الفاظ وَمَا أَدْرَاكَ بھی آتے ہیں جیسے سورۃ القدر میں ہے وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ اور آپ کو کیا معلوم کہ شب قدر کیا چیز ہے ؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس چیز کے متعلق يُدْرِيكَ آتا ہے ، وہاں مذکورہ چیز کو ظاہر نہیں کیا جاتا اور جہاں أَدْرَاكَ استعمال ہوتا ہے وہاں بات کی وضاحت کر دی جاتی ہے ، امام سفیان ابن عیینہ جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور امام شافعی کے استاد ہیں ، وہ بھی مذکورہ حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ نے قیامت کے ساتھ مَا يُدْرِيكَ کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس کی تفصیلات نہیں بتائیں مگر لیلۃ القدر کے لیے أَدْرَاكَ استعمال کیا ہے تو آگے کچھ تفصیل بھی بتائی ہے کہ لیلۃ القدر ایک ہزار مہینے سے بہتر ہے اور اس میں روح الامین اور فرشتے نازل ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ ۔

کفار پر لعنت

آگے ارشاد ہوتا ہے إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر پھٹکار بھیجی ہے ، لعنت کا معنی ہے رحمت سے بعید کر دینا سورۃ بقرہ میں ہے ، جو لوگ کفر کی حالت میں مر گئے أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (آیت - ۱۶۱) ان پر اللہ کی ، اس کے فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے ۔ اس مقام پر فرمایا ہے وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ان کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے ۔ سعیر جہنم کے ناموں میں ایک نام بھی ہے ، خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ۔ یہ لوگ دنیا میں کفر اور شرک میں مبتلا رہے اور اسی پروگرام کو غالب کرنے کی کوشش کرتے رہے ، ایمان اور توحید کی مخالفت

[illegible]

اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے تمہیں انسان بنایا تھا، عقل فہم اور شعور عطا کی تھی، مگر تم بغیر سوچے سمجھے لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں کے پیچھے چلتے رہے، وہ تمہیں عیاشی اور فحاشی کا سبق دیتے رہے، شرک اور بدعقیدہ امور کا ارتکاب کرتے رہے، بشرک مزاری لوگوں سے جھنڈے بازی اور ٹھٹھے بازی پر بھی مال خرچ کرتے رہے اور عوام کو بیوقوف بناتے رہے اس دن افسوس کا اظہار کریں گے کہ ہم نے ان لیڈروں کو ووٹ دے کر غیر بنایا، مگر انہوں نے ہمیں غیر اسلامی نظام دے کر برباد کر دیا ہم نے پیر، مولوی، حافظ جی کو سمجھ کر اپنا ایمان بیچ کر ان کے ہاتھ میں دے دیا مگر انہوں نے ہمیں جہنم کے راستے پر ڈال دیا، اس دن لوگ اپنے پیشواؤں کو خطاب کر کے کہیں گے اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ (الصّٰفّٰت ۲۸) تم ہمارے دائیں بائیں سے آکر ہمیں سبز باغ دکھاتے تھے، وہ آگے سے جواب دیں گے کہ تم خود اس وقت سوچتے کہ تم کدھر جا رہے ہو تم آنکھیں بند کر کے ہمارے پیچھے چلتے رہے، لہٰذا اس گمراہی کے تم خود ذمہ دار ہو۔

جب مجرم لوگ ناامید ہو جائیں گے تو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کریں گے رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ اے ہمارے پروردگار ان پیشواؤں کو دوگنا عذاب دے کیونکہ یہ خود بھی گمراہ تھے اور ہمیں بھی گمراہ کرتے رہے وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا اور ان پر بڑی لعنت بھیج۔ مگر اللہ فرمائے گا۔ کہ تم سب تابع اور متبوع پر ڈبل عذاب ہوگا کیونکہ جس طرح انہوں نے تمہیں گمراہ کیا تھا، اسی طرح تم نے بھی آگے لوگوں کو گمراہ کیا۔ لہٰذا ایک سزا تمہیں گمراہ ہونے کی ملے گی اور دوسری سزا دوسروں کو گمراہ کرنے کی ملے گی۔ اس طرح جاہل پیر اور مرید دوہری سزا میں مبتلا کیے جائیں گے۔

[illegible]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا
مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ
عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ
لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ
مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا
عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

[illegible]

[illegible]

بھی ناجائز اور بہت گناہ کی بات ہے۔ پھر اللہ نے اہلِ ایمان کو خبردار کیا کہ وہ منافقین مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی طرح اللہ کے نبی کے متعلق کوئی ایسی بات زبان پر نہ لائیں جو آپ کے لیے اذیت کا باعث ہو۔ اگر کوئی مومن ایسا کرے گا تو اس کے ایمان میں خلل واقع ہو جائے گا لہٰذا ایسی بات سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

موسیٰ علیہ السلام کو ایذا رسانی

اب اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے اور مومنوں کو خبردار کیا ہے کہ تم بھی موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح اپنے پیغمبر کی ایذا رسانی کا باعث نہ بنا۔ جن لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستایا وہ بھی مجرم ٹھہرے اور مستحق عذاب ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اٰذَوۡا مُوۡسٰی اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستایا۔ ان پر طعن و تشنیع کی اور طرح طرح کے عیب لگائے فَبَرَّاَہُ اللّٰہُ مِمَّا قَالُوۡا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بری کر دیا ان باتوں سے جو وہ لوگ کہتے تھے۔ وَکَانَ عِنۡدَ اللّٰہِ وَجِیۡہًا اور موسیٰ علیہ السلام تو اللہ کے نزدیک بڑی وجاہت والے یعنی باعزت تھے۔ آپ اللہ کے عظیم الشان رسول اور صاحب کتاب نبی تھے، اور اس کے ساتھ اللہ نے آپ کو خلافت بھی بخشی۔

حضور علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں کسی قدر مماثلت پائی جاتی ہے کہ دونوں کی قوموں نے اپنے جلیل القدر رسولوں کو کس طرح ستایا اور کس قدر تکلیف پہنچائی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دیکھا کہ ایک شخص حضور علیہ السلام سے کہہ رہا ہے یا محمد اعدل اے محمدؐ! انصاف کرو۔ مال غنیمت تقسیم ہو رہا تھا اس شخص نے اعتراض کیا کہ مال کی تقسیم صحیح طریقے سے نہیں ہو رہی ہے۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام کو سخت پریشانی ہوئی۔ غصے سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا رَحِمَ اللّٰہُ مُوۡسٰی لَقَدۡ

لہ ابن کثیر ص۵۲۱ ج۳ و قرطبی ج۱۴ ص۲۵۰ و مظہری ص۳۹۳ ج۷ (فیاض)

تو پہچانا کہ یہ ... حضرت موسیٰ علیہ السلام پر مرد اٹھے
... [illegible] ... آپ کا مقصد
... [illegible] ... حضرت علیہ السلام
... کا جواب یہ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا ... [illegible] ...
—— اے شخص ... [illegible] ... اگر میں
... [illegible] ... ؟
آپ ... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...

حادثہ گمشدہ

موسیٰ علیہ السلام ... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...
... موسیٰ علیہ السلام ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...
... [illegible] ...

یہ سرزمین شام و فلسطین ان لوگوں پر حرام کر دی گئی ہے اب یہ چالیس سال تک سرگرداں پھرتے رہیں گے اس عرصہ میں اس نسل کے اکثر لوگ ختم ہو جائیں گے تو یہ سرزمین اگلی نسل کو منتقل کر دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا مطلب یہ کہ قوم نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچائی اور خود بھی خدا کی طرف سے معتوب ہوئے۔

جسمانی عیب کا انکشاف

صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نہایت حیادار آدمی تھے۔ جب آپ غسل فرماتے تو سخت پردے کی حالت میں تاکہ کسی شخص کی نظر آپ کے برہنہ جسم پر نہ پڑے۔ اس سے مخالفین نے یہ پراپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ آپ کا جسم عیب دار ہے جس کی وجہ سے یہ اپنے جسم کے کسی حصہ کو ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ بعض کہتے کہ آپ کو اُدرہ کی بیماری ہے جس سے جسم کے فوطے پھول جاتے ہیں۔ یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے لیے تکلیف دہ بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس اتہام سے بری قرار دینے کے لیے یہ سبب پیدا کیا کہ ایک دفعہ آپ نے پتھروں کے درمیان تنہائی میں غسل کرنے کے لیے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیے۔ اتنے میں اللہ کا حکم ہوا تو پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ بھی اس کے پیچھے پیچھے دوڑنے حتیٰ کہ وہ پتھر لوگوں کی مجلس کے قریب جا کر رک گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے کپڑے لینے کے لیے برہنگی کی حالت میں ہی وہاں پہنچ گئے۔ جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ آپ کا جسم بالکل بے داغ ہے اور اس طرح اللہ نے آپ کو اس اتہام سے چھٹکارا دلایا۔

بدکاری کا الزام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں آتا ہے کہ جب آپ نے اپنی قوم کے صاحب حیثیت لوگوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے کہا تو وہ بگڑ گئے۔ ان میں قارون سب سے پیش پیش تھا جس کے پاس بے شمار دولت تھی اور اس کی زکوٰۃ

۱ے بحوالہ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۵۲۰ ، معالم التنزیل صفحہ ۱۸۵ ، مظہری جلد ۷ صفحہ ۳۲۱ (فیاض)

۲ے

[illegible]

نے حکم دیا کہ آپ کی ذاتِ مبارکہ کے لیے یہ لفظ سرے سے استعمال ہی نہ کیا کرو وَلَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا بلکہ اس کی بجائے اُنظُرْنَا کا لفظ استعمال کیا کرو تاکہ کسی بگاڑ کا احتمال ہی باقی نہ رہے۔ اس سورۃ کی ابتداء میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام، آپ کی ازواج مطہرات اور آپ کے گھر کے آداب بیان کیے ہیں تاکہ آپ کی شان اقدس میں کسی منافق کی کے تمام دروازے بند ہو جائیں اور آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے بہرحال اللہ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچائی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر اتہام سے پاک قرار دیا۔

قولِ سدید کی ترغیب

آگے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے ایک اور قانون بیان فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا اور ہمیشہ سیدھی بات کہو۔ ظاہر ہے کہ اگر سیدھی اور سچی بات کرو گے تو اس میں اذیت کا کوئی امکان نہیں ہو گا، اور اگر الٹی سیدھی باتیں کرو گے تو نبی کو تکلیف پہنچنے کا احتمال ہو گا۔ حضرت عکرمہؓ سے منقول ہے کہ قولِ سدید سے مراد کلمہ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔[1] بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ قولِ سدید ہر سچی بات کا نام ہے، ہر بات واقعہ کے مطابق ہونا چاہیئے اپنی زبان سے کوئی غلط، عقیدہ اور جھوٹی بات مت نکالو۔ شرک کی بات، گالی گلوچ، کفر، نفاق وغیرہ قولِ سدید کے منافی ہیں۔ لہٰذا ایسی کوئی بات نہیں ہونی چاہیئے حضور علیہ السلام نے زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کا خاص طور پر حکم دیا ہے کہ وہ بے احتیاطی کی باتوں سے منع فرمایا ہے۔ غرضیکہ فرمایا کہ ہمیشہ سیدھی بات کرو

سچائی کا فائدہ

فرمایا اگر تم زبان کی حفاظت کرو گے تو اس کا فائدہ یہ ہو گا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو سنوار دے گا۔ درست

---

[1] ابن کثیر ص ۵۲۱ ج ۳ و معالم التنزیل ص ۲۲۵ ج ۳ و قرطبی ص ۲۵۳ ج ۱۴ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ
وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ
مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا
جَهُوۡلًا ۙ ﴿۷۲﴾ لِّیُعَذِّبَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ
وَالۡمُشۡرِكِیۡنَ وَالۡمُشۡرِكٰتِ وَیَتُوۡبَ اللّٰهُ عَلَی
الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا
رَّحِیۡمًا ﴿۷۳﴾ ع

ترجمہ:۔ بیشک ہم نے پیش کی امانت آسمانوں ، زمین اور پہاڑوں پر ۔ پس انکار کیا انھوں نے کہ اٹھائیں اس کو اور اس سے ڈر گئے ۔ اور اٹھا لیا اس کو انسان نے ۔ بیشک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے ﴿۷۲﴾ تاکہ سزا دے اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو ، اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو ۔ اور اللہ تعالیٰ رجوع فرمائے (مہربانی کے ساتھ) مومن مردوں اور مومن عورتوں پر ۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور نہایت مہربان ہے ﴿۷۳﴾

ربط آیات
گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اس کے رسول اور عام مومنوں کو ایذا پہنچانے سے منع فرمایا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال دے کر سمجھایا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

شریعت اور حدود وغیرہ کی پابندی کا ہے، ظاہر ہے کہ ان احکام کی تعمیل کی صلاحیت نہ آسمانوں میں ہے، نہ زمین میں، نہ پہاڑوں میں اور نہ شجر و حجر میں، لہٰذا انہوں نے اس بارِ امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا، اور انسان میں چونکہ یہ استعداد پائی جاتی ہے، لہٰذا اس نے اس بار کو اٹھا لیا۔ امام ابو حنیفہؒ کے پیروکار بھی اسی نظریے کے قائل ہیں کہ اس امانت سے مراد وہ استعداد اور صلاحیت ہے جس کی بناء پر انسان مکلف ٹھہرایا گیا ہے۔ اگرچہ جنات بھی پابندیٔ قانون کے مکلف ہیں، مگر ان کی صلاحیت انسان کی نسبت کمزور ہے، اس لیے جنات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں امام غزالیؒ، امام بیضاویؒ، خواجہ محمد پارسا اور بعض دیگر مفسرین اس عہدِ تکلیف کا علاوہ اپنے لکھے ہیں ڈالنا مراد لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قانون کی پابندی کر لینے کے فیصلے لیا جانے اور پھر اطاعت کی صورت میں اجر و ثواب اور معصیت کی صورت میں عتاب کو قبول کر لینے کا نام امانت ہے۔

عرض لور ابی کا مفہوم

اس آیتِ کریمہ میں آمدہ الفاظ "عرضنا" اور "ابین" خاص طور پر توجہ طلب ہیں۔ عرض کا معنیٰ عام طور پر کسی چیز کو زبانی یا تحریری طور پر پیش کرنا ہوتا ہے اسی لیے تحریری طور پر پیش کی جانے والی درخواست کو عرضی بھی کہتے ہیں۔ تاہم امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت پیش کرنے کا مفہوم زبانی یا تحریری طور پر پیش کرنا نہیں بلکہ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کی استعداد اور صلاحیت کی طرف نسبت کرتے ہوئے پیش کرنا مراد ہے چونکہ ان میں اس عہدِ تکلیف کو اٹھانے کی صلاحیت نہیں تھی لہٰذا انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح یہاں پر "اباء" یا انکار کا معنیٰ بھی زبان کے ذریعے انکار نہیں جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے بلکہ اس سے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں

۱۔ بیضاوی صفحہ ۲۵۳ جلد ۲

۲۔ بیضاوی صفحہ ۲۵۳ جلد ۲ (فیاض)

[illegible]

ہے کہ تخلیق کے بعد آدم علیہ السلام جنت میں آزادی سے ادھر ادھر گھومتے پھرتے تھے۔ انہوں نے وہاں ایک بڑی چٹان پڑی ہوئی دیکھی۔ فرشتے اس چٹان کے قریب سے گزر جاتے تھے مگر اس کے حجم اور بوجھ کے پیش نظر کوئی بھی اٹھانے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کی کم ہمتی پر حیرت ہوئی اور انہوں نے بغیر کسی کے کہے اس پتھر کو اٹھانے کی پیشکش کی۔ آپ نے اس چٹان کو گھٹنوں تک اٹھا کر پھینک دیا، پھر دوبارہ کوشش کی تو کندھے تک لے گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نے اس پتھر کو اٹھایا ہے۔ تو اب یہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی گردن پر قیامت تک رہے گا۔ یہ عہدہ تکلیف ہے جس کو تم نے برضا و رغبت اٹھایا ہے لہٰذا اب اسے زندگی بھر اٹھائے رکھنا ہوگا۔ اور اس بار امانت کو نیچے نہیں پھینکنا، چنانچہ صحیح حدیث میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد[1] بھی آتا ہے: إِنَّ الْأَمَانَةَ نَزَلَتْ فِي جَذْرِ قُلُوبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوا مِنَ الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ یعنی تکلیف کی یہ امانت لوگوں کے دلوں میں اتاری گئی تھی، پھر انہوں نے دنیا میں آکر اس کی تفصیلات قرآن و سنت سے معلوم کیں۔

جنید بغدادیؒ کی توضیح

حضرت جنید بغدادیؒ نے اس بار امانت کی توضیح اپنے انداز میں اس طرح بیان کی ہے کہ انسان نے ازل میں یہ امانت اٹھائی تھی مگر دنیا میں آکر وہ حرص میں مبتلا ہوگیا۔ اور اس کی توجہ فرض کی ادائیگی کی طرف نہ رہی۔ خدا تعالیٰ نے یہ بار امانت پیش کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی پیشکش بہت بڑی چیز تھی جس میں انسان کو بڑا ہی لطف و سرور آیا۔ اور اس نے فیصلہ کیا۔ خدا کی پیشکش کو ٹھکرانا نہیں چاہیے، چنانچہ وہ اسی سرور میں مست رہا، مگر یہ نہ سوچا کہ یہ ذمہ داری یا فرض مجھ سے پورا بھی ہو سکے گا یا نہیں۔ اب جو شخص اس ذمہ داری کو نہیں نبھائے گا۔ وہ قابل مؤاخذہ ہوگا۔

---

[1] بخاری صفحہ ۳۸۹ ج ۲

(فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تو اس امانت کا حق ادا ہوگا، ورنہ نہیں۔ اعضاء کے علاوہ بہت سے احکام بھی امانت سے تعلق رکھتے ہیں بغسل جنابت، حفاظتِ ناموس، فرائض کی ادائیگی، عہد و پیمان اور اوامر و نواہی کی پابندی اسی امانت سے متعلق ہیں۔ اس امانت میں خیانت کرنا یعنی احکام و فرائض سے غفلت اور اوامر و نواہی کی عدم پابندی انسان کے لیے وبالِ جان ہوگی۔ اور اس امانت کی حفاظت کرنے پر اللہ نے درجات کی بلندی اور گناہوں کی معافی کا وعدہ فرمایا ہے۔ لہٰذا اس امانت کی پاسداری کرنی چاہیئے۔ اس امانت کا حق نہ ادا کرنے والا آدمی منافق ہوگا۔ یا مشرک اور ہمیشہ کے لیے مبتلائے عذاب ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی[1] ہے کہ اگر انسان سے چار چیزوں کے علاوہ باقی ساری بھی فوت ہو جائیں تو اُسے فکر مند نہیں ہونا چاہیئے۔ اُن میں سرِفہرست امانت کی ادائیگی ہے۔ اگر اُس کے پاس کوئی مال بطور امانت ہے تو اُس کو واپس کرے، کوئی وصیت ہے تو پوری کرے، کوئی عہد و پیمان کیا ہے تو اُس کو نبھائے، یہ سب چیزیں امانت کا حصہ ہیں۔ فرمایا دوسری چیز سچائی ہے تیسری اخلاقِ حسنہ، اور چوتھی رزقِ حلال جو شخص ہمیشہ سچ بولتا ہے دوسروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا ہے اور وہ حلال روزی کماتا ہے اور استعمال کرتا ہے، تو پھر اگر اس کے پاس اور کچھ بھی نہ ہے تو بھی فکر کی کوئی بات نہیں، کیونکہ دنیا میں ان چار چیزوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

شاہ عبدالقادرؒ کی تفسیر

شاہ عبدالقادرؒ[2] نے حملِ امانت کی بات چند جملوں میں بڑے اچھے طریقے سے سمجھا دی ہے، فرماتے ہیں کہ انسان نے اپنی جان پر ترس نہ کھایا اور اس بارِ امانت کو اٹھایا۔ نیز فرماتے ہیں کہ اپنی خواہش کو روک کر حکم کی تعمیل کرنا گویا امانت کا حق ادا کرنا ہے۔ انسان کے اپنے دل میں کوئی خواہش ہے اور اللہ کا حکم اُس کے خلاف

---

[1] ابن کثیر ص۵۲۳ ج۳ [2] موضح القرآن ص۵۱۳ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس امانت کو پوری طرح محفوظ رکھیں اور ترقی دیں تو ان پر انعام و اکرام ہو، اور جو غفلت اور شرارت سے اس امانت کو ضائع کر دیں ان کو سزا دی جائے۔ اور ہر لوگ اس بارے میں توجہ کو آہی کریں۔ ان سے معافی کا معاملہ ہو۔ علامہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں یہ امانت ایمان اور ہدایت کا تخم ہے جو قلوب بنی آدم میں بکھیر دیا گیا ہے اور جس کی وجہ سے انسان مکلف بنایا گیا۔ اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے لَا اِيمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ جو امانت کا پاسدار نہیں وہ ایمان سے خالی ہے۔ انسانوں کے دلوں میں موجود ایمان کے بیج کی حفاظت اور نگہداشت کی جائے گی تو ایمان کا درخت اُگے گا۔ گویا بنی نوع انسان کے قلوب اللہ کی زمینیں ہیں جن میں امانت کا بیج ڈال دیا گیا ہے۔ پھر پرورش بسلسلے کے لیے رحمت کے بادل بھی وہی بھیجتا ہے۔ اور جن کے سینوں میں رحمت الٰہی کی بارش ہوتی ہے ان کا ایمان چمکتا پھولتا ہے۔ لہٰذا ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ امانت الٰہی یعنی ایمان کے تخم کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے اور اسے ضائع نہ ہونے دے ایسا نہ ہو کہ امانت کا پودا اُگنے کی بجائے اس کا بیج ہی سوخت ہو جائے۔ اس بات کی تصدیق حضرت حذیفہؓ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ امانت آسمان سے لوگوں کے قلوب پر اتاری گئی ہے۔ پھر اس کی تشریح و تفسیر قرآن و سنت سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ امانت وہی تخم ہدایت ہے جو اللہ کی طرف سے قلوب رجال میں تہ نشین کیا گیا ہے۔ پھر علوم قرآن و سنت کی بارش ہوئی، اگر اس سے ٹھیک طور پر فائدہ اٹھایا جائے گا۔ تو ایمان کا درخت اُگے گا، پھلے پھولے گا تو انسان کو اس کے ثمر شیریں سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے گا۔ اور اگر اس سے فائدہ اٹھانے میں انسان کوتاہی کرے گا، تو ایمان کے درخت کو ابھرنے اور پھلنے پھولنے میں نقصان ہوگا۔ اور اگر اس

لہ مظہری ص۴۲۳ ج ۷ و خازن ص۲۹۰ ج ۵

لہ ابن کثیر ص۵۲۳ ج ۳ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

سورة النبأ

سُورَةُ سَبَإٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ أَرْبَعٌ وَخَمْسُونَ آيَةً وَسِتُّ رُكُوعَاتٍ

سورۂ سبا مکی ہے اور یہ چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت رحم کرنے والا اور بڑا مہربان ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ
الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ① یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی
الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ
السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیْمُ
الْغَفُوْرُ ② وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا
السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ
الْغَیْبِ ۚ لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَاۤ اَصْغَرُ مِنْ
ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ③
لِّیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ

أُولَٰٓئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ
سَعَوْ فِيٓ ءَايَٰتِنَا مُعَٰجِزِينَ أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ۝ وَيَرَى الَّذِينَ
أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِيٓ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ
هُوَ الْحَقَّ وَيَهْدِيٓ إِلَىٰ صِرَٰطِ الْعَزِيزِ
الْحَمِيدِ ۝

[illegible]

بدلہ دے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور
جنہوں نے اچھے کام کیے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے
بخشش اور عزت کی روزی ہے ④ اور وہ لوگ
جنہوں نے کوشش کی ہماری آیتوں میں عاجز کرنے
کے لیے یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب
ہے ⑤ اور دیکھتے ہیں وہ لوگ جن کو علم دیا گیا
ہے، وہ چیز جو اتاری گئی ہے آپ کی طرف آپ
کے پروردگار کی جانب سے، وہ برحق ہے اور وہ راہنمائی
کرتی ہے عزیز اور حمید اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف ⑥

نام اور کوائف

اس سورۃ کا نام سورۃ سبا ہے جو کہ اس کی آیت ۱۵ میں آمدہ لفظ
سے ماخوذ ہے۔ سبا ایک شخص، قبیلے، شہر اور ملک کا نام ہے جس کا ذکر اس
سورۃ مبارکہ کے دوسرے رکوع میں آیا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ نور سے لے
کر سورۃ سجدہ تک ساری مکی سورتیں تھیں۔ اس کے بعد پچھلی سورۃ الاحزاب مدنی
تھی اور یہ سورۃ پھر مکی ہے۔ آگے پھر تین سورتیں تواتر مدنی ہیں اور اس کے بعد
مکی اور مدنی مخلوط سورتیں آئیں گی۔

اس سورۃ کی چون آیتیں، ۶ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ مبارکہ ۸۸۳ الفاظ اور ۱۵۱۲ حروف
پر مشتمل ہے۔ یہ سورۃ مکی دور کے زمانہ وسطی میں سورۃ لقمان کے بعد نازل ہوئی۔

سابقہ سورۃ سے ربط

سابقہ سورۃ احزاب کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے امانت کی حفاظت کا قانون
نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا مگر انہوں
نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے مگر انسان نے اس بار امانت کو اٹھا
لیا کیونکہ اللہ نے انسان میں حمل امانت کی پوری پوری صلاحیت اور استعداد رکھ
دی ہے۔ چونکہ انسان نے رضاکارانہ طور پر اس بار امانت کو اٹھا لیا ہے لہٰذا اب یہ اس
کی ذمہ داری ہے کہ اس امانت کی حفاظت کرے۔ جو شخص اس امانت کا حق ادا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کی شکرگزاری لورایمان کی بدولت ہی نصیب ہوں گی۔ انسان کے لیے جس طرح ہوا، پانی، خوراک اور دیگر ضروریات، زندگی مطلوب ہیں، اسی طرح اس کے لیے ہدایت کی بھی ضرورت ہے جو وحی الٰہی، کتاب، شریعت یا دین کے پاکیزہ اصولوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرنے کے لیے اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء حمد باری تعالیٰ سے ہو رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہیں کہ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کائنات کی ہر چیز اسی کی ملکیت ہے وہی ہر چیز کا خالق، مدبر اور متصرف ہے۔ ان امور میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں، نہ کوئی پیدا کر سکتا ہے نہ تدبیر کر سکتا ہے اور نہ کسی کو تصرف حاصل ہے۔ جب یہ بات ہے تو مستحق عبادت بھی اس کے سوا کوئی نہیں۔ مشرک لوگ خواہ مخواہ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں، اور ان کو نذر و نیاز پیش کر کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

یہ تو دنیوی نعمتوں کا دنیا ہی میں شکریہ ادا ہوا، فرمایا وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ اور آخرت میں بھی اسی کے لیے تعریف ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو جو نعمتیں آخرت میں عطا کرے گا تو وہاں ان نعمتوں کا شکریہ بھی ادا کیا جائے گا۔ جب مومن لوگ خدا کی رحمت کے مقام بہشت میں پہنچ جائیں گے، انہیں ہر طرح کا آرام و فراغت حاصل ہو گا تو بے ساختہ پکار اٹھیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (الاعراف ۔ ۴۳) اس خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں جس نے ہماری راہنمائی کر کے اس مقام تک پہنچایا۔ اگر وہ ہماری راہنمائی نہ کرتا تو ہم یہاں کیسے پہنچ سکتے تھے۔ جنت میں پہنچ کر اگرچہ حمد و ثنا ضروری نہیں ہو گا، مگر وہاں پر اہل ایمان بے اختیار اللہ کی تعریف و حمد کے گیت گائیں گے

کے بغیر کوئی جاندار زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ انسانی جسم میں اللہ نے ستر فیصد پانی کا عنصر رکھا ہے، لہٰذا پانی کا نزول بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے علاوہ وحیِ الٰہی بھی عالمِ بالا سے آتی ہے اور قضا و قدر کے فیصلے بھی اللہ کے فرشتے آسمان کی طرف سے لاتے ہیں۔

پھر آسمان کی طرف چڑھنے والی اشیاء ہیں، انسان کی دعائیں ہیں، اس کے اعمال ہیں۔ فرشتے بھی آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، ان کے علاوہ بھی بے شمار چیزیں ہیں جو آسمان کی طرف چڑھتی ہیں۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے علیم و خبیر کو علم ہے کہ وہ زمین میں داخل ہونے والی اور اس سے خارج ہونے والی نیز آسمان سے نازل ہونے والی اور آسمان کی طرف چڑھنے والی ہر ہر چیز سے باخبر ہے۔ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ وہ بڑا مہربان اور بخشنے والا ہے۔ دنیا کی ساری چہل پہل اسی کی مہربانی اور رحمت سے قائم ہے۔ انسان تو ناحق شناس ہیں جو اس کے انعامات کی قدر دانی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بخشش و رحمت کی وجہ سے انسانوں کو بہت سا موقع دیتا ہے، وگرنہ وہ فوراً گرفت کرے تو بندے کا کہاں ٹھکانہ ہے!

وقوعِ قیامت

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ کافر لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس قیامت نہیں آئیگی۔ مکے کے مشرک بھی کہتے تھے کہ لات اور عزیٰ کی قسم کوئی قیامت نہیں آئیگی نہ کوئی جزائے عمل واقع ہوگا۔ چنانچہ جس طرح کافر اور مشرک قیامت کا سختی کے ساتھ انکار کرتے تھے اسی طرح جواب بھی اللہ نے سخت دیا۔ فرمایا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَأْتِيَنَّكُمْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کیوں نہیں، مجھے میرے رب کی قسم قیامت تمہارے پاس ضرور آئے گی، تم کیسے انکار کرتے ہو۔ اللہ نے نہایت تاکید کے ساتھ فرمایا ہے۔ آگے بھی اسی سورۃ میں آرہا ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ انسان مر کر مٹی میں مل جاتے ہیں، ان کے اجسام ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو جاتے ہیں تو یہ کیسے دوبارہ جی اٹھیں گے۔ اللہ نے فرمایا کہ تم قیامت کو بعید سمجھتے ہو حالانکہ یہ بالکل قریب ہے۔

[illegible]

بالکل ممتاز ہو جانے اور پھر اس کے مطابق جزا یا سزا کا فیصلہ ہو۔ یہی حتمی اور صحیح فیصلہ ہوگا جو اللہ کی بارگاہ میں ہوگا۔ اور اسی کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

پھر اہل ایمان اور اعمال صالحہ کے مرتکبین کی جزا کے متعلق فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور باعزت روزی ہوگی۔ بخشش سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف کر کے اپنی رحمت کے مقام میں داخل کرے گا۔ جہاں ہر نعمت بغیر کسی محنت و مشقت کے حاصل ہوگی۔ دنیا میں تو رزقِ حلال حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کرنی پڑتی ہے مگر وہاں کسی کام کاج کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بغیر کسی محنت کے ہر چیز مہیا کرے گا۔ امام سرخسیؒ نے اپنی کتاب المبسوط میں یہ روایت نقل کی ہے۔ يَبْتَغُوا الرِّزْقَ فِيْ خَبَايَا الْأَرْضِ اس دنیا میں زمین کے کونوں سے رزق تلاش کرو یعنی بیشک سفر اختیار کرنا پڑے۔ گویا یہاں محنت کی ضرورت ہے اور حلال راستے سے روزی تلاش کرو۔ مگر آخرت میں اللہ تعالیٰ ہر جنتی کو اس کی خواہش کے مطابق بغیر کسی مشقت کے ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائے گا۔ باعزت روزی سے یہی مراد ہے۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ جنت میں کسی چیز کی کبھی بھی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اس دنیا میں تو کوئی چیز نایاب ہو جاتی ہے اور بعض میں کمی واقع ہو جاتی ہے مگر وہاں ایسی کوئی وقت پیش نہیں آئے گی۔ وہاں ہر چیز بلا قیمت اور بافراط میسر ہوگی۔

فرمایا وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ جو لوگ کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں کے بارے میں کہ انہیں نیچا دکھا دیں یعنی قرآن کے پروگرام کو ناکام بنانے کی سعی کرتے ہیں۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ایسے لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہوگا۔ یہاں تو لیے

---

1. المبسوط ص۔۔۔ (فیاض)

[illegible] [illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ
يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي
خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿٧﴾ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِ
جِنَّةٌ ۗ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي
الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ﴿٨﴾ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ
مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُم مِّنَ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ إِن نَّشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ
الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ﴿٩﴾

ترجمہ:۔ اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا، کیا ہم بتلائیں تمہیں ایسا شخص جو تمہیں خبردار کرتا ہے کہ جب تم پارہ پارہ کر دیئے جاؤ گے پورے طریقے سے پارہ پارہ کیا جانا تو بے شک تم نئی مخلوق میں ہو گے ﴿٧﴾ اس نے افترا باندھا ہے اللہ پر جھوٹ یا اس کو جنون ہے۔ فرمایا یہ بات نہیں، بلکہ وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر، وہ عذاب میں ہوں گے، اور گمراہی میں دور پڑے ہوئے ﴿٨﴾ کیا

يُنَبِّئُكُمْ کیا ہم بتلائیں تمہیں ایک ایسے شخص کے متعلق جو تمہیں خبر دار کرتا ہے۔ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ کہ جب تم پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ تو پھر نئی پیدائش میں اٹھائے جاؤ گے۔ یہ وہ اعتراض ہے جو کافر لوگ اسلام کے نظریۂ معاد کے متعلق اٹھاتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو بطور تمسخر کہتے تھے کہ ذرا اس شخص (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف دیکھو جس کا دعویٰ ہے کہ جب تم مر کر مٹی میں مل جاؤ گے، تمہارے جسم کے ذرات منتشر ہو جائیں گے تو ایک وقت آئے گا جب تمہیں دوسری زندگی عطا کی جائیگی۔ وہ بعث بعد الموت کی خبر پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے تھے کہ ایسا کیونکر ممکن ہو گا۔ انہوں نے تو اپنے آباؤ اجداد میں سے کسی کو دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔

جیسا کہ گزشتہ درس میں گزر چکا ہے اللہ نے اس اعتراض کا جواب تو ایک جگہ میں دیا عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ کہ اللہ تعالیٰ تمام غیوب کو جاننے والا ہے زمین و آسمان کی ذرہ بھر چیز بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔ ہر انسان، اس کا عقیدہ، اعمال، اخلاق غرضیکہ ہر چیز اللہ کے ہاں محفوظ ہے لہٰذا اس کے لیے تمام ذرات کو جمع کر کے انسان کو نئی زندگی دے دینا کون سا مشکل کام ہے؟ یہ مشکل تو مخلوق میں سے کسی کو پیش آسکتی ہے جس کا نہ تو علم ذرے ذرے پر محیط ہو، اور نہ وہ قدرت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ تو سمندر کی تہہ اور جانوروں کے پیٹ سے بھی اجزاء نکال کر جمع کر دے گا۔ لہٰذا کافروں کو بعث بعد الموت کے نظریہ سے تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ پھر اللہ نے وقوع قیامت کی علت بھی بیان کر دی کہ ہر شخص کو اپنے عقیدے اور عمل کا پورا پورا بدلہ دینا مقصود ہے جو اس دنیا میں ممکن نہیں یہاں تو نیکی بدی غلط ملط ہو گئی ہوتی ہے اور بسا اوقات دنیا میں حق و باطل اور جائز و ناجائز کا امتیاز نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اکثر مجرم سزا سے بچ جاتے ہیں۔ اسی طرح

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دیوانہ کہنا تو محض ضد، عناد اور تعصب کی بنا پر ہی ہو سکتا ہے۔ یہ ایسے بدبخت لوگ تھے کہ کبھی آپ کو دیوانہ کہتے، کبھی شاعر اور کبھی کذاب کہتے۔ کفار کا یہ سلوک صرف حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی خاص نہیں تھا کہ لوگوں نے پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھی ایسے ہی خطاب دیے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو ذلیل اور کذاب کہا بعض جادوگر کہتے تھے اور بعض مسحور کہتے یعنی اس پر جادو کا اثر ہو چکا ہے کہتے تھے اس کا کلام جادو کا اثر رکھتا ہے۔ بہرحال کافروں نے کہا کہ اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا پھر یہ مجنون ہے۔

اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ یہ کافر و مشرک لوگ اپنی بات میں سچے نہیں ہیں۔ یہ وقوع قیامت کا انکار کرتے ہیں مگر بالآخر یہ پکڑے جائیں گے فرمایا بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے فِى الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ وہ سزا کے مستحق ہیں اور وہ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب کوئی شخص دور کی گمراہی میں جا پڑتا ہے تو پھر اس کا درست پر آنا محال ہو جاتا ہے، وہ اسی کفر، شرک کی نجاست کے ساتھ ہی دنیا سے جاتا ہے اور لازماً سزا کا مستحق بنتا ہے۔

توحید کے دلائل

ارشاد ہوتا ہے اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کیا انہوں نے آسمان و زمین میں نہیں دیکھا جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے ہے؟ کائنات میں ذرا غور کرو اور پھر بتلاؤ کیا یہ کسی انسان کا پیدا کردہ ہے یا کسی لات اور عزیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے سورۃ العنکبوت میں ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (آیت ۶۱) اگر کفار و مشرکین سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کیے ہیں، اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے تو وہ جواب دیں گے کہ ہر چیز اللہ ہی نے پیدا کی ہے اور وہی ہر چیز کا متصرف ہے۔ جب ہر چیز کا خالق، مالک، مدبر اور متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہے تو پھر یہ غیروں کو اس کے ساتھ کیوں شریک بناتے ہیں۔

[illegible]

کو بھی سزا دی۔ قارون کا واقعہ تو قرآن پاک میں موجود ہے کہ اللہ نے اس کو اس کے گھر اور خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا۔ سورۃ القصص میں موجود ہے فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ (آیت - ۸۱) اس قسم کے واقعات اب بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں جاپان میں زبردست زلزلہ آیا جس میں ڈیڑھ لاکھ آدمی زمین میں دھنس گئے تھے۔ ابھی بیس سال پہلے بغداد کی بارہ ہزار کی پوری بستی زمین میں دھنس گئی تھی ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ کا واقعہ بھی ایسا ہی تھا جس میں زمین میں لمبی لمبی دراڑیں پڑ گئی تھیں اور ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بن گئے تھے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ایسے نابکاروں کو زمین میں دھنسا دیں۔

أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ یا اگر چاہیں تو ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں۔ کچھ عرصہ پہلے امریکہ کے کسی علاقہ میں شہاب گرا تھا۔ جس میں سے آگ برستی تھی۔ اس حادثہ میں چار پانچ سو آدمی ہلاک ہو گئے تھے۔ قوم لوط پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی تھی اور ان کی پوری بستی بھی الٹ دی گئی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ اس نافرمان قوم کو ایسی سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

فرمایا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ بے شک اس میں نشانی ہے خدا کی طرف رجوع رکھنے والے ہر بندے کے لیے۔ جس شخص کے دل میں ایمان کی ذرا سی رمق بھی باقی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کو اپنا مرجع و ماویٰ سمجھتا ہے وہ جان لے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور علیم کل ہے۔ اس کے نبی اور کتابیں برحق ہیں۔ وقوع قیامت برحق ہے۔ اور جزائے عمل کی منزل آنے والی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سزا دینے پر بھی قادر ہے، بلاشبہ ایسے شخص کے لیے جگہ جگہ نشانات قدرت پھیلے ہوئے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر وہ ایمان کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کر سکتا ہے۔ البتہ جس شخص کے دل میں غرور و تکبر ہے اور جو کفر و شرک سے پاک نہیں اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی اور وہ اسی طرح اندھیروں میں سرگرداں پھرتا رہے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يَا جِبَالُ أَوِّبِي
مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۖ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ۝ أَنِ اعْمَلْ
سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۖ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ
إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

[illegible]

[illegible]

کا فرمان ہے وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ (آیت ۵۴)
اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور اس کی فرمانبرداری اختیار کرو۔ اس ضمن میں آج کے
درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف رجوع رکھنے والے اپنے دو بندوں حضرت داؤد
اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر فرمایا ہے اور ان کو انابت الی اللہ رکھنے والے
بندوں میں بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ اللہ نے دونوں باپ بیٹا کو بڑی فضیلت
عطا فرمائی۔ بے مثال حکومت دی، اس کے اوصاف ان میں کمال درجے کی انابت
پائی جاتی تھی۔

داؤد علیہ السلام کے فضائل

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا اور البتہ
تحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ آپ
صاحب شریعت نبی ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتاب زبور بھی عطا فرمائی جیسا کہ
سورۃ بنی اسرائیل میں ہے وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا (آیت ۵۵) فرمایا يَا دَاوُودُ إِنَّا
جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ (صٓ ۲۶) اے داؤد علیہ السلام! ہم نے آپ کو
زمین میں خلافت عطا فرمائی تاکہ تم لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے کام لو۔
نبوت کے بعد خلافت بڑی فضیلت ہے کہ انسان کے لیے اس سے بڑھ کر
کوئی فضیلت نہیں۔ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا ذکر سورۃ الانبیاء اور نمل
میں آ چکا ہے اور آگے سورۃ صٓ میں بھی آ رہا ہے جہاں اللہ نے ان کی فضیلت
اور برتری کو بیان کیا ہے۔ رسول اور خلیفہ ہونے کے باوجود آپ کمال درجے کے
عبادت گزار بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے وَكَانَ أَعْبَدَ الْبَشَرِ
آپ اپنے دور کے سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا فرمان ہے کہ آپ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

لے

[illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

بہرحال جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی میٹھی اور پرسوز آواز میں تلاوت فرماتے تو
ارد گرد کے پہاڑ، شجر و حجر اور پرندے بھی آپ کے ہمنوا ہو جاتے۔ یہ کوئی سائنس
کی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو بھی آپ کے تابع کر دیا تھا۔ اور
خرقِ عادت کے طور پر اُن سے بھی ویسی ہی آواز نکلتی تھی، جیسے آپ تلاوت
فرماتے تھے۔ سورۃ نمل میں ہے ——— عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ (آیت ۱۶)
اللہ نے دونوں باپ بیٹے کو پرندوں کی بولیاں بھی سکھا دی تھیں، اور آپ کے
تابع بھی کر دیئے تھے۔ وہ بھی آپ کی آواز کے ساتھ آواز ملانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

معجزہ اور کرامت

اگر اللہ تعالیٰ عادت کے خلاف کوئی چیز کسی پیغمبر کے ہاتھ پر ظاہر کرے یا کوئی دیگر خرق عادت
واقعہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو یہ معجزہ کہلاتا ہے اور یہی چیز اگر ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو کرامت
کہلاتی ہے۔ معجزہ اور کرامت انسان کا اپنا فعل نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ کا فعل ہوتا ہے جسے
جب چاہے اور جہاں چاہے ظاہر کر دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے وَمَا كَانَ
لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (المؤمن - ۷۸) کسی نبی اور رسول کے
لائق نہیں ہے کہ وہ اذن الٰہی کے بغیر کوئی نشانی پیش کر سکے۔ اور اگر ایسی ہی کوئی
خرق عادت چیز کسی کافر، مشرک یا فاسق کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو وہ استدراج کہلاتا ہے
یعنی ایسے شخص کو بغاوت کی مہلت ملتی رہتی ہے پھر جب وہ مہلت پوری ہو جاتی
ہے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت آجاتی ہے۔ قرب قیامت کے واقعات میں دجال کا
ذکر بھی آتا ہے جو خدائی دعویٰ کرے گا اور اس کے ہاتھ پر بڑے بڑے عجیب و
غریب واقعات پیش آئیں گے جنہیں دیکھ کر لوگ دنگ رہ جائیں گے اور اس
طرح وہ اکثریت کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوگا، مگر یہ سب استدراج ہوگا،
جو مقررہ وقت پر ختم ہو جائے گا۔

پہاڑوں اور پرندوں کی ہمنوائی

حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس مقام پر ہے، کہ
اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو حکم دیا يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ "اے پہاڑو
حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کے ساتھ اپنی آواز کو ہم آہنگ کرو اور اُن کے ساتھ ہم نوائی کرو"

[illegible]

نے کپڑے سینے کا آغاز کیا۔ اس قرین زمانہ میں موجودہ دور ترقی کا دور کہا جاتا ہے جب
کہ پچھلی صدی کو لوہے کا دور (IRON AGE) کہا جاتا تھا۔ اس زمانے میں
لوہے سے بڑا کام لیا گیا اور بڑی مشینری تیار کی گئی جس کے ذریعے دنیا میں صنعتی انقلاب
آیا اور کاروبار حرب وضرب میں بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ آج چھوٹی سے چھوٹی
چیز سے لے کر بڑی بڑی مشینیں، ٹینک، ہوائی جہاز، بحری جہاز اور ریل گاڑیاں تک
لوہے کی کاریگری سے بنتی ہیں۔

لوہا ایک سخت دھات ہے جسے تیز آگ میں ہی نرم کیا جا سکتا ہے مگر اللہ
نے اس کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ پر معجزانہ طور پر نرم کر دیا تھا۔ مفسرین کرام فرماتے
ہیں کہ آپ کے لیے لوہا ایسا موم کی مانند تھا جس کو بغیر گرم کیے جس طرف چاہتے
موڑ کر اس سے اشیاء بنا لیتے۔ لوہے سے کام لینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے
آپ کو حکم دیا اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ آپ اس سے زرہیں بنائیں۔ زرہ لوہے
کی قمیص جو دوران جنگ میں بچاؤ کے لیے پہنی جاتی ہے۔ یہ چیز لوہے کی
چھوٹی چھوٹی کڑیوں کو ملا کر تیار کی جاتی ہے۔ سابقہ زمانے میں زرہ انسانی جسم کی
حفاظت کا ایک مؤثر ذریعہ تھی۔ اب زمانہ ترقی کر گیا اور جنگی ہتھیار کے طور پر
بڑے بڑے ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں ایجاد ہو چکی ہیں۔ بہر حال اللہ نے آپ کو
زرہیں بنانے کا حکم دیا۔

امام بغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل[1] میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام
خلیفۃ اللہ تھے۔ آپ بھیس بدل کر عام شہریوں میں گھل مل جاتے اور ہر ایک سے
پوچھتے کہ تمہارا خلیفہ کیسا ہے۔ اکثر لوگ آپ کی تعریف کرتے کہ بڑا نیک اور
عادل حکمران ہے۔ ایک موقع پر اسی طرح آپ نے کسی شخص سے دریافت کیا
تو اس نے کہا کہ ہمارا خلیفہ تو بڑا اچھا ہے، صرف ایک ہی نقص ہے کہ و

---

[1] معالم التنزیل ص ۱۸۷ ج ۳ (فیاض)

[illegible]

اسی طرح ناصر الدین محمود شاہ بہت بڑے سلطنت کے مالک تھے، مگر اپنے لئے قرآن کی کتابت سے گزر اوقات کرتے تھے۔ بعض دوسرے حضرات بھی کوشش کرتے تھے کہ بیت المال پر بوجھ نہ ڈالیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو افضل ہے، ورنہ بیت المال سے حسب ضرورت لے لینا جائز ہے۔

پیشہ وری — ایک دوسرا مسئلہ پیشہ وری کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کہ ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے مختلف لوگ مختلف پیشے اختیار کرتے ہیں۔ کوئی لوہے کا کام کرتا ہے تو کوئی لکڑی کا، کوئی برتن بناتا ہے تو کوئی کپڑا بنتا ہے، کوئی زرگری کرتا ہے تو کوئی مزدوری کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی بھی جائز کام کیا جائے معیوب نہیں ہے۔ ہمارے ہاں ہندوؤں کی طرف سے آنے والی ذات پات نے بعض پیشوں کو حقیر بنا دیا ہے جو کہ غلط ہے۔ کام کوئی بھی کرے مگر ہر انسان کا اخلاق اور کردار اچھا ہونا چاہیے اور دین و ایمان پر پکا رہنے والا اور نیکی کرنے والا ہو۔ ہر جائز پیشہ رحمت ہے۔ خود حضور علیہ السلام نے تجارت بھی کی ہے اور بکریاں بھی چرائی ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے اور ادریس علیہ السلام درزی کا کام کرتے تھے اور داؤد علیہ السلام زرہیں بناتے تھے۔ غرضیکہ محض پیشے کی بنا پر کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے اور نہ ہی کوئی پیشے کی بنا پر زیادہ باعزت ہوتا ہے بلکہ عزت کا اصل معیار تقویٰ ہے۔

اعتدال پسندی — اللہ نے فرمایا کہ لمبی زرہیں بناؤ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ اور کڑیوں کے جوڑنے میں اندازہ رکھو، زرہ سازی میں کڑیوں کی موٹائی اور لمبائی کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے اور ان کو جوڑتے وقت تناسب کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اس کام کو اندازے کے مطابق ٹھیک ٹھیک انجام دو۔ مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ کسی بھی کام کے کرنے میں وقت کا انضباط بھی

لہ بیان القرآن ص
(فیاض)

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ
وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۗ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ
بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۗ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ
عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۱۲﴾
يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ
وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۗ اِعْمَلُوْٓا
اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۗ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

ترجمہ:۔ اور سلیمان علیہ السلام کے لیے (ہم نے مسخر کر دیا) ہوا کو۔ اس کا پہلا پہر ایک ماہ کی مسافت طے کرتا اور پچھلا پہر بھی ایک ماہ کی۔ اور بہا دیا ہم نے اُس کے لیے تانبے کا چشمہ۔ اور وہ جنات ہیں سے تھے جو محنت کرتے تھے اُس کے سامنے اُس کے رب کے حکم سے۔ اور جو کوئی اُن میں سے بھی (سرکشی) اختیار کرتا تھا ہمارے حکم کے سامنے، ہم چکھاتے تھے اُس کو آگ کو عذاب (۱۲) وہ (جنات) کام کرتے تھے اس کے لیے جو وہ چاہتا تھا، یعنی قلعے، مجسمے، حوض نما پیالے اور جمی ہوئی دیگیں۔ (ارشاد ہوا) کام کرو اے آلِ داؤد، شکر گزاری کے لیے اور بہت تھوڑے ہیں میرے بندوں میں سے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ دنیا میں چار شخصیتوں کو تقریباً پوری دنیا پر غلبہ حاصل رہا ہے۔ ان میں سے دو ہستیاں اہلِ ایمان میں سے ہیں یعنی سکندر ذوالقرنین اور سلیمان علیہ السلام اور دو کافروں میں سے ہیں، ایک بابل کا بادشاہ بخت نصر اور دوسرا آشوریوں کا بادشاہ نمرود ان میں سے سلیمان علیہ السلام کی حکومت سب سے ممتاز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو وسائل حکومت عطا فرمائے تھے ان کا تھوڑا سا تذکرہ آج کے درس میں آرہا ہے۔

ہوا کی تسخیر

ارشاد ہوتا ہے وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ ہوا ایک ایسی ضروری چیز ہے جس پر ہر جاندار کی بقا اور حیات کی زندگی کا انحصار ہے۔ یونانی دور میں ہوا کو بسیط مانا جاتا تھا لیکن جدید تحقیق کے مطابق ہوا مرکب ہے اس میں آکسیجن، نائٹروجن اور ہائیڈروجن وغیرہ گیسیں ملی ہوئی ہیں۔ ہوا کا سب سے ضروری عنصر آکسیجن ہے جو ہر سانس کے ساتھ ہر جاندار کے اندر جاتا ہے اس کے ذریعے جاندار کا خون صاف ہوتا رہتا ہے۔ درخت دن کے وقت پتوں کے ذریعے آکسیجن کھینچتے ہیں اور رات کو کاربن ڈائی آکسائیڈ جیسی زہریلی گیس باہر نکالتے ہیں۔ آکسیجن ہوا کا لطیف ترین عنصر ہے جس پر زندگی کا انحصار ہے۔ اگر ایک منٹ کے لیے بھی سانس رک جائے تو کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ چونکہ یہ اس قدر ضروری چیز ہے، اس لیے اللہ نے اسے بالکل فری مہیا کیا ہے، ہوا پر کسی طاقت کی اجارہ داری نہیں اور یہ ہر ایک کو بلا محنت اور بلا قیمت میسر ہے۔ ہوا کے بعد دوسری ضروری چیز پانی ہے یہ بھی سستی ہونا چاہیئے اور ہر حکومت کو بلا ٹیکس پانی کی بہم رسانی کا انتظام کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد غذا کا نمبر آتا ہے جو انسان محنت کر کے حاصل کرتے ہیں۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ آپ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جان کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے پانی پر رکھی ہے کہ کرۂ ارض کے اردگرد پانی احاطہ کیے ہوئے ہے۔ بلکہ زندگی کی بنیاد اللہ نے ہوا پر بھی رکھی ہے انسانی زندگی کی یہ بنیاد بڑی کمزور ہے تھوڑی دیر کے لیے سانس رک جائے تو زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ کرۂ ارض کے اردگرد پانچ سو میل تک ہوا کا غلاف ہے۔ اگر ہوا کا یہ احاطہ چوڑا اور پست نہ ہوتا تو کروڑوں شہاب زمین پر گر گر کر اسے تباہ و برباد کر دیں اور انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ ہوا کا احاطہ ہے جو شہابیوں کے زمین تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے۔ اگرچہ پندرہ بیس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک شہاب امریکہ کے کسی علاقے پر گرا تھا جس سے مکانات کو آگ لگ گئی اور سینکڑوں جانیں تلف ہوگئی تھیں۔

تانبے کا چشمہ

فرمایا ایک اور چیز ہے ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر کر دیا اور دوسری چیز یہ کہ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ہم نے آپ کے لیے تانبے کا چشمہ بہا دیا تانبہ ایک مفید اور قیمتی دھات ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک اس کے بڑے بڑے برتن بنائے جاتے تھے۔ یہ دھات بجلی کی تاروں میں خاص طور پر استعمال ہوتی ہے کیونکہ یہ بجلی کی منتقلی میں بہترین ثابت ہوئی ہے۔ جس طرح اللہ نے داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا اور آپ بغیر تپائے اس سے زرہیں وغیرہ بناتے تھے، اسی طرح سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ نے تانبے کے چشمے جاری کر دیے تھے۔ وہاں سے تانبہ نکال کر آپ ظروف بناتے تھے۔ اب بھی صنعت و حرفت میں تانبے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

جنات کی تسخیر

ہوا اور تانبے کی تسخیر کے علاوہ اللہ نے فرمایا وَمِنَ الْجِنِّ اور ہم نے جنات کو بھی سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ یہ جنات اپنے پروردگار کے حکم سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے کام کرتے تھے۔ جنات سے مراد وہی غیر مرئی مخلوق ہے جو انسانوں کی طرح مکلف ہے مگر درجے میں ان سے کم تر ہے۔ جنات کی مختلف شکلیں

محراب کی تفسیر

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بعض کاموں کا ذکر فرمایا ہے جو جنات سلیمان علیہ السلام کے حکم پر انجام دیتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے یَعۡمَلُوۡنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ جنات سلیمان علیہ السلام کے لیے ان کی حسب منشا کام کرتے تھے۔ ان میں سے ایک کام قلعوں کی تعمیر تھا۔ محاریب محراب کی جمع ہے۔ ہمارے اہل عرف مسجد کے اس حصے کو کہا جاتا ہے، جہاں پر امام کھڑا ہوتا ہے، مگر یہ اس لفظ کا صحیح مصرف نہیں ہے کیونکہ ابتدائے اسلام میں تو مسجدوں کے محراب نہیں ہوا کرتے تھے۔ یہ قرن اولیٰ صدی کے آخر میں بننا شروع ہوئے۔ محراب خلفاء کی حفاظت کے لیے بنانے شروع ہوئے تاکہ دشمنانِ دین کوئی حملہ آور نہ ہو سکے۔ اب یہ رواج عام ہو چکا ہے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ امام کسی حد تک محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ مسجد میں ایک صف کی مزید گنجائش نکل آتی ہے۔ تاہم فقہائے احناف کہتے ہیں کہ امام کو محراب کے بالکل اندر نہیں کھڑا ہونا چاہیئے کہ وہ مقتدیوں کی نظر سے اوجھل ہو جائے بلکہ تھوڑا سا باہر نکل کر کھڑا ہونا چاہیئے۔ ویسے محراب کا عام لغوی معنی عمدہ قسم کا کمرہ ہے جس کا اطلاق عبادت خانے پر بھی ہوتا ہے۔ تاہم اس مقام پر محاریب سے مراد عمدہ قسم کے قلعے اور مکانات ہیں جو جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم پر تعمیر کرتے تھے۔ اور جن میں سرخ و سفید نفیس قسم کے پتھر لگائے جاتے تھے اس کی ایک مثال سورۃ النمل میں بھی گزر چکی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم پر جنات نے محل کے صحن پر شیشے کا خوبصورت فرش بچھا دیا تھا۔ ملکہ سبا نے سمجھا کہ یہ پانی ہے حالانکہ وہ شیشے کا نفیس فرش تھا جس کے نیچے پانی تھا۔

تماثیل مجسمہ سازی

فرمایا ایک تو جنات محراب بناتے تھے اور دوسرا وَتَمَاثِیۡلَ وہ مجسمے (STATUES) بھی بناتے تھے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ پہلے ادیان میں مجسمہ سازی ممنوع نہیں تھی مگر ہمارے دین میں کسی کنکری یا پتھر یا دھات کا مجسمہ بنانا یا ہاتھ سے تصویر بنانا یا کیمرے سے فوٹو لینا سب حرام ہے۔ قدیم زمانے میں کسی نیک آدمی کی شکل پر کوئی بت تراش لیتے تھے۔ اس کی تعظیم کرتے تھے اور اسی

[illegible]

اَتَصْوِیْرُ وُدٗ تصویر کشی کرنے والوں کو سخت سزا ملے گی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں تصویر کشی کا کام کرتا ہوں۔ آپ نے اس شخص کو قریب بلا کر فرمایا کہ تمہیں علم ہے کہ تصویر کشی حرام ہے۔ حضور نے جاندار چیزوں کی تصویر بنانے سے منع فرمایا ہے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ یہی تو میرا پیشہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ افسوس اگر تم نے یہی پیشہ اختیار کرنا ہے تو کم از کم جانداروں کی تصویر یں تو نہ بناؤ۔ بہرحال تمثیل کا لفظ صریح نہیں ہے۔ اس میں جاندار بھی آ گئے ہیں اور غیر جاندار پر بھی اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اگر قدیم زمانے میں لوگ جانداروں کے مجسمے بناتے تھے تو یہ ان کی شریعت میں تو مباح ہو سکتا ہے۔ ہماری شریعت میں قطعی حرام ہے۔

حوض نما پیالے اور دیگیں

تیسری چیز جس کا اللہ نے یہاں ذکر کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے حکم پر جنات بناتے تھے، وہ ہے وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ حوضوں کی مانند بڑے پیالے تھے، چونکہ سلیمانؑ کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہوتا تھا، اس لیے وہ لشکر کو کھانا اپنی حوض نما پیالوں میں کھلاتے تھے۔ اس کے علاوہ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ایک جگہ پر جمی رہنے والی بڑی بڑی ہانڈیاں بھی بناتے تھے۔ ظاہر ہے کہ لشکر کی کثرت کے پیش نظر ان کے لیے دافر کھانے کی ضرورت پیش آتی تھی جسے بڑی بڑی دیگوں میں پکایا جاتا تھا اور حوض نما پیالوں میں ڈال کر کھایا جاتا تھا۔ یہ کام بھی جنات کے سپرد تھا کہ وہ آہنی بڑی بڑی تانبے وغیرہ کی دیگیں تیار کریں، جن میں بڑی مقدار میں کھانا تیار کیا جا سکے۔ یہ اتنی بڑی بڑی دیگیں ہوتی تھیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں ہو سکتی تھیں بلکہ جہاں ایک دفعہ رکھ دی گئیں وہیں پڑی رہتی تھیں اور وہیں ان میں کھانا تیار کر لیا جاتا تھا۔ اس کی بعض مثالیں آج بھی ملتی ہیں، مثلاً اجمیر شریف میں ایک بہت بڑی دیگ ہے جو سکندر کی دیگ کے نام سے مشہور ہے۔ ایک دوسری دیگ بھی ہے

لے

[illegible]

کا شکر ادا کرتا ہوں تو یہ بھی تیری توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہوتا اور یہ مجھ پر ایک مزید انعام ہوتا ہے۔ اللہ نے خوش ہو کر فرمایا اے داؤد! جب تم سمجھ گئے کہ ساری نعمت میری جانب سے ہے تو تم نے شکر کا حق ادا کر دیا۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ آلِ داؤد کی مانند وہ شخص ہوگا، جو خوشی اور غصے میں عدل کو تھامے رکھے گا، دولت مندی اور احتیاج میں میانہ روی کو اختیار کرے گا، اور جس کے دل میں پوشیدہ اور ظاہر ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی خشیت ہوگی۔ ان تین خصوصیات کا حامل شخص آلِ داؤد کی طرح شکر گزاروں میں شامل ہوگا۔

مگر اللہ نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ میرے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔ اکثر لوگ میری نعمتیں تو استعمال کرتے ہیں مگر نہ زبان سے شکر ادا کرتے ہیں اور نہ اعضاء و جوارح سے بھی اطاعت و ادا اور قلب سے۔ جب آدمی ان تین اعضاء کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ تو گویا وہ اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اسی طرح جب زبان سے اللہ کی حمد و ثنا کہتا ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ جب دل میں خشیت الٰہی آ جائے تو یہ قلب کا شکر ہوتا ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک شخص دعا کیا کرتا تھا۔ کہ پروردگار! مجھے قلیل لوگوں میں سے بنا دے رَبِّ اجْعَلْنِي مِنَ الْقَلِيلِ۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تم یہ کیسی دعا مانگتے ہو کہ کثرت سے قلت میں آنا پسند کرتے ہو؟ کہنے لگا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ میرے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں اور میں قلت میں شامل ہونا اس لیے پسند کرتا ہوں کہ اللہ کے شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤں۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ عمر سے تو سارے لوگ ہی زیادہ سمجھ رکھتے ہیں اور حقیقت ہے کہ لوگوں کی اکثریت ناشکر گزار ہی ہے۔

۱؎ درمنثور ص ۲۲۹ ج ۵ (فیاض)

[illegible]

فلما قضينا عليه الموت ما دلهم على
موته إلا دابة الأرض تأكل منسأته
فلما خر تبينت الجن أن لو كانوا يعلمون
الغيب ما لبثوا في العذاب المهين ⑭

[illegible]

[illegible]

سر انجام دیتے تو وہاں پر آگ کے گڑھے بن سکتے تھے۔

بیت المقدس کی تعمیر

گزشتہ دروس میں جنات کے ذریعے بڑے بڑے قلعوں اور دیگر عمارات کی تعمیر کا ذکر آیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر بھی جنات کے سپرد کر رکھی تھی۔ وہ دور دور سے بڑے بڑے پتھر اٹھا کر لاتے اور پھر انہیں تراش کر عمارت میں لگاتے۔ اس عمارت کا نقشہ بھی بہت خوبصورت تھا اور اس پر پیسہ بھی بہت نفیس لگایا گیا۔ بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا مگر وہ آخری وقت میں بقیہ کام حضرت سلیمان علیہ السلام کے سپرد کر کے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ نے یہ کام اپنی خلافت کے چوتھے سال میں جنات کے ذریعے شروع کیا اور بعض روایات کے مطابق اپنے دور خلافت میں اسے مکمل کر لیا۔ تاہم بعض کہتے ہیں کہ عمارت کا کام تو آپ کی زندگی میں ہی مکمل ہو گیا تھا البتہ اس کی آخری زیب و زیبائش باقی تھی۔ بعض کا خیال ہے کہ ابھی سال بھر کا کام باقی تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا آخری وقت آ گیا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ تعمیر کا تھوڑا سا کام باقی تھا کہ آپ نے صخرہ پتھر پر کھڑے ہو کر بارگاہ رب العزت میں دعا کی کہ مولا کریم تو نے مجھے جو نعمت عطا فرمائی ہے اور جو فضیلت بخشی ہے مجھے اس کا شکر یہ ادا کرنے کی بھی توفیق عطا فرما۔ آپ نے بیت المقدس کے بارے میں یہ دعا بھی کی کہ پروردگار، جو شخص تیرے اس عبادت خانے میں داخل ہو، اس کو یہ پانچ چیزیں عطا فرما، یعنی

(۱) اگر اس مسجد میں کوئی گنہگار داخل ہو تو اسے توبہ کی توفیق عطا فرما کیونکہ مومن کے مقامات عالیہ میں سے پہلا مقام توبہ کا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلتَّائِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ ... (التوبہ - ۱۱۲) اللہ کے نیک بندے

ا۔ مدارک ص۳۷۰ ج۳ ۲۔ ۳۔ قرطبی ص۲۷ ج۱۴

۴۔ ۵۔ قرطبی ص۔۔ ج۱۴ (قیاس)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دیکھ سکتے تھے کہ آپ عبادت میں مصروف ہیں لہٰذا وہ اپنا کام کرتے رہے
سلیمان علیہ السلام اپنی لاٹھی کے سہارے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر عبادت کر رہے
تھے کہ اسی حالت میں آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ موت ہر ذی روح
کے لیے لازمی ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (الانبیاء - ۳۵) اس
سے پیغمبر بھی مستثنیٰ نہیں ہیں، لہٰذا سلیمان علیہ السلام بھی اپنے خالقِ حقیقی سے جا
ملے۔ یاد رہے کہ پیغمبروں کا یہ خاصہ ہے کہ ان کو وفات سے پہلے اطلاع دے
دی جاتی ہے اور دریافت کیا جاتا ہے کہ آپ کا کیا ارادہ ہے۔ اس کے بعد
جب ان کی طرف سے تمنا ہو جاتی ہے تو جان قبض کر لی جاتی ہے۔

سلیمان علیہ السلام شیشے کے کمرے میں بند ٹیک لگائے کھڑے تھے یا بیٹھے
تھے۔ جنات کام کر رہے تھے اور آپ کو دیکھ رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ
آپ مصروفِ عبادت ہیں مگر اندر جانے کی کوئی جرأت نہیں کرتا تھا۔ سلیمان علیہ السلام
اسی حالت میں اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اگر جنات انہیں زندہ سمجھتے ہوئے
اپنے کام میں مصروف تھے۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام ہو رہا
تھا تاکہ جنات کام چھوڑ کر نہ بیٹھیں لہٰذا کسی کو سلیمان علیہ السلام کے کمرے میں نہیں جانے
دیا۔ اس کی مثال عزیر علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ملتی ہے۔ اللہ نے ان پر سو سال
تک کے لیے موت طاری کر دی۔ آپ کا گدھا تو فنا ہو گیا اور اس کی ہڈیاں بھی
بکھر گئیں مگر آپ کا کھانا بالکل ترو تازہ رہا۔ اصحابِ کہف کا واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔
وہ تین سو سال تک غار میں پڑے رہے مگر اللہ نے کسی کو وہاں جانے نہیں دیا۔ جب
خود اللہ نے بیدار کیا تو حقیقتِ حال واضح ہوئی۔

جنات کو وفات کا علم

جنات اسی حالت میں کام کرتے رہے حتیٰ کہ ایک سال کا عرصہ گزر گیا۔ ادھر
بیت المقدس کی تعمیر کا کام بھی مکمل ہو گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام

۱؎ مظہری صفحہ ۷، ج ۸ (الہامی)

[illegible]

اختلاط کی وجہ سے کہ غلط چیزیں بھی مشہور ہو گئیں جنہیں لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ مثلاً سورۃ البقرہ میں موجود ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل نے اللہ کی کتاب تورات کو پس پشت ڈال دیا، اور اس کے بجائے جنات کے بنائے ہوئے جادو پر چل نکلے اور کفریہ اور شرکیہ باتوں میں ملوث ہو گئے۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ انہوں نے ان غلط چیزوں کو شیاطین کا کارنامہ قرار دینے کی بجائے انہیں سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔ اسی لیے اللہ نے وہاں وضاحت فرمائی وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ (البقرہ - ۱۰۲) کہ یہ کفر یعنی جادو سلیمان علیہ السلام کا تعلیم کردہ نہیں بلکہ یہ تو شیاطین لوگوں کو سکھاتے تھے بہرحال اس طرح کے غلط عقائد میں سے بنی اسرائیل میں ایک یہ عقیدہ بھی راسخ ہو گیا کہ جنات علم غیب جانتے ہیں۔ یہ تصور آج بھی کسی حد تک جہال میں پایا جاتا ہے چنانچہ جنات سے غیب کی خبریں دریافت کی جاتی ہیں۔ جبکہ صریح کفر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جنات چونکہ لطیف مخلوق ہے اور ان کی رفتار بھی بہت تیز ہے اس لیے وہ بعض چیزوں کو دیکھ کر ان کا علم رکھتے ہیں جسے بے وقوف لوگ علم غیب پر محمول کرتے ہیں جو کہ بالکل غلط ہے۔ غیب کا علم اللہ نے مخلوق میں سے کسی مقرب سے مقرب ہستی کو بھی نہیں دیا۔ اسی چیز کی تصدیق اس آیت کریمہ میں خود جنات کی زبانی ظاہر ہو رہی ہے کہ اگر ہم غیب دان ہوتے تو سلیمان علیہ السلام کی وفات کے باوجود سال بھر تک مشقت میں نہ پڑے رہتے۔ الغرض اللہ نے اس باطل عقیدہ کا رد فرما دیا ہے۔

جنات کی تسخیر اور عملیات

ایک مسئلہ اور رہ جاتا ہے کہ بعض لوگ عملیات کے ذریعے جنات کو تسخیر کر کے ان سے بعض کام لیتے ہیں۔ ہماری شریعت میں اس فعل کے متعلق کیا حکم ہے اس ضمن میں مولانا شاہ اشرف علی تھانوی اور بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں

لہ بیان القرآن جلد ۹ ص ۱۰ — (باقی ص)

[illegible]

[illegible]

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ
عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۬ۥ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ
رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ
غَفُوْرٌ ۞ ۱۵ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ
الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ
اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۞ ۱۶
ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ
اِلَّا الْكَفُوْرَ ۞ ۱۷

ترجمہ :- البتہ تحقیق قوم سبا کے لیے اُن کی بستی میں نشانی تھی۔ دو باغات دائیں اور بائیں جانب۔ کھاؤ اپنے پروردگار کی عطا کردہ روزی میں سے اور اُس کا شکر ادا کرو۔ یہ شہر ہے پاکیزہ اور پروردگار ہے بخشش کرنے والا ۱۵ پس اعراض کیا اُن لوگوں نے، پھر چھوڑ دیا ہم نے اُن پر نالہ زوردار سیلاب کا۔ اور ہم نے تبدیل کر دیئے اُن کے لیے دو باغوں کے بدلے دو ایسے باغ جن کا پھل کسیلا تھا، اور کچھ جھاؤ کے درخت اور کچھ تھوڑے سے بیر ۱۶ یہ ہم نے بدلہ دیا اُن کو اس وجہ سے کہ انہوں نے کفرانِ نعمت کیا اور ہم نہیں بدلہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ایک صحابی حضرت فروہ ابن مسیک جن کے بیٹے فُلاں تھے، اور ان کا تعلق وہاں کے قبیلہ مُراد سے تھا، یہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا، حضور! مجھے اجازت دیں کہ میں اپنی قوم کے ایمان دار لوگوں کو ساتھ لے کر اپنی ہی قوم کے کفار و مشرکین سے جنگ کروں، کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی۔ اور ساتھ ہی اپنی قوم کا امیر بھی مقرر کر دیا۔ پھر جب میں آپ کی مجلس سے چل دیا تو میرے پیچھے آدمی بھیج کر مجھے بلایا اور فرمایا پہلے اپنی قوم کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو جو شخص اسلام قبول کرے تم بھی اس کو قبول کرو، اور جو شخص ایمان نہ لائے تم اس کے ساتھ جلد بازی نہ کرنا بلکہ میری طرف سے مزید ہدایات کا انتظار کرنا

حضرت عروہؓ مزید بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن کی سورۃ سبا نازل ہوئی اور اس بات کا چرچا ہوا کہ اللہ نے قرآن میں قوم سبا کا ذکر کیا ہے تو آپ کی مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ سبا کیا تھا سبا کیا ہے۔ کیا یہ کسی خطے کا نام ہے یا کسی مرد یا عورت کو۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک آدمی کا نام تھا، اس کے دس بیٹے تھے۔ ان میں سے چھ تو یمن میں آباد ہو گئے، اور چار شام کے علاقے میں چلے گئے اس شخص کے نام پر اس قوم کا نام سبا مشہور ہوا اور پھر ملک کا بھی یہی نام پڑ گیا۔ سبا کی اولاد میں سے جو یمن میں آباد ہوئے ان قبیلوں کے نام، ازد، اشعر، حمیر، کندہ، مذحج اور انمار ہیں۔ اسی طرح شام میں آباد ہونے والے قبیلوں کے نام لخم، جذام، عاملہ اور غسان ہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا حضور! یہ انمار کیا ہے۔ فرمایا انمار وہی ہیں جن سے آگے خثعم اور بجیلہ کے قبیلے آباد ہوئے گویا یہ قبیلہ انمار کی مزید شاخیں ہیں۔ سبا کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ سبا ابن یشجب ابن قحطان۔ اسی لیے اس علاقے کے لوگ قحطانی عرب کہلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی عرب

ے حاشان صفحہ ۲۸۷ و ابن کثیر صفحہ ۵۳۱ و طبری صفحہ ۴۷ و جلد صفحہ ۳۶ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

سے سب کہ ریگستان میں خشک ہو جاتا ہے، اور کاشتکاری کے لیے استعمال نہیں ہو پاتا۔ قوم سبا نے پہاڑوں اور وادیوں میں بڑے بڑے بند باندھ کر پانی کو روک لیا اور اسے کھیتی باڑی کے لیے استعمال کرنے لگے۔ یہ کئی چھوٹے چھوٹے بند تھے مگر ان میں سب سے بڑا اور مشہور بند سد مآرب تھا جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ یہ بند دو پہاڑوں کے درمیان تعمیر کیا گیا تھا۔ اب اس کا ایک حصہ افتادہ ہے، تاہم تقریباً ایک تہائی ٹوٹی پھوٹی دیوار اب بھی نظر آتی ہے۔

یورپ کے ایک نامور سیاح کا مجلہ "فرینچ ایشیاٹک سوسائٹی" میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں اس نے سد مارب کا نقشہ بڑی محنت کے ساتھ تیار کیا ہے۔ اس کے مطابق بند کی دیوار پر جابجا کتبے لگے ہوتے تھے، جو کہ پڑھے گئے۔ بند کے اوپر نیچے کھڑکیاں تھیں جن کے ذریعے ڈیم کا پانی کھولا جا سکتا یا بند کیا جا سکتا تھا۔ اس بند کے دائیں اور بائیں یعنی مشرق و مغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر بیس ہزار درست زمینوں کو سیراب کرتا تھا۔ اس نظام آبپاشی کے لیے دائیں بائیں جانب اس ریگستانی اور شور زدہ ملک میں تین سو مربع میل تک بہشت زار تیار ہو گئی جس میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے۔ ان کو قرآن پاک میں جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ کہا گیا ہے۔

ایک یونانی مؤرخ جو مسیح علیہ السلام سے ۲۵ سال قبل ہوا ہے اور قوم سبا کا ہم عصر تھا، وہ بیان کرتا ہے کہ سبا عرب کے سرسبز و شاداب حصے میں بستے ہیں، جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں۔ سمندر کے کنارے پر خوبصورت درخت ہیں اور لوبان، مر، کنڈ، ارجنی اور چیر کے بلند و بالا درختوں کے جنگلات پائے جاتے ہیں، جن سے نہایت شیریں خوشبو نکلتی ہے۔ کہتا ہے کہ درختوں کی اقسام اور تنوع کی کثرت کے سبب الخ

ٰ لے ارض القرآن ص ۱۸۹، ۱۹۰ (قیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

روز مرہ میں سے کہا وَاشْکُرُوْا لَہٗ اور اس کا شکریہ ادا کرو، اس کا عام قانون یہی ہے۔ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ (ابراہیم - ۷) اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں مزید عطا کروں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میری سزا بھی بڑی سخت ہے۔ اللہ نے سبا کو بَلْدَۃٌ طَیِّبَۃٌ یہ ایک پاکیزہ شہر ہے وَرَبٌّ غَفُوْرٌ اور تمہارا پروردگار گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔

یہ پاک شہر کا لفظ بہت بڑی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے اور اس میں ہمارے لیے بھی بڑی تعلیم ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ یاد رکھو ملک کی بہتری اور پاکیزگی اس وقت ہوگی جب ملک فتنہ و فساد سے پاک ہوگا اگر شہروں میں شریر لوگوں کا غلبہ ہو۔ اشیاء کی گرانی کی وجہ سے لوگ مصائب میں مبتلا ہوں، تو ایسا شہر و ملک ہرگز پاکیزہ نہیں کہلا سکتا۔ اگر کسی ملک یا شہر پر ظالم برسرِ اقتدار آ جائیں گے وہ لوگوں کو ظلم و جور کا نشانہ بنا لیں گے۔ ملک میں بے چینی، ڈاکہ، چوری، اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوگا۔ اور ملک و شہر برباد ہو جائیں گے۔ اگر شہر میں عامل اور ادارے ہر قسم نقصان دہ کام کرتے ہوں، جادوگر اپنا کام دکھاتے ہوں، تخریب کار پوشیدہ طور پر لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتے ہوں، خوراک اور پانی میں زہر ڈالنے سے بھی دریغ نہ کرتے ہوں، جگہ جگہ دنگے کرتے ہوں، اغوا برائے تاوان کی وارداتیں ہوں، قتل و غارت کا بازار گرم ہو۔ بلکہ قتل کیے جاتے ہوں تو ایسے ملک یا شہر کو پاکیزہ کیسے کہہ سکتے ہیں، جہاں اصلاح کی بجائے فساد کی تعلیم دی جاتی ہو، ملک کے ساتھ اور کارخانے دار کے مزدور کے ساتھ برسرِ پیکار رہیں تو امن کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اسی طرح لوگ عادتِ قبیحہ یعنی شراب نوشی، زنا، اغلام بازی اور بدعتوں سے چھل چھبیلے اور علامتیں قیامت شہروں میں برپا ہو جائیں گی، سکون نصیب نہیں ہو سکتا۔ چوری، سود، رشوت اور ماپ تول میں کمی جیسی قبیح حرکات بھی شہروں کی اصلاح کی بجائے تباہی کا باعث بنتی ہیں اور ایسے شہر اور ملک پاکیزہ کہلانے کے مستحق نہیں۔

[illegible]

شکر ادا کرنے کی بجائے فَاَعْرَضُوْا اپنے پروردگار سے اعراض کیا، اس کی طرف رجوع کرنے کی بجائے اُس سے دوری اختیار کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ کہ ہم نے اُن پر زوردار سیلاب بھیج دیا۔ وہی سد مارب جو اُن کی خوشحالی کا باعث بنا ہوا تھا، اُن کے لیے تباہی کا باعث بن گیا۔ بند کی دیوار میں گھلس حقیقیہ آگ آئی جسے چوہوں نے کھا کھا کر دراز کر کے کھوکھلا کر دیا۔ بند میں شگاف پڑ گیا اور ایک زبردست سیلاب آیا جس نے پورے ملک میں تباہی پھیلا دی۔ کھیتیاں تباہ ہو گئیں، باغات اجڑ گئے، مکانات اور خورد و نوش کے تمام ذخیرے بہہ گئے اور اس طرح ایک خوشحال ملک کھنڈرات کا ڈھیر بن گیا۔ گذشتہ آیت میں جن دو پھل دار باغات کا ذکر کیا گیا ہے اُن کے متعلق اللہ نے فرمایا وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ہم نے ان دو باغات کو دو ایسے باغوں سے تبدیل کر دیا ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ جن کا پھل کسیلا ہوتا ہے وَّاَثْلٍ اور جھاؤ کے درخت ہوتے ہیں جن میں پھل آتا ہی نہیں وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ اور کچھ جنگلی بیریاں رہ گئے باقی پھل دار درخت سیلاب سے تباہ ہو گئے۔

فرمایا ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ہم نے ان کو یہ بدلہ ان کی ناشکری کی وجہ سے دیا۔ انہوں نے اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے اپنی خوشحالی پر اتراتے رہے تو اللہ نے اُن کو یہ بدلہ دیا۔ فرمایا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ اور ہم ایسا بدلہ نہیں دیتے مگر ناشکر گزاروں کو۔ اہل سبا کو تو اُن کی ناشکری کی سزا مل گئی۔ اللہ نے دوسرے لوگوں کو بھی سمجھا دیا کہ اگر توحید، رسالت، کتاب الٰہی اور قیامت کا انکار کرو گے تو ناشکر گزاروں میں شمار ہو گے اور تمہارا حشر بھی قوم سبا سے مختلف نہیں ہوگا۔

[illegible]

[illegible]

پر۔ پس بنا دیا ہم نے اُن کو قصے کہانیاں اور ہم نے اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر صابر اور شاکر شخص کے لیے (۱۹) اور البتہ تحقیق سچ کر دکھایا اُن پر ابلیس نے اپنے گمان کو، پس انہوں نے اس کا اتباع کیا سوائے مومنین کے ایک چھوٹے سے گروہ کے (۲۰) اور نہیں تھا اُس (ابلیس) کا ان پر کوئی غلبہ مگر تاکہ ہم ممتاز کر دیں اُس کو جو ایمان رکھتا ہے آخرت پر اُس شخص سے جو اس سے شک میں پڑا ہوا ہے اور تیرا پروردگار ہر چیز کی نگہبانی کرنے والا ہے (۲۱)

ربط آیات

اس رکوع میں اللہ نے قوم سبا کا ذکر فرمایا ہے۔ گزشتہ آیات میں پہلے اس قوم پر کیے جانے والے انعامات کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ہم نے اُن کو شہروں کی پرامن زندگی اور ہر طرح کی خوشحالی عطا فرمائی تھی مگر انہوں نے خدا تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے سے اعراض کیا تو اللہ نے تاریخی ڈیم میں سے تباہ کن سیلاب بھیج کر اُن کے باغات اور شہری آبادیاں تباہ و برباد کر دیں اور اُن کی زمین سے زرخیزی کی صلاحیت ہی ختم کر دی۔ اب جھاڑ اور جھنڈ رہ گئے۔ وہاں جنگلی جھاڑ جھنکاڑ اُگ آتا تھا جو یا تو بے پھل ہوتا تھا یا اس کا پھل کڑوا کسیلا تھا۔ البتہ بہت کم مقدار میں بعض جگہ جنگلی بیر ہو جاتے تھے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قوم سبا کے کچھ مزید حالات بیان فرمائے ہیں۔

نمایاں بستیاں

ارشاد ہوتا ہے وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً اور بنا دیں ہم نے اُن کی بستیوں کے درمیان اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی ہے، نمایاں بستیاں۔ بابرکت بستیوں سے مراد شام و فلسطین کی بستیاں ہیں جن کو اللہ نے ظاہری اور باطنی برکات سے نوازا ہے۔ پہلے سورۃ بنی اسرائیل میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ اللہ نے اس خطہ میں بہت سے نبیوں کو مبعوث فرمایا جن میں حضرت

[illegible]

[illegible]

[illegible]

لے کر شام تک اس شاہراہ پر چار ہزار سات سو شہر، قصبے اور دیہات تھے۔ اس راستے سے مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت ہوتی تھی۔ یمن کے ساحل کے بالمقابل ہندوستان (موجودہ پاکستان) کا ساحل ہے لہٰذا ہندوستان کا تجارتی مال یمن کے ساحل پر اُتر کر اونٹوں کے ذریعے شام و فلسطین پہنچتا اور وہاں سے مصر اور دوسرے افریقی ممالک تک جاتا۔ اسی طرح افریقہ کا مال سبا اور یمن کے راستے ہندوستان واپس جاتا۔ چنانچہ یہ شاہراہ سارا سال مصروف رہتی اور یہ نمایاں بستیاں بھی پُر رونق رہتیں۔ چاین تک کا تجارتی مال اسی راستے سے آتا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ حج اور عمرہ کرنے والے لوگ بھی اسی راستے سے آتے جاتے تھے۔ اور ان نمایاں بستیوں کی وجہ سے انہیں بڑا آرام تھا۔ ٹھہرنے کے لیے سرائیں تھیں اور ضروریات کی اشیاء بھی مل جاتی تھیں۔ سبا کی یہ آبادی مسیح علیہ السلام سے آٹھ سو سال قبل اپنے جوبن پر تھی، پھر حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے اس علاقے کو ملیامیٹ کر دیا گیا جیسا کہ گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے۔

"ارض القرآن" کے مصنف لکھتے ہیں[1] کہ سبا کی دولت کا انحصار زیادہ تر تجارت پر تھا۔ یہ لوگ کاشتکاری بھی کرتے تھے اور ان کے باغات سینکڑوں مربع میل پر پھیلے ہوئے تھے۔ اس علاقے کے ایک طرف ہندوستان کا ساحل اور دوسری طرف افریقہ کا ساحل ہے۔ دونوں براعظموں کے درمیان خوب تجارت ہوتی تھی، سونا، قیمتی پتھر، مصالحے، خوشبو، ہاتھی دانت وغیرہ کا لین دین ہوتا تھا۔ برصغیر کا مال یمن کے ساحل پر اترتا اور پھر وہاں سے خشکی کے راستے حجاز سے ہوتا ہوا، شام و فلسطین اور آگے افریقہ تک جاتا تھا۔ اور پھر اسی راستے سے واپسی تجارت ہوتی۔ اس شاہراہ کو قرآن پاک میں "امام مبین" سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسی سفر کو سورۃ قریش میں رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِ یعنی موسم گرما اور

---

[1] ارض القرآن صـ ۲۶۸ ج ۱ (فیاض)

[illegible]

بعد اہل سبا کے چھ خاندان یمن میں اور چار شام و فلسطین میں جا آباد ہو گئے اور اس طرح یہ مصروف ترین شاہراہ بھی بند ہو گئی۔ فرمایا اس سرسبز و شاداب علاقے سے قوم سبا کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ہم نے ان کو افسانے بنا کر رکھ دیا۔ ایسی بربادی آئی کہ ان کا نام صرف تاریخ تک محدود ہو کر رہ گیا۔ لوگ ان کی خوش حالی، جاہ و حشمت، تاریخی ڈیم اور پھر ان کی تباہی کی باتیں عبرت کے طور پر سنتے سناتے تھے۔ فرمایا وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اور ہم نے ان کا شیرازہ اس طرح بکھیر کر پارہ پارہ کر کے رکھ دیا، کوئی کدھر چلے گئے اور کوئی کسی دوسری جگہ جا آباد ہوئے۔ ارض القرآن[1] کے مصنف یہ بھی لکھتے ہیں، کہ اہل سبا کے زوال کے بعد یونانیوں اور رومیوں نے مصر اور شام پر قبضہ کر لیا، اور ہندوستان اور افریقہ کے درمیان تجارت کو بری راستے سے بحری راستے پر ڈال دیا اب تجارتی مال بحر احمر کے راستے سواحل مصر و شام پر اترنے لگا۔ اس طریق تجارت نے یمن سے شام تک بری راستے کی خاک اڑا دی اور سبا کی تمام بستیاں ویران ہو گئیں۔

فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ بے شک اس میں ہر صابر و شاکر آدمی کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو شخص یا قوم خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا کرتی ہے اور مصائب پر صبر کا اظہار کرتی ہے وہ سمجھ سکتی ہے کہ ناشکر گزاری کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور خدا کی ناراضگی کس طرح شامل حال ہوتی ہے۔ اس قسم کے واقعات بلاشبہ نشانات عبرت ہیں۔

شیطان کی کارگزاری

اللہ نے ارشاد فرمایا ہے وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ اور البتہ تحقیق شیطان نے ان لوگوں پر اپنا گمان سچا کر دکھایا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت ہی شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ تو نے آدم کو مجھ پر برتری عطا کی ہے لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗ (بنی اسرائیل-۶۲) میں اس کی اولاد کے منہ میں ضرور لگام ڈالوں گا۔ اور انہیں گمراہ کر دوں گا۔ چنانچہ ابلیس نے اہل سبا کو گمراہ کر کے ناشکری پر مائل کیا جو ان کی تباہی کا سبب بنا۔ گیا اور اسی طرح

[1] ارض القرآن ص۲۶۹ ج۱

[illegible]

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ
فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝۲۲
وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ
حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ
رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝۲۳

ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبرؐ) پکارو تم اُن کو جن کو تم گمان کرتے ہو (معبود) اللہ کے سوا۔ نہیں مالک وہ مقدار ایک ذرے کے آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ اور نہیں اُن کے لیے اِن دونوں میں کسی قسم کی کوئی شراکت۔ اور نہیں ہے اس (اللہ) کے لیے اِن میں سے کوئی مددگار ۝۲۲ اور نہیں کام دے گی سفارش اُس (اللہ) کے پاس مگر اس کے لیے جس کے لیے وہ اجازت دے۔ یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے اُن (فرشتوں) کے دلوں سے تو کہتے ہیں کیا فرمایا تمھارے پروردگار نے؟ وہ کہتے ہیں کہ اُس نے حق بات فرمائی ہے، اور وہ بلند ہے اور بڑائی والا ہے ۝۲۳

[illegible]

ہی سے کہ دیں کہ بیکار ہو تم ان کو جن کو تم اللہ کے سوا گمان کرتے ہو کہ یہ ہماری حاجتیں پوری کرتے ہیں یا ہماری مشکلات حل کرتے ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ ان میں بھی الوہیت کی کوئی چیز پائی جاتی ہے۔ ذرا ان کو پکار کر تو دیکھو کہ یہ تمہاری کون سی حاجت پوری کرتے ہیں۔ یہودی عزیر علیہ السلام کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور عیسائی مسیح علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہیں۔ مشرکین مکہ و عرب، لات، منات اور عزیٰ وغیرہ سے مشکلات حل کرتے تھے، یہ سب شرک کی باتیں ہیں، جو نزول قرآن کے زمانہ میں پائی جاتی تھیں اور آج بھی بدستور موجود ہیں۔ اللہ نے اسی کا رد فرمایا ہے

شرک فی التدبیر
واقعی ہے

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے اور خالق ہونے میں کوئی بھی شرک نہیں کرتا خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ البتہ مشرک لوگ تیسرے اور چوتھے درجے یعنی تدبیر اور عبادت کے معاملہ میں آکر پھنس جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ دوسرے بھی تدبیر کے بڑے کام انجام دیتے ہیں، حالانکہ اہل ایمان کا پختہ عقیدہ رہی ہے جو قرآن پاک نے بیان کیا ہے۔ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (السجدۃ - ۵) آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کی تدبیر خود اللہ تعالیٰ کرتا ہے جس میں کسی کو دخل نہیں۔ مگر لوگ قسمت کے بننے بگاڑنے کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کہ یہ ہی ان کا ہم کو حاصل ہوتا ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے اختیارات عیسیٰ علیہ السلام کو سونپ رکھے ہیں۔ مدد اور بھی لوگوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے ہیں بعض لوگ دوسری ہستیوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ خدا تو نہیں مگر اللہ نے ان پر الوہیت کی چادر ڈال رکھی ہے اور ان کو تصرف کا اختیار دے رکھا ہے۔ یہ شرک فی التدبیر ہے۔ اس مقام پر بھی اللہ نے شرک کی اسی قسم کا ذکر کیا ہے کہ مشرک لوگ جن ہستیوں کو اللہ کے سوا کارساز سمجھتے ہیں۔ لَا يَمْلِكُونَ

ل

[illegible]

بادشاہوں پر قیاس کر کے شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح کسی بادشاہ، صدر، امیر یا وزیر تک رسائی حاصل کرنے کے لیے درمیان میں واسطے اور سفارش کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح خدا تک پہنچنے کے لیے بھی سفارش کی ضرورت پڑتی ہے۔ پھر وہ مخلوق میں سے اپنے سفارشی ڈھونڈتے ہیں جو ان کی بات کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا سکیں۔ قرآن پاک نے ان کا بیان نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس-۱۸) اللہ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں جو سفارش کر کے دنیا میں ہماری بگڑی بنوا دیں گے اور آخرت میں عذاب سے چھڑا دیں گے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ان خود ساختہ معبودوں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ ان پر چڑھاوے کیوں چڑھاتے ہو ان کے نام کی منتیں کیوں مانتے ہو۔ اور ان کے سامنے سجدہ ریز کیوں ہوتے ہو تو جواب دیتے ہیں۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر-۳) کہ ہم ان کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں۔ ہماری دعا تو وہ قبول نہیں کرتا یہ سفارش کر کے خدا تعالیٰ کو منا لیتے ہیں خواہ وہ راضی ہو یا ناراض ہو۔ مگر اللہ کے ہاں ایسی سفارش کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اللہ نے یہاں بھی اسی بات کا اعادہ کیا ہے وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ اللہ کے ہاں کوئی سفارش مفید نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ خود کسی سفارش کرنے کی اجازت نہ دے دے۔ غرضیکہ جبری سفارش والا عقیدہ بالکل باطل ہے۔

جائز سفارش

البتہ دین میں جائز سفارش کا تصور واضح طور پر موجود ہے۔ آپ حدیث میں پڑھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت والے دن مقام محمود پر فائز ہوں گے تو شفاعت صغریٰ بھی کریں گے اور شفاعت کبریٰ بھی۔ شفاعت کبریٰ تو تمام بنی نوع انسان کیلئے ہوگی اللہ تعالیٰ حساب کتاب شروع کریں گے اور شفاعت صغریٰ صرف امت کے حق میں ہوگی حضور علیہ السلام

[illegible]

اور کہتے ہیں کہ تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے، پھر اُوپر کے طبقے والے فرشتے کہتے ہیں قَالُوا الْحَقَّ کہ اللہ نے حق بات فرمائی ہے۔ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ اور وہ ذات بہت بلند اور بڑی عظمت و بڑائی والی ہے۔

مطلب یہ کہ فرشتے تو خود اس قدر بے بس اور اللہ کے خوف سے بے ہوش ہونے والے ہیں، وہ کسی کی کیا سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا تم نے لوگوں کو کہا تھا کہ ہمیں اللہ کا شریک بنالینا۔ تو فرشتے صاف کہہ دیں گے کہ پروردگار، ہم تو خود تیرے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے، کارساز، حاجت روا اور مشکل کشا ماننے کے لیے تیار نہیں۔ سُبْحٰنَكَ تیری ذات پاک اور منزہ ہے، ہم کیسے کہہ سکتے تھے کہ ہمیں، اللہ تعالیٰ کی کسی صفت یا اس کی عبادت میں شریک بنالو۔

الغرض اس مقام پر شرک کی تردید میں اللہ نے دو باتیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کے ہاں جبری سفارش کا کوئی تصور نہیں ہے اور دوسری یہ کہ تدبیر اور تصرف میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ آگے توحید کے مزید دلائل اور قیامت کا ذکر آئے گا۔

قل من يرزقكم من السموات والأرض قل الله وإنا أو إياكم لعلى هدى أو في ضلال مبين ۞ قل لا تسئلون عما أجرمنا ولا نسئل عما تعملون ۞ قل يجمع بيننا ربنا ثم يفتح بيننا بالحق وهو الفتاح العليم ۞ قل أروني الذين ألحقتم به شركاء كلا بل هو الله العزيز الحكيم ۞ وما أرسلناك إلا كافة للناس بشيرا ونذيرا ولكن أكثر الناس لا يعلمون ۞ ويقولون متى هذا الوعد إن كنتم صادقين ۞ قل لكم ميعاد يوم لا تستأخرون عنه ساعة ولا تستقدمون ۞

[illegible]

بارے میں جو ہم نے کیے ہیں۔ اور ہم سے نہیں پوچھا جائے گا اُن کاموں کے بارے میں جو تم کرتے ہو (۲۵) آپ کہہ دیجیے، جمع کرے گا ہم سب کو ہمارا پروردگار پھر فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق کے ساتھ۔ اور وہ فیصلہ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (۲۶) آپ کہہ دیجیے، مجھے بتلاؤ وہ جن کو تم نے ملایا ہے اُس کے ساتھ شریک بنا کر۔ خبردار، بلکہ وہ اللہ ہی ہے جو کمال قدرت کا مالک اور حکمتوں والا ہے (۲۷) اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۲۸) اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ کو کب پورا ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو (۲۹) آپ کہہ دیجیے تمہارے لیے وعدہ ہے ایک دن کا۔ نہیں پیچھے ہٹو گے تم اُس سے ایک گھڑی بھر بھی اور نہ اُس سے آگے ہو گے (۳۰)

ربط آیات

ابتدائے سورۃ میں اللہ نے توحید کے دلائل بیان فرمائے پھر درمیان میں شکرگزار اور ناشکرگزاروں کا حال ذکر کیا اس کے بعد شرک اور مشرکوں کا رد کیا۔ اُن کے تدبیر اور تصرف میں غلط عقائد کی نفی کی اور ساتھ ساتھ جبری اور قہری سفارش کے مزعومہ نظریات کی تردید کی۔ فرمایا بعض لوگ فرشتوں کو اپنا کارساز اور سفارشی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ تو خود خدا تعالیٰ کے سامنے خوفزدہ رہتے ہیں اور اللہ کے حضور ہمیشہ عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ صادر فرماتا ہے تو فرشتے پر پھیلا دیتے ہیں۔ اُن پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ پھر جب اُن کی دہشت کسی حد تک دُور ہوتی ہے تو نیچے بیٹھے ہوئے فرشتے اوپر والوں سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے، وہ آگے سے جواب دیتے ہیں کہ اللہ نے

[illegible]

گی، اب زمین کرۂ ہوا سے گزر کر نہایت ہی نرم و نازک پودے کو نکالا اور پھر اسے حد کمال تک پہنچا کر انسانوں اور جانوروں کی روزی کا سامان مہیا کیا۔ اللہ نے سورۃ بقرہ میں بھی فرمایا وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ (آیت ۲۲) ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا اور پھر اس کے ذریعے تمہارے کھانے کے لیے پھل پیدا کیے۔ عربی میں سما ہر اوپر والی چیز کو کہتے ہیں۔ بادل بھی چونکہ اوپر ہی ہوتے ہیں اس لیے بارش کے نزول کے لیے سما کا لفظ ہی عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ تاہم اوپر سے مراد اوپر سے نازل ہونے والا حکم الٰہی بھی ہے۔ دراصل اسی حکم کے ذریعے بارش نازل ہوتی ہے ورنہ بسا اوقات بادل بھی آتے ہیں مگر بارش بالکل نہیں ہوتی یا کسی دوسری جگہ ہو جاتی ہے۔

رزق بدست خدا

دراصل رزق رسانی مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ (الرعد ۲۶) جس کے لیے چاہتا ہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذاریات ۲۲) تمہاری روزی اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، اس کا تعلق آسمان سے ہے اوپر سے حکم آتا ہے تو تمہیں اس حکم کے مطابق کم و بیش روزی مہیا ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان میں موجود ہے فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ (العنکبوت ۱۷) روزی ہمیشہ اللہ سے طلب کرو کیونکہ اسباب رزق کا مالک وہی ہے۔ اللہ نے خود بھی بار بار اعلان فرمایا کہ روزی رسانی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور وہ ہر جاندار کی روزی کا ذمہ دار ہے۔ فرمایا وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ کتنے ہی جانور، چرند، پرند ہیں جو اپنی روزی پشت پر نہیں اٹھائے پھرتے۔ مگر اللہ ہی انہیں روزی پہنچاتا ہے اور تمہیں بھی۔ جس طرح خشکی پر بسنے والے ہر جاندار کیڑے مکوڑے، انسان، حیوان، پرند، چرند اور درندے کی روزی اللہ کے ذمے ہے، اسی طرح سمندروں کی تہ میں

[illegible]

اگر یہ لوگ انسانوں، جنوں یا فرشتوں پر بھروسہ کیے بیٹھے ہیں تو وہ بھی بے اختیار ہیں، اللہ کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔ اُن میں سے نہ کوئی خالق ہے، نہ مالک ہے اور نہ مدبر و متصرف ہے۔ تو یہ تمھاری کون سی مشکل حل کریں گے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر مخاطب کو اس بہترین انداز میں تبلیغ کی جائے کہ اُسے سوچنے سمجھنے کا موقع مل سکے تو اس کے بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ اسی اصول کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے دلیل توحید پیش کرنے کے بعد فرمایا۔ وَاِنَّآ اَوْ اِیَّاکُمْ لَعَلٰی هُدًی اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ بے شک ہم یا تم البتہ ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں۔ مقصد یہ کہ مشرک اور موحد میں جو نظریات کا اختلاف ہے اس کی وجہ سے ایک فریق یقیناً ہدایت پر ہے اور دوسرا گمراہ ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں فریق نہ صحیح راستے پر ہو سکتے ہیں اور نہ دونوں کا عقیدہ غلط ہوگا بلکہ ان میں سے ایک ضرور صراط مستقیم پر ہے۔ اب یہ ہمارا اور تمھارا فرض ہے کہ اچھی طرح سوچ سمجھ لیں اور پھر فیصلہ کریں کہ کون حق پر ہے اور کون گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید کو سمجھانے کا یہ بہترین انداز اختیار فرمایا ہے۔

ذمہ داری اپنی اپنی

مشرکین کو اعتراض تھا کہ اہلِ ایمان ان کے بتوں کی مذمت بیان کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی مسلمانوں کو برا بھلا کہتے تھے اور یہ بھی کہ بتوں کی برائی بیان کر کے تم نے غلط راستہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہ اللہ کے مقرب ہیں اور ان کی توہین لامحالہ اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا قُلْ لَّا تُسْئَلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر توحید خداوندی کا اثبات اور شرک کا رد جرم ہیں تو پھر ہم ان کا اقرار کرتے ہیں ——— اور ان مفروضہ جرائم کے بارے میں تم سے

لے

الْحَكِيْمُ بلکہ وہ اللہ ہی ہے جو کمالِ قدرت کا مالک، ہر چیز پر غالب اور کمال حکمتوں والا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

عالمی نبی

اگلی آیت میں اللہ نے رسالت کے بیان میں فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرسنانے والا بنا کر۔ کافۃ للناس کا مطلب دنیا بھر کے لوگوں کے لیے ہے خواہ ان کا تعلق کسی ملک، قوم، نسل سے ہو، آپ سب کی طرف رسول ہیں۔ عربی ترتیب کے لحاظ سے یہ لفظ بشیر و نذیر کے بعد آنا چاہیے تھا مگر مضمون کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے اسے پہلے لایا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ صرف عرب کے خطے یا عرب قوم کے لیے نبی اور رسول بن کر نہیں آئے بلکہ آپ کی رسالت کا دائرہ زمین پر بسنے والے ہر انسان تک وسیع ہے۔ اب اس میں کسی زمانے کی قید بھی نہیں ہے۔ بلکہ قیامت تک آنیوالی نسلیں آپ ہی کی امت کا حصہ ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا، اللہ نے مجھے دوسرے انبیاء کے مقابلے میں بعض خصوصیات عطا فرمائی ہیں اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ بُعِثْتُ اِلَى كَآفَّةِ النَّاسِ یعنی میں تمام بنی نوع انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔ اور میری یہ خصوصیت بھی ہے[1] وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ کہ مجھ پر سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا ہے۔ اب قیامت تک میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے[2] بُعِثْتُ اِلَى الْاَسْوَدِ وَالْاَحْمَرِ میں ہر کالے اور گورے کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس میں کسی قوم، رنگ اور نسل کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ فرمایا اللہ نے مجھے عالمی نبی بنا کر بھیجا ہے۔[3] وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

---

[1] مظہری صفحہ ۳۰ ج ۸ [2] مظہری صفحہ ۳۰ ج ۸ (فیاض)
[3] ابن کثیر صفحہ ۵۳۹ ج ۳

[illegible]

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ
وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ
مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ
اِلٰى بَعْضِ ۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا
لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾
قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا
اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ
بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ
اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ
وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا
رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ:- اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ ہم
ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ان کتابوں پر

[illegible]

[illegible]

قیامت کا وہ مقررہ دن بر پا ہو جائے گا۔ اور اس میں گھڑی بھر کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہوگی۔

قرآن پاک کی حقانیت

اب قرآن پاک کی حقانیت کے ضمن میں قیامت کے دن اس کے منکرین کے دو گروہوں کے درمیان مکالمے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اسی دنیا میں اس کا انکار کرنے والے آخرت میں پچھتائیں گے اور پھر ایک دوسرے پر الزام دھریں گے ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ کہ ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے اس قرآن پر وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے آئی ہیں۔ مشرکین کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کسی آسمانی کتاب کو نہیں مانتا تھا۔ اس کی وجہ یہی آگے آ رہی ہے کہ اللہ کی کتابوں میں مذکور پروگرام ان لوگوں کے خود ساختہ رسم و رواج پروگرام سے مطابقت نہیں کھاتا تھا۔ چونکہ وہ اپنی فرسودہ رسوم کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے لہٰذا وہ آسمانی کتابوں کا سرے سے انکار ہی کر دیتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ کبھی طرح طرح کے شکوک و شبہات کا اظہار کرتے اور کبھی اسے ناقابل عمل قرار دیتے تھے۔ اللہ نے دوسری جگہ قرآن میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کو قیامت اور محاسبۂ اعمال کا تصور نہیں تھا ورنہ یہ قرآن اور آخرت کا انکار نہ کرتے۔

ظاہر ہے کہ قرآن پاک تو ہر شخص کے عقیدے، عمل اور اخلاق پر پابندیاں عاید کرتا ہے، حلال و حرام کے درمیان امتیاز پیدا کرتا ہے، ظلم و تعدی سے منع کرتا ہے، قومی و ملکی رسم و رواج کی مخالفت کرتا ہے، اسی لیے مشرک لوگ نہ تو قرآن کو تسلیم کرنے کے لیے تیار تھے کیونکہ وہ اپنی آزادی کی راہ میں کوئی پابندی قبول کرنا چاہتے تھے، لہٰذا وہ سرے سے انکار ہی کر دیتے تھے۔

انگریز بھی قرآن پاک کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ یہ قوم جس عیاشی، فحاشی، زنا، لواطت، گندی ذہنیت، گندی فکر اور کفر و شرک میں مبتلا

[illegible]

تابع اور متبوع کی کشمکش

آگے اللہ تعالیٰ نے آخرت کی ایک کیفیت کو بیان کیا ہے۔ فرمایا آج تو منکرین توحید، منکرین رسالت، منکرین قرآن اور منکرین معاد دندناتے پھرتے ہیں اور تمسخر اڑاتے ہیں مگر قیامت والے دن ان کی حالت قابلِ دید ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے اے مخاطب وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ اگر آپ دیکھیں جب کہ ظالم لوگ کھڑے کئے جائیں گے اپنے پروردگار کے سامنے يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨ الْقَوْلَ اس وقت ان میں بعض بات کو دوسروں کی طرف لوٹائیں گے، یعنی ایک دوسرے پر الزام تراشی کریں گے اللہ تعالیٰ کے جلال کے سامنے جب اپنے اعمال پر نظر ماریں گے تو سخت مایوسی ہوگی اور پھر وہ اپنی بدبختی کے لیے ایک دوسرے کو ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔ پھر يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا پیچھے چلنے والے کمزور لوگ متکبر اور مغرور لوگوں سے کہیں گے لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ اگر تم نہ ہوتے تو ہم یقیناً ایماندار ہوتے اور یہ رسوائی نہ اٹھانا پڑتی۔ مطلب یہ کہ ہم دنیا میں تم سے کمزور تھے، تم ہمارے لیڈر، پیشوا، مل مالک اور جاگیردار تھے۔ ہم ہر کام میں تمہارا اتباع کرتے رہے جس کا نتیجہ آج یہ نکلا ہے کہ تم خود بھی جہنم میں جا رہے ہو اور تمھارے پیچھے پیچھے ہم بھی اسی رستے پر جا رہے ہیں۔ یہ عام محاورہ بھی ہے اَلنَّاسُ عَلٰى دِيْنِ مُلُوْكِهِمْ لوگ اپنے بادشاہوں یا بڑوں کے دین پر ہوتے ہیں، انہی کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں تو قیامت والے دن تابع لوگ متبوعین سے کہیں گے کہ ہمارا بیڑا تم نے غرق کر دیا ہے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا اس کے جواب میں متکبر لوگ کمزور لوگوں سے کہیں گے اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ کیا ہدایت آجانے کے بعد ہم نے تمہیں اس سے روکا تھا؟ مطلب یہ کہ ہم نے تمہیں ہاتھ سے پکڑ کر تو صراطِ مستقیم سے نہیں روکا تھا بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ بلکہ تم خود ہی مجرم تھے۔ یعنی غلط

[illegible]

کی جاتی ہے۔ اس کام کے لیے دنیا بھر میں ہزار روپیہ صرف کر رہے ہیں وہ عیسائیت کو اسلام پر غالب کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ (آل عمران - ۱۶۰) کافروں کے مال ان کے کچھ کام نہ آئے بلکہ اس مال کا وبال انہی پر پڑے گا۔ جب اللہ کی گرفت آئیگی تو لعنت میں مبتلا ہو جائیں گے

امیر شکیب ارسلانؒ نے لکھا ہے کہ یورپ کے عیسائیوں اور یہودیوں نے قرآن پاک اور حضور علیہ السلام کی سیرت کے خلاف چھ لاکھ کتابیں اور رسالے شائع کیے ہیں تاکہ لوگ اسلام کی طرف مائل نہ ہوں اور جو ہو چکے ہیں۔ وہ بدظن ہو جائیں مشرقی علوم کے ماہر مغربی دانشور (مستشرقین) ایسا سبق پڑھاتے ہیں اور ایسے طریقے سے گمراہ کرتے ہیں کہ سادہ لوح لوگ اُن کے دام میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایوب کے زمانے میں فضل الرحمان نے ایک قبیح شوشہ چھوڑا تھا کہ قرآن سارے کا سارا خدا کا کلام نہیں ہے۔ اُس شخص کو حکومت میں بڑا عہدہ ملا ہوا تھا۔ اور بڑے انعام و اکرام ملے تھے۔ مگر اس نے اس قسم کا شوشہ چھوڑا، تو ملک بھر میں احتجاج ہوا۔ جس کی بناء پر اُسے حکومت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ یہ شخص مولانا شہاب الدینؒ کا فرزند تھا جو کہ خود بڑے صالح اور نیک آدمی تھے حضرت مولانا شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے مگر مغرب والوں نے ایسا چکمہ دیا کہ الٹی سیدھی باتیں کرنے لگا۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے بہاولپور کا ایک پروفیسر مغربی تعلیم حاصل کر کے آیا تو اُس نے ایک مقالہ لکھا تھا جس میں حضور علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ پر بڑے غلط قسم کے اعتراضات کیے تھے، اس سے حضور علیہ السلام کی زندگی کو عام سیاستدانوں جیسی زندگی ثابت کرنا مقصود تھا۔ یہ اور اس قسم کے لوگ عیسائی اور یہودی لابیوں سے متاثر ہو کر اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ اُن کے پاس کثیر فنڈ ہوتے ہیں جنہیں خرچ کر کے وہ اپنے قبیح مقصد میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہی اُن کا شب و روز کا فریب ہے، وہ حدیث کی تحقیق کے نام پر گمراہ کن کتابیں شائع

[illegible]

باطل کے طوق پڑے ہوئے ہیں مگر یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ہماری گردنیں اونچی ہو رہی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہی چیزیں قیامت والے دن ان کے لیے ذلت کا سبب بن جائیں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص خواب میں اپنے آپ کو ہتھکڑی یا بیڑی پہنے ہوئے پائے تو یہ اس کے لیے اچھی علامت ہے۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دین میں پختہ ہے۔

قبر پرستی

اب دیکھیں کس کس قسم کی بدعات کا طوق گلے میں ڈال رکھا ہے۔ قبروں کو پختہ بنایا جا رہا ہے۔ ان پر گنبد تعمیر ہوتے ہیں۔ سنگ مرمر لگتا ہے۔ پھر انہیں عرق گلاب سے دھویا جاتا ہے اور اوپر چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ آخر یہ کہاں کی نیکی ہے اور صاحب قبر کو اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ خانہ کعبہ کو غسل دینا اور اس پر غلاف چڑھانا تو بجا طور پر جائز ہے مگر قبروں کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ چادریں مسکینوں کی تن پوشی کے لیے استعمال نہیں ہو سکتیں؟ فرمایا هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ان کو ان کے خود کردہ اعمال ہی کا بدلہ ملے گا، اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ کفر کے راستے پر چلنے والوں کا انجام بھی اللہ نے بیان فرما دیا۔

وَمَآ أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَآ
إِنَّا بِمَآ أُرْسِلْتُم بِهِۦ كَٰفِرُونَ ﴿٣٤﴾ وَقَالُوا۟ نَحْنُ أَكْثَرُ
أَمْوَٰلًا وَأَوْلَٰدًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿٣٥﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّى
يَبْسُطُ ٱلرِّزْقَ لِمَن يَشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلَٰكِنَّ
أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾ وَمَآ أَمْوَٰلُكُمْ وَلَآ
أَوْلَٰدُكُم بِٱلَّتِى تُقَرِّبُكُمْ عِندَنَا زُلْفَىٰٓ إِلَّا مَنْ ءَامَنَ
وَعَمِلَ صَٰلِحًا فَأُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ ٱلضِّعْفِ
بِمَا عَمِلُوا۟ وَهُمْ فِى ٱلْغُرُفَٰتِ ءَامِنُونَ ﴿٣٧﴾ وَٱلَّذِينَ
يَسْعَوْنَ فِىٓ ءَايَٰتِنَا مُعَٰجِزِينَ أُو۟لَٰٓئِكَ فِى ٱلْعَذَابِ
مُحْضَرُونَ ﴿٣٨﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّى يَبْسُطُ ٱلرِّزْقَ لِمَن
يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ وَيَقْدِرُ لَهُۥ وَمَآ أَنفَقْتُم
مِّن شَىْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُۥ وَهُوَ خَيْرُ ٱلرَّٰزِقِينَ ﴿٣٩﴾

[illegible]

ہیں مال اور اولاد میں اور نہیں ہم سزا دیے جانے والے ﴿۳۵﴾
آپ کہہ دیجئے بے شک میرا پروردگار کشادہ کرتا ہے
روزی جس کے لیے چاہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس
کے لیے چاہے) لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے ﴿۳۶﴾ اور
نہیں ہیں تمہارے مال اور نہ تمہاری اولادیں کہ تم کو
قریب کریں ہمارے مگر وہ شخص کہ جو ایمان لایا اور جس
نے اچھا عمل کیا، پس یہی لوگ ہیں جن کے لیے دگنا اجر
ہو گا اس وجہ سے جو انہوں نے کیا - اور وہ بالاخانوں میں
امن سے بیٹھنے والے ہوں گے ﴿۳۷﴾ اور وہ لوگ جو کوشش
کرتے ہیں ہماری آیتوں میں ان کو کمزور کرنے کے لیے
یہ لوگ عذاب میں پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے ﴿۳۸﴾ آپ
کہہ دیجئے، بیشک میرا پروردگار کشادہ کرتا ہے روزی جس
کے لیے چاہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کر
دیتا ہے جس کے لیے چاہے، اور جو تم خرچ کرتے ہو
پس وہ اس کا بدلہ دیتا ہے، اور وہ بہتر روزی دینے
والا ہے ﴿۳۹﴾

ربطِ آیات

پہلے توحید اور اس کے دلائل بیان ہوئے۔ پھر اللہ نے قرآن کی حقانیت و صداقت کو واضح کیا اور منکرین کا رد فرمایا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے رسالت کا ذکر بھی کیا۔ اور پھر مجرمین کا حال بیان کیا اور حشر میں پیش آنے والے بعض حالات سے آگاہ کیا۔ اب آج کے درس میں اللہ نے نبوت و رسالت کے ضمن میں فرمایا کہ جب بھی کوئی نبی یا رسول کسی بستی شہر یا علاقے میں مبعوث ہوا۔ اور اس نے لوگوں کو کتاب، شریعت، ایمان اور توحید کی دعوت دی تو سب سے پہلے اس بستی کے آسودہ حال لوگوں نے ہی مخالفت کی۔

[illegible]

[illegible]

ہو ، ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا ۔ مالدار لوگوں کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے انہیں مال و اقتدار پر فخر ہوتا ہے ۔ اللہ نے اس چیز کو گمراہی کے اسباب میں بیان کیا ہے ۔

قرآن پاک میں جن انبیاء کا حال بیان کیا گیا ہے ان میں سے کوئی خال ہی ہوگا جس کی مخالفت نہ کی گئی ہو ۔ ابتدائی دور میں نبیوں پر ایمان لانے والے عام طور پر غرباء اور مساکین ہی ہوتے رہے ہیں ۔ صاحب حیثیت لوگ ابتداء میں اکثر مخالفت کرتے رہے اور پھر جب کوئی چارہ کار باقی نہ رہا ۔ تو آخر میں چل کر ایمان لائے ہرقل کے واقعہ[1] میں موجود ہے کہ اس نے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا اور ان کی دعوت کے متعلق سوال جواب کیے ۔ پھر مکے کے پہنچنے والے کسی دوسرے آدمی کو طلب کیا تو ابو سفیانؓ کو پیش کیا گیا جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے ۔ ہرقل والی روما نے دیگر سوالات کے علاوہ ابو سفیانؓ سے یہ بھی پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار کیسے لوگ ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ کمزور اور غریب لوگ ہیں جب کہ بڑے بڑے مخالف ہیں ۔ ہرقل پہلی کتابوں کا علم رکھتا تھا ، کہنے لگا کہ ہر نبی کے اولین متبعین کمزور لوگ ہی ہوا کرتے ہیں ۔

شانِ نزول — اس آیت کی شانِ نزول میں امام ابن کثیرؒ[2] نے ابن ابی حاتمؒ کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ بعثت میں دو تاجر آپس میں شراکت دار تھے ، ان میں ایک دور کہیں ساحلی علاقے میں تجارت کے سفر پر تھا جب کہ دوسرا اپنے گھر میں تھا ۔ مسافر تاجر نے وہیں یہ خبر سنی کہ مکے کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو اس نے اپنے شراکت دار کو لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ مکے میں کوئی مدعی نبوت پیدا ہوا ہے ، اگر یہ ہے تو مجھے

---

[1] بخاری صفحہ ۵

[2] ابن کثیر صفحہ ۳۴۴ جلد ۳

(فیاض)

[illegible]

کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ رزق کی فراوانی اچھائی کی علامت نہیں ہے، بہت سے شریر، نافرمان، ملحد اور دہریے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں جب کہ بعض اہلِ ایمان اور خدا پرست لوگ تنگی کی حالت میں ہوتے ہیں حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول بندے ہوتے ہیں لہٰذا آسودہ حالی کوئی پسندیدگی کی علامت نہیں ہے وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے اور وہ ظاہری خوشحالی کو ہی اپنی مقبولیت کی نشانی سمجھتے ہیں، یہ تنگی اور فراخی تو اللہ کی حکمت پر مبنی ہوتی ہے، کبھی وہ کسی کو مال و دولت دے کر آزماتا ہے اور کبھی ان چیزوں سے محروم کر کے امتحان لیتا ہے، پھر جو بندے اس کے امتحان میں پورے اترتے ہیں، وہی مقبولِ بارگاہ ہوتے ہیں۔

امام شافعیؒ کا قول[1] ہے۔

وَمِنَ الدَّلِيلِ عَلَى الْقَضَاءِ وَحُكْمِهِ
بُؤْسُ اللَّبِيبِ وَطِيبُ عَيْشِ الْأَحْمَقِ

اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر یہ دلیل ہے کہ بسا اوقات عقلمند اور دانا لوگ نہایت تنگی میں وقت گزارتے ہیں، جب کہ بیوقوف لوگ عیش و راحت میں رہتے ہیں۔ سعدی شیرازیؒ کا قول بھی ہے۔

گر روزی بدانش بر فزودے
ز ناداں تنگ تر روزی نہ بودے

اگر رزق کی وسعت محض عقل و دانش کی بنیاد پر ہوتی تو بیوقوف بیچارے بھوکوں مر جاتے، بہر حال تنگی و فراخی اللہ کی حکمت اور منشا کے مطابق ہوتی ہے، مگر اکثر لوگ اس کی حقیقت کو نہیں پاتے۔

---

[1] نفحۃ العرب ص۱۱۲ ۔ (فیاض)

[illegible]

لاتا ہے وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ اور ایسے نیکوکار لوگ جنت کے بالاخانوں میں نہایت امن و سکون کے ساتھ گزر اوقات کریں گے، ان کے عالیشان مکان ہوں گے جن کی دیواریں اتنی شفاف ہوں گی کہ باہر کا نظارہ اندر بیٹھے ہو سکے گا، وہاں انہیں کوئی غم اور پریشانی نہیں ہوگی، کسی محنت و مشقت کی ضرورت نہ ہوگی، اور نہ کسی نعمت کے چھن جانے کا خطرہ ہوگا۔

مجرمین کے لیے سزا

فرمایا وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ جو لوگ ہماری آیتوں میں کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں ہرا دیں، کمزور کر دیں اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ وہ عذاب میں پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ آیات الٰہی کا تمسخر اڑاتے ہیں اور اس کے پروگرام کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بالآخر عذاب میں پکڑے جائیں گے اور ان کی رہائی کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

آگے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ بیشک میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے، اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ یہ اس کی حکمت ہے جسے کوئی نہیں جان سکتا۔ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق روزی تقسیم کرتا ہے۔ پھر جس کو زیادہ دیتا ہے، اس کو بھی امتحان میں ڈالتا ہے کہ وہ میرے احکام کی کس حد تک پاسداری کرتا ہے۔ اور جس کو کم دیتا ہے، اس کے صبر و شکر کا بھی امتحان لیتا ہے اور پھر ان کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ کرتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

چونکہ اکثر مالدار لوگ کنجوس واقع ہوئے ہیں لہٰذا آگے اللہ نے انفاق فی سبیل اللہ کا قانون بھی بتلا دیا۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ترجمہ جو چیز بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا ضرور بدلہ دیتا ہے لہٰذا مال کو ہمیشہ صحیح جگہ میں خرچ کرنا چاہیے۔ اپنی جائز ضروریات بھی پوری کرو مگر حقداروں کے حقوق بھی ادا کرو۔ جس نے مال کا حق ادا نہیں کیا، اس کے لیے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ
أَهَٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٤٠﴾ قَالُوا سُبْحَٰنَكَ
أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ
الْجِنَّ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ
بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَلَا ضَرًّا وَنَقُولُ لِلَّذِينَ
ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنتُم بِهَا
تُكَذِّبُونَ ﴿٤٢﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتُنَا بَيِّنَٰتٍ
قَالُوا مَا هَٰذَآ إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَن يَصُدَّكُمْ عَمَّا
كَانَ يَعْبُدُ ءَابَآؤُكُمْ وَقَالُوا مَا هَٰذَآ إِلَّآ إِفْكٌ
مُّفْتَرًى وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا
جَآءَهُمْ إِنْ هَٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٤٣﴾ وَمَآ
ءَاتَيْنَٰهُم مِّن كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَآ أَرْسَلْنَآ
إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِن نَّذِيرٍ ﴿٤٤﴾ وَكَذَّبَ الَّذِينَ
مِن قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَآ ءَاتَيْنَٰهُمْ
فَكَذَّبُوا رُسُلِي فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٥﴾

پر، سوہ حال لوگ ہی کرتے تھے کیونکہ نبی کی اطاعت کو تسلیم کرنے سے ان کی اپنی سرداری اور چودھراہٹ متاثر ہوتی تھی۔ اللہ نے خوشحالی کو اسباب گمراہی میں شمار کیا ہے۔ اللہ کے ہاں مقبولیت کا تعلق مال و دولت یا جاہ و حشمت سے نہیں بلکہ ایمان اور اعمال صالحہ سے ہے۔ اللہ نے رزق کا قانون بھی بیان فرمایا کہ رزق کی تقسیم اس کے اپنے قبضۂ قدرت میں ہے، جس کا چاہے رزق وسیع کر دے اور جس کا چاہے تنگ کر دے۔ یہ تقسیم اس کی حکمت اور مصلحت کے مطابق ہوتی ہے جسے مخلوق نہیں جان سکتی۔ مخلوق کا فرض ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر کے زندگی کا لائحہ عمل بنا لے۔

فرشتوں کی عبادت

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قیامت والے دن مشرکین کی کیفیت بیان کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا کرے گا۔ اس سے ان کی بدعقیدگی اور بداعمالی کے متعلق باز پرس ہو گی وہ کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ اس وقت انسان، جن، عابد اور معبود سب جمع ہوں گے۔ ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا۔ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ کیا یہ لوگ دنیا کی زندگی میں تمہاری عبادت کیا کرتے تھے۔ اس وقت دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ بعض لوگ فرشتوں کے نام پر ہیکل بناتے ہیں۔ بعض ان کو مشکلات میں پکارتے ہیں اور بعض یا جبرائیل یا میکائیل والے تعویذ لکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ فرشتوں کی عبادت کرنے کے مترادف ہے۔ تو جب مشرک لوگ اپنے شرک کی کوئی توجیہ پیش نہیں کر سکیں گے، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا یہ لوگ دنیا میں تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟

فرشتے اللہ تعالیٰ کی مقرب مخلوق ہیں، وہ جسمانیت اور بہیمیت سے پاک ہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنے والے ہیں، ان کی توجہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رہتی ہے، وہ جواب دیں گے

[illegible]

جنات کی پرستش

ہم نے ان کو ہرگز نہیں کہا تھا کہ ہماری عبادت کریں۔

فرشتے مزید عرض کریں گے بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ بلکہ یہ لوگ تو جنات کی پوجا کیا کرتے تھے أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ اور ان میں سے اکثر انہیں پر اعتقاد رکھتے تھے۔ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے کام آ سکتے ہیں۔ جنات کی عبادت کا مطلب یہ ہے کہ شیاطین لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور غیر اللہ کے سو دوسروں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنے لگتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سارے بندے نبی، ولی یہی کہتے رہے ہیں کہ عبادت صرف اللہ کی کرو۔ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ (المائدہ۔ ۱۱۷) جو تمہارا بھی رب ہے اور ہمارا بھی رب ہے۔ فَالْيَوْمَ کی تشریح میں اور ہمارا پروردگار ہے وہ ہم بھی اسی کی عبادت کی دعوت دیتے ہے

اللہ نے فرمایا فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَلَا ضَرًّا آج کے دن تم ایک دوسرے کے نفع نقصان کے مالک نہیں ہو گے۔ اُس دن عابد اور معبود، تابع اور متبوع کا عجز بالکل نمایاں ہو گا اور کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکے گا۔ درحقیقت نفع نقصان کا مالک اللہ ہی ہے، مگر دنیا میں اکثر لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے پر انحصار کرنے لگتے ہیں، مگر آخرت میں تو صاف پتہ چلے گا کہ بے بسی ہو گی اور کوئی بھی کسی کے کام نہیں آ سکے گا۔ تمام خود ساختہ معبود حتیٰ کہ شیطان بھی بیزاری کا اظہار کرے گا، اور کہے گا إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ (ابراہیم ۲۲) دنیا میں تم مجھے شریک بناتے تھے، میں بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔ میں نے تو تمہیں گمراہی کی دعوت دی تھی، شرک کرنے والے تو تم خود ہو۔ اللہ نے تمہیں حس و شعور عطا فرمایا تھا۔ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ۔ ۲۵۶) ہدایت اور گمراہی کا راستہ بھی واضح ہو چکا تھا، اس کے بعد تم نے خود گمراہی کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ کفر اور شرک کیا۔ اب

[illegible]

وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى اور ساتھ یہ بھی کہتے کہ یہ چیز کہ یہ خدا کا کلام قرآن کہتا ہے وہ تو محض افترا کیا ہوا جھوٹ ہے (نعوذ باللہ) گویا قرآن پاک کا بھی انکار کر دیتے۔ اکثر مشرکین یہی کہتے تھے کہ یہ شخص ہمیں ڈرا دھمکا کر اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، اسی لیے دولت مند اور صاحب اقتدار لوگ انبیاء علیہم السلام کی مخالفت کرتے تھے۔

پھر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اگر یہ شخص اللہ کا نبی نہیں ہے تو پھر لوگ اس کی بات کیوں مانتے ہیں، جو آدمی ایک دفعہ اس کے قریب آ جاتا ہے وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے، آخر بات کیا ہے؟ اس بات کے جواب میں مشرکین نے یہ فلسفہ گھڑ رکھا تھا۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ اور کافروں نے حق بات کے متعلق کہا جب کہ وہ ان کے پاس آئی اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ کہ یہ تو کھلا جادو ہے، کہنے لگے اس شخص کی بات میں اثر اس لیے ہے کہ اس کے پاس جادو ہے جس کے ذریعے یہ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے، ورنہ نہ تو یہ اللہ کا رسول ہے اور نہ ہی قرآن اللہ کا کلام ہے بلکہ تو ایک خود ساختہ چیز ہے جسے اللہ کی طرف منسوب کر رہا ہے (العیاذ باللہ) مشرکوں کا یہ تیا ہتھیار ہے کہ جب دلائل کا جواب دلائل سے نہیں دے سکتے تو حقیقت کو جادو سے تعبیر کر کے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں پہلے لوگ بھی جب کوئی نشانی دیکھتے تو کہتے سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (القمر-۲) یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔

عربوں کی لاعلمی

نزول قرآن سے قبل تقریباً دو ہزار سال تک عربوں میں کوئی نبی نہیں آیا تھا، چنانچہ ڈیڑھ ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر قائم تھے، ان میں شرک کی بیماری پیدا نہیں ہوئی تھی۔ پھر حضور علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً چار سو سال پہلے قصی ابن کلاب کے زمانے میں شرک کی ابتدا ہوئی۔ ایک شخص عمرو ابن لحی کہیں بیرون ملک سفر پر

[illegible]

کہ سابقہ اقوام کی نسبت عرب لوگ دسویں حصے کے بھی مالک نہیں۔ تاہم بعض دوسرے مفسرین اور اہل لغت کہتے ہیں کہ معشار العشیر یعنی دسویں کا دسواں حصہ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو سوواں یا ہزارواں حصہ بھی نہیں ملا۔ تو عربوں میں پہلے لوگوں کی سی جسمانی قوت ہے جیسے کہ قدیم مصریوں، عاد، ثمود، کلدانیوں اور آشوریوں کو حاصل تھی اور نہ ان جتنا مال و دولت اور اقتدار ہی حاصل ہے۔ بلکہ ان کے پاس تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ کس چیز پر تکبر کرتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے ہیں۔

اللہ نے فرمایا فَكَذَّبُوا رُسُلِي ان پہلے لوگوں نے بھی میرے رسول کو جھٹلایا۔ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ پھر کیسی ہوئی میری گرفت۔ قوم نوح، قوم شعیب، قوم سبا، قوم لوط والے اور دیگر نافرمانوں میں سے کیا فرد واحد بھی اللہ کے عذاب سے بچ سکا؟ نہیں بلکہ سب تباہ و برباد ہوئے۔ جب وہ نہیں بچ سکے جو ان سے ہزار درجے زیادہ طاقتور اور مالدار تھے تو ان کی کیا حیثیت ہے؟ ان کو بھی اپنا انجام یاد کر لینا چاہیے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حق کے مخالفین ذلیل و خوار ہوگئے اور خدا تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کر دیا۔

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر) بے شک میں تم کو
نصیحت کرتا ہوں ایک بات کی کہ تم کھڑے ہو جاؤ اللہ
کے لیے دو دو اور ایک ایک۔ پھر تم غور و فکر کرو۔ تمہارے
صاحب میں کوئی جنون نہیں ہے۔ نہیں ہے وہ مگر تمہیں
ڈر سنانے والا (اللہ کے) شدید عذاب سے پہلے ﴿۴۶﴾
آپ کہہ دیجئے اگر میں تم سے سوال کروں کسی بدلے کا
پس وہ تمہارے لیے ہی ہے۔ نہیں ہے میرا بدلہ مگر
اللہ کے ذمے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے ﴿۴۷﴾ آپ کہہ دیجئے
بیشک میرا پروردگار پھینکتا ہے حق کو (یعنی نازل کرتا
ہے اوپر سے) وہ جاننے والا ہے پوشیدہ باتوں کا ﴿۴۸﴾
آپ کہہ دیجئے حق آگیا ہے، اور نہیں ظاہر کرتا باطل کسی
چیز کو اور نہیں وہ لوٹاتا ﴿۴۹﴾ آپ کہہ دیجئے، اگر میں
بہک جاؤں، پس بہکوں گا اپنے نفس کے
لیے، اور اگر میں ہدایت پاؤں، پس اس وجہ سے جو
وحی کی ہے میری طرف میرے پروردگار نے۔ بیشک
وہ سب کچھ سننے والا قریب ہے ﴿۵۰﴾ اور اگر تو
دیکھے جب یہ لوگ گھبرائیں گے، پس بھاگ نہیں
سکیں گے اور پکڑے جائیں گے قریب جگہ سے ﴿۵۱﴾
اور کہیں گے ایمان لائے ہم اس پر۔ مگر کہاں ہوگا
ان کے لیے پا لینا دور جگہ سے ﴿۵۲﴾ اور تحقیق کفر
کیا انہوں نے اس کے ساتھ اس سے پہلے، اور پھینکتے
ہیں وہ (ڈھیلے ہیں) بغیر دیکھے دور جگہ سے ﴿۵۳﴾ اور
رکاوٹ ڈال دی جائے گی ان کے درمیان اور اس چیز

[illegible]

کرتمھارا ساتھی دیوانہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی صفائی میں فرمایا ہے کہ تم میں سے بعض لوگ آپ کو دیوانہ، بعض شاعر اور بعض ساحر کہتے ہیں۔ مگر جب اس کے افعال و کردار پر نظر کرو گے اور تعلیم میں غور و فکر کرو گے تو اس میں دیوانگی والی کوئی چیز نہیں پاؤ گے۔

اس مقام پر پیغمبر علیہ السلام کے لیے صاحب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سورۃ التکویر میں ہے وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ (آیت-۲۲) تمھارا صاحب مجنون یا دیوانہ نہیں ہے۔ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (آیت ۲۴) اور وہ غیب کی باتوں پر تنگ دل بھی نہیں ہے۔ اور تمھیں آپ کی حقیقت معلوم کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آنی چاہیے، کیونکہ تم تو انکے ہمیشہ سے ساتھی ہو، اور اس کے عادات و اطوار اور اخلاق سے واقف ہو۔ انہوں نے خود تمھیں غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ (یونس ۱۶) میں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ تم میں گزارا ہے، کیا تم غور نہیں کرتے ؟ کیا تمھیں میری صداقت و امانت میں کوئی شک ہے ؟ صاحب کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام انہی قوم کے فرد تھے انہی میں آپ کی پیدائش ہوئی، وہیں پلے بڑھے اور عمر کا ایک حصہ انہی میں گزارا جو شخص چالیس سال تک جھوٹ نہیں بول سکتا، وہ یکایک کیسے کذب بیانی کرنے لگے گا۔

جب حضور علیہ السلام کو نبوت ملی اور اللہ تعالیٰ نے تبلیغ حق کا حکم دیا تو آپ نے لوگوں کو آوازیں دے کر کوہ صفا پر جمع کیا تقریباً چالیس آدمی اکٹھے ہو گئے، آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کی دوسری طرف سے دشمن تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کرو گے ؟ سب نے

---

۱ بخاری [illegible] و [illegible] ومسلم [illegible]

(الفاضر)

[illegible]

[illegible]

ذاتی مفاد وابستہ نہیں ہے۔

حق و باطل کی کشمکش

فرمایا قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ آپ کہہ دیں کہ بے شک میرا پروردگار ہی حق کو نازل کر رہا ہے یعنی دینِ حق کو وہی پھیلا رہا ہے۔ وہ اپنا کلام نبی علیہ السلام کے قلبِ مبارک پر اتارتا ہے، پھر وہ کتاب کی صورت میں پوری بنی نوعِ انسان کے لیے فائدہ عمل اور ذریعۂ فوز و فلاح بن جاتا ہے۔ قذف کا لفظی معنی پھینکنا یا ڈالنا ہوتا ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ حق کو باطل پر ڈالتا ہے تو باطل دب جاتا ہے۔ فرمایا عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اللہ تعالیٰ پوشیدہ چیزوں کو جاننے والا ہے۔ وحی الٰہی کیا ہے؟ گویا آسمان سے بارانِ رحمت نازل ہوتی ہے۔ اب یہ انسانوں کا فرض ہے کہ وہ اس رحمت سے اپنے دامن کو بھر لیں اور اسے اپنے لیے نجات کا ذریعہ بنالیں۔

فرمایا قُلْ جَآءَ الْحَقُّ آپ کہہ دیجئے کہ حق آگیا ہے، سچا دین نازل ہو چکا ہے وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ اس کے مقابلے میں باطل نہ تو کسی چیز کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ کسی چیز کو لوٹا سکتا ہے۔ گویا باطل کی نہ کوئی حیثیت ہے اور نہ اس کے اثرات۔ فتح مکہ کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کے ذریعے آپ بتوں کو گراتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ یہ فرماتے تھے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل ۔ ۸۱) حق آگیا اور باطل چلا گیا۔ بے شک باطل کو جانا ہی تھا۔ ساتھ ساتھ یہ آیت بھی آپ تلاوت فرماتے جاتے تھے قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ مطلب یہ ہے کہ غالب ہمیشہ حق ہی ہوتا ہے اور باطل تو بہر حال باطل ہے، جو نہ کسی چیز کی ابتدا کر سکتا ہے اور نہ اس کا اعادہ کر سکتا ہے۔ ہر چیز کا خالق مالک

[illegible]

[illegible]

اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں، مگر اس وقت تک پانی سر سے گذر چکا ہوگا۔ دارالعمل سے گذر کر قیامت کی منزل میں پہنچ چکے ہوں گے وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ اور اس وقت اُن کا دُور سے ایمان کو پالینا کہاں ممکن ہوگا۔ اس وقت کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوگی اور خدائی فیصلے کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا۔

اسی قسم کا مضمون سورۃ الحدید میں بھی آتا ہے۔ اہلِ ایمان مرد و زن پلصراط پر سے گذر رہے ہوں گے۔ اُن کا نور اُن کے آگے آگے اور داہنی طرف چل رہا ہوگا۔ اُن کے پیچھے منافق لوگ گھپ اندھیرے میں گرتے پڑتے آ رہے ہوں گے۔ اور پیچھے سے اہلِ ایمان کو آواز دیں گے کہ ہماری طرف نظرِ شفقت کریں۔ کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کر سکیں، مگر آگے سے جواب آئیگا قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا (آیت۔ ۱۳) پیچھے لوٹ جاؤ اور وہاں سے نور تلاش کرو۔ اب روشنی کہاں میسر آئے گی۔ یہ نور حاصل کرنے کا مقام تو دنیا میں تھا جس کو تم نے ضائع کر دیا۔ اب نہ تم دنیا میں واپس جا سکتے ہو اور نہ نورِ ایمان حاصل کر سکتے ہو۔

ارشاد ہوگا وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ وہ اس سے پہلے ایمان اور توحید کا انکار کر چکے ہیں، مگر اب ان کا ایمان لانا کچھ مفید نہیں ہوگا۔ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ اور یہ بغیر دیکھے دور جگہ سے پھینکتے ہیں اٹکل مات (ٹ) پھینکتے ہیں) بالکل اسی طرح جس طرح کوئی بے تُکا تیر چلا دیا جاتا ہے۔ اور وہ کسی اَن دیکھی منزل پر جا گرتا ہے۔ اور پھر وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ پھر اُن کے اور اُن کی خواہشات کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ جیسا کہ اسی جیسے لوگوں کے ساتھ اس سے پہلے کیا گیا۔ سابقہ اقوام کے لوگوں نے بھی آخری وقت میں ایمان لانے کا اقرار کیا مگر وہ بے سود گیا۔ فرعون نے بھی کہا تھا کہ میں بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا، مگر اس وقت گرفت آ چکی تھی اور وہ بمع لاؤ لشکر پانی کی موجوں

[illegible]

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ فاطر مکی ہے ، یہ پینتالیس آیات اور پانچ رکوع پر مشتمل ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

ترجمہ : سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بنانے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا ۔ اور جو ٹھہرانے والا ہے فرشتوں کو پیغام لانے والے ، بازوؤں والے دو دو ، تین تین ، چار چار ۔ اور زیادہ کرتا ہے تخلیق میں جو چاہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ①

نام اور کوائف

اس سورۃ کا نام سورۃ فاطر ہے یہ نام سورۃ کی پہلی آیت میں آمدہ لفظ فاطر سے ماخوذ ہے ۔ بعض مفسرین کرام نے اس سورۃ کا دوسرا نام سورۃ ملائکہ بھی ذکر کیا ہے

لے الوسی ۔ [illegible] روح المعانی [illegible] و مدارک [illegible] (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

بیت قدم ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور توحید قبول کرنے والوں کے لیے بڑی بشارتیں دی ہیں اور ان پر ہونے والے انعامات کا ذکر کیا ہے تاکہ ان کے دل مضبوط ہوں۔ اسی طرح نافرمان لوگوں کی سزا کا ذکر بھی کیا ہے۔ کہ ان کے عذاب میں کمی نہیں ہوگی وہ جہنم سے نکلنا چاہیں گے مگر ان کی سعی قبول نہیں کی جائے گی۔

فاطر اور بدیع

اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہوتی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سب تعریفیں اور خوبیاں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہیں۔ سابقہ سورۃ سبا کی ابتداء بھی انہی الفاظ کے ساتھ ہوئی تھی اور میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن پاک میں دو مزید سورتوں کی ابتداء بھی انہی الفاظ سے ہوتی ہے یعنی سورۃ فاتحہ اور سورۃ انعام گزر چکا سب تعریفیں اور ستائشیں اس ذات کے لیے ہیں فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کنندہ ہے۔ فاطر اور بدیع کا قریب قریب ایک ہی مفہوم ہے یعنی پیدا کرنے والا۔ قرآن پاک میں بعض جگہ فاطر کا لفظ آیا ہے اور بعض مقامات پر بدیع بھی استعمال ہوا ہے جیسے بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (البقرہ - ۱۱۷)

فطور کا لغوی معنی کسی چیز کو پھاڑنا یا اس میں شگاف ڈالنا ہوتا ہے۔ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں[1] کہ مجھے اس لفظ کے صحیح مفہوم کے متعلق تردد تھا لہٰذا میں اس کی ٹوہ میں تھا کہ کس طرح اس لفظ کا صحیح مطلب سمجھ میں آجائے۔ اس زمانے میں دیہاتی عربی کو معیاری زبان کہا جاتا تھا اسی لیے رؤسائے عرب اپنے بچوں کی ابتدائی پرورش دیہات میں کرنا پسند کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ میں نے دو عرب بدوؤں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے پایا۔ ان کے درمیان ایک کنوئیں کی ملکیت کا جھگڑا تھا۔ ایک شخص دوسرے سے کہنے لگا

۱؎ مصباح اللغات ص ۶۳۵ ۲؎ ابن کثیر ص ۵۴۶ ج ۳ و قرطبی ص ۳۱۹ ج ۱۴ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہے کہ کسی چیز کا مادہ موجود ہو اور اس سے کوئی چیز بنائی جائے۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ خود اسی کا فرمان ہے اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (المؤمن - ۶۲) چنانچہ انسان، ملائکہ، جنات، جنت اور دوزخ وغیرہ سب اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اس کی صفت خلق کی واضح مثال یہ ہے کہ اس نے زمین کو صفت ابداع کے ذریعے بغیر مادے، آبے اور نمونے کے پیدا کیا۔ اور پھر زمین کے مادے مٹی سے انسان کو صفت خلق کے ذریعے پیدا فرمایا۔ اسی کا ارشاد ہے خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران - ۵۹) یعنی اللہ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا، اور پھر قطرۂ آب سے نسل انسانی کو چلایا، اسی طرح انسانوں اور جنات کے متعلق فرمایا خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ○ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمٰن - ۱۴-۱۵) اللہ نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ اسی طرح ملائکہ کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ ان کو اللہ نے ایک خاص قسم کے نورانی مادے سے تخلیق فرمایا۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ ایک چھوٹے سے بیج سے یا ایک معمولی سی گٹھلی سے بہت بڑا درخت بنا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کا کرشمہ ہے۔

جب اللہ تعالیٰ صفت خلق کے ذریعے کوئی چیز پیدا فرما دیتا ہے۔ تو تیسرے نمبر پر اس کی صفت تدبیر کام کرتی ہے اللہ کا فرمان ہے يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (السجدۃ - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر ہر چیز کی تدبیر اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے پیدائش کے بعد کسی چیز کو بتدریج بڑھانا، گھٹانا، کسی چیز کو آگے پیچھے کرنا، یا ترقی و تنزل کے مراحل سے گزارنا، زندہ یا قائم رکھنا، موت دے دینا یا فنا کر دینا یہ صفت تدبیر کا کام ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ خود انجام دیتا ہے۔ اور اس معاملے میں بھی اس کو کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں پڑتی، اور نہ ہی وہ یہ کام اپنی مخلوق میں سے کسی کے سپرد کرتا ہے۔

[illegible]

فرشتوں کی حکمت

آیت کے ابتدائی حصے میں اللہ نے اپنی صفت ابداع یا فطور کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا جو فرشتوں کو پیام رساں بنانے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ فرشتوں کا ایک کام یہ بھی ہے، کہ وہ اللہ کے نبیوں کے پاس اللہ کا پیغام لاتے ہیں۔ اس فرض کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ فرشتوں سے تدبیر کے مختلف کام لیتا ہے اور وہ تعمیل حکم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فیضان فرشتوں کے ذریعے ہی کائنات تک پہنچتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے اربوں، کھربوں سال پہلے انسان کی مصلحت کی خاطر اپنے فضل اور مہربانی سے اللہ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا۔ خدا تعالیٰ ازل میں جانتا تھا کہ انسانوں کی مصلحت فرشتوں پر موقوف ہے۔ تاہم فرشتے درجات میں انسان سے کمتر ہیں۔ فرشتوں کے سات مختلف طبقات ہیں۔ اور ہر طبقہ کا مادہ تخلیق الگ الگ ہے۔ ملاء اعلیٰ کی تخلیق لطیف نورانی مادے سے ہوئی ہے جن میں جبرائیل، میکائیل وغیرہ شامل ہیں اور ملاء سافل کی تخلیق اس سے کمتر مادے سے ہوئی ہے۔ شاہ صاحبؒ فرشتوں کے مادہ تخلیق کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کی مثال اس آگ جیسی ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوئی تھی۔ حقیقت میں یہ حجاب نوری تھا یا ناری تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ ایک درخت سے نکل رہی ہے مگر درخت کو جلاتی نہیں بلکہ مزید رونق کر رہی ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بسیط مادے سے پیدا کیا ہے، ان میں روحیں اور عقل و شعور ہے اور وہ ہر وقت ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔

فرشتوں کی صلاحیت

فرمایا اللہ تعالیٰ فرشتوں کو پیغام لانے والا بنانے والا ہے۔ اور فرشتوں

ا حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۴ ت حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۵ (فیاض)

کے ذکر میں سورۃ الملئکۃ کے پاس۔

تخلیق میں اضافہ

اس آیت کریمہ میں یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ کے الفاظ توجہ طلب ہیں اس کا ظاہر معنیٰ تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے پروں میں حسب منشا اضافہ بھی کرتا ہے۔ تاہم مفسرین کرامؒ اس کے عمومی معنی بھی لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کہ ہر قسم کی تخلیق میں اضافہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ مثلاً انسان کو اللہ نے تمام اعضاء عطا فرمائے ہیں جو عام طور پر طبعی توجیہ کے ہوتے ہیں مگر بعض لوگوں کے لیے کچھ خاص اضافہ بھی فرما دیتا ہے۔ کسی کو غیر معمولی حسن عطا کر دیا، اس کی آنکھوں، کان اور ناک کو بہترین انداز میں بنا دیا۔ کہ وہ عام لوگوں سے زیادہ حسین نظر آتا ہے۔ کسی کو خوبصورت اور سریلی آواز دے دی، کسی کو اضافی عقل و ذہانت عطا کر دی، کسی کے قد میں اضافہ اور کسی کی جسمانی قوت کو غیر معمولی بنا دیا، کسی کو خوش الحانی اور کسی کو تحریر و تقریر میں زیادتی عطا کر دی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے انعامات ہیں جن کی قدر کرنی چاہیئے۔

فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اس نے ہر چیز اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ بنائی ہے۔ اس نے بے شمار انعامات فرمائے ہیں لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ ایمان اور توحید کو درست کرے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔

١۔ کشاف ص ٢٩٦ ج ٣ و خازن ص ٢٩٧ ج ٥ و مظہری ص ٢١ ج ٨ (فیاض)

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا
وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ
مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى
تُؤْفَكُوْنَ ﴿٣﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٤﴾

[illegible]

ربطِ آیات

اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء حمد باری تعالیٰ سے ہوئی۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے جس نے فرشتوں کو پیغام رسانی کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ فرشتوں کے متعدد پر ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جس قدر چاہے تخلیق میں اضافہ کر دیتا ہے۔ یہ فرشتے پیغام رسانی کے علاوہ فیضان رسانی کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عمومی رحمت کا ذکر فرمایا ہے اور اپنی صفت خلق کو بیان کیا ہے جس کے ساتھ شرک کی تردید ہے اور آخر میں نبی علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون ہے۔

بابِ رحمت

ارشاد ہوتا ہے مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جو کچھ کھول دے فَلَا مُمْسِكَ لَهَا تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ خدا تعالیٰ کی رحمت کا یہ دروازہ انسان کے جسمانی فوائد کے لیے بھی کھلا ہے اور روحانی ضروریات کے لیے بھی۔ اللہ تعالیٰ انسانی جسم کی نشوونما اور بقا کے لیے بارش برساتا ہے، اس کے ذریعے پھل اور اناج اگاتا ہے جو انسان کی غذائی ضروریات پوری کرتے ہیں اور انسانی جسم کی نشوونما کا سبب بنتے ہیں، اسی طرح وہ مالک الملک انسان کی روحانی تربیت اور ہدایت کے لیے پیغمبروں کو مبعوث فرماتا ہے۔ ان پر وحی نازل فرماتا ہے، شرائع اور قوانین عطا کرتا ہے۔ اسی سلسلہ کی آخری کڑی کے طور پر اللہ نے اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کو اپنی آخری اور جامع کتاب قرآن حکیم عطا فرمائی۔ قرآن کریم ہدایت انسانی کے لیے ایک ایسا خزانہ ہے جو قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے منبع رشد و ہدایت ہے۔ اس کے ذریعے انسان کو بقائے دائمی کا سامان حاصل ہوتا ہے گویا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ کوئی بھی بند نہیں کر سکتا، اسی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دوسرا گروہ کہتا ہے مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا ہم پر فلاں نچھتر کی وجہ سے بارش ہوئی۔ فرمایا ایسے لوگ کفرانِ نعمت کے مرتکب ہوتے ہیں اور اگر وہ ستاروں کو حقیقی مؤثر مانتے ہیں تو قطعی کافر ہیں۔ اللہ نے سورۃ الواقعہ میں فرمایا ہے۔ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ تم ایسی چیزوں کو ستاروں کی طرف منسوب کر کے اللہ کی رحمت کو جھٹلاتے ہو۔ یہ تو شرک والی بات ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا یہ معمول تھا کہ جب بارش ہوتی تو یوں کہتے مُطِرْنَا بِنَوْءِ الْفَتْحِ یعنی ہم پر فتح کے نوء (ستارے) کے ساتھ بارش ہوئی۔ اور پھر یہ آیت تلاوت فرماتے مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ ... الآیہ فتح سے مراد یہ ہے کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا دروازہ کھول دے۔ اُسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس پر وہ خود رحمت کا دروازہ بند کر دے اُسے کوئی کھول نہیں سکتا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نماز کے بعد اکثر یہ ورد کیا کرتے تھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (بخاری، مسلم) اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اُسی کے لیے بادشاہی ہے اور اُسی کے لیے سب تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! نہیں کوئی روکنے والا اُس چیز کو جو تو عطا کرے، اور نہیں کوئی دینے والا وہ چیز جو تو روک دے۔ اور تیرے

لے در منثور ص۱۴۲ ج ۵ وابن کثیر ص۵۳۴ ج ۳

لے خازن ص۲۹۲ ج ۵ ومعالم التنزیل ص۱۹۴ ج ۳ (فیاض)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

گئی ہے جیسے ارم نذیر یا مسز ناصر وغیرہ۔ یہ کون سی عزت افزائی ہے؟ عورت کو فیکٹری میں ملازمت دے کر یا فوج، پولیس اور دفتر میں بھرتی کر کے مزدور بنا دیا گیا ہے حالانکہ عورت تو گھر کی زینت اور اس کا زیور ہے۔ اللہ نے عورت کو چاروں باعزت مقام عطا کیے ہیں۔ بحیثیت ماں عورت کا بڑا بلند مقام ہے۔ اللہ نے اولاد کی جنت ماں کے قدموں کے نیچے رکھی ہے۔ بحیثیت بہن بھی عورت کو نہایت احترام کا مقام دیا گیا ہے۔ بحیثیت بیٹی اس کا مشفقانہ مقام ہے اور بحیثیت بیوی وہ گھر کی مالکہ ہے۔ اللہ کا فرمان ہے کہ جس طرح مردوں کا حق عورتوں پر ہے اسی طرح عورتوں کا حق مردوں پر ہے یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے درجے میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی ہے مگر ان کے بھی مردوں پہ حقوق ہیں۔ ان کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے کسی عورت کو اس کے جائز حق سے محروم رکھنا اسے زندہ درگور کرنے والی بات ہے جس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

حضور علیہ السلام نے ماں کی نافرمانی سے منع فرمایا ہے۔ باپ کے مقابلے میں خدمت کے لیے ماں زیادہ حقدار ہے کیونکہ وہ باپ کی نسبت کمزور ہوتی ہے۔ فرمایا والدین کے لیے اذیت کا باعث نہ بنو۔ چہ جائیکہ ان کو گالیاں دے کر گھر سے نکال دیا جائے یا ان سے ذلت آمیز سلوک کیا جائے۔

چار مستغنی کنندہ آیات

عامر ابن قیس ایک بزرگ گزرے ہیں جو غالباً صحابی ہیں ان کا قول ہے کہ قرآن کریم میں چار آیات ایسی ہیں کہ جب میں ان کی تلاوت کر لیتا ہوں تو مجھے کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ میری صبح کیسے گزرے گی اور شام کیسے؟ گویا یہ آیات مجھے ہر چیز سے مستغنی کر دیتی ہیں[1] فرماتے ہیں کہ ان چار آیات میں سے پہلی آیت تو یہی آیت زیر درس ہے یعنی مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ ...... وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت اور کمالِ رحمت کا ذکر ہے جس کی وجہ سے اس ذات

---

[1] درمنثور صفحہ ۲۴۴ ج ۵

[illegible]

آتی ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ نے انسان کو بے شمار ظاہری اور باطنی قوتیں عطا فرمائی ہیں، دیکھنے، سننے، چلنے پھرنے، بولنے اور غور و فکر کرنے کی کتنی ہی قوتیں ہیں مگر انسان ان سب کا شکریہ ادا کر ہی نہیں سکتا۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے بندے اگر اس کا تھوڑا سا شکریہ بھی ادا کر دیں تو وہ راضی ہو جاتا ہے، ورنہ کوئی شخص کسی نعمت کا شکریہ ادا کر ہی نہیں سکتا۔ اللہ کے فرشتے اگرچہ ہمہ تن عبادت میں مصروف رہتے ہیں مگر شکریہ کا حق ادا کرنے میں وہ بھی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔

رازق صرف اللہ ہے

ارشاد ہوتا ہے هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے روزی پہنچاتا ہو۔ یہ استفہام انکاری کہلاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ یقیناً کوئی نہیں ہے۔ خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہر جاندار کو روزی بھی وہی پہنچاتا ہے۔ مگر انسان کس قدر نادان واقع ہوا ہے کہ اس روزی کی خاطر اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے، اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے حاجات طلب کرتا ہے اور اس طرح شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔ روزی کا اختیار تو صرف اللہ کے پاس ہے جو خالق ہے اور یہ بات ہندو، یہود، مشرک، مجوسی، سب تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی گزر چکا ہے کہ خدا کے سوا روزی کا مالک کوئی نہیں لہٰذا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ (العنکبوت۔ ۱۷) لہٰذا اسی کے ہاں رزق تلاش کرو، اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکریہ ادا کرو۔ ہر ذی روح کے حالات کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق روزی کا دروازہ کھولتا ہے۔ فرمایا اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ (الملک۔ ۱۴) کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو نہایت باریک بین اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

فرمایا جب اللہ کے سوا خالق کوئی نہیں ہے جو تمہارے لیے روزی کا سامان

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تو ہمارے تمہارے لیے عزیز کی بات ہے۔ اسی لیے دیا کہ جب کوئی غم لاحق ہو تو میرا اسوہ سامنے رکھو

ایک شخص نے حضور علیہ السلام کے متعلق بڑی غلط بات کی، کہنے لگا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم، انصاف کرو۔ آپ کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ فرمایا: اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون انصاف کرے گا۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ آسمان والے تو مجھے امین سمجھتے ہیں اور تم مجھے بے انصاف جانتے ہو۔ اس ذہنی پریشانی کے باوجود آپ نے فرمایا: رَحِمَ اللّٰهُ مُوسٰى لَقَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ۔ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے۔ اس سے بھی زیادہ تکالیف دی گئیں مگر انہوں نے صبر کیا۔ موسیٰ علیہ السلام پر لوگوں نے سخت الزام لگائے، آپ کی طرح ہی مگر انہوں نے بہت صبر سے کام لیا۔

فرمایا اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا۔ آپ تسلی رکھیں وَإِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ آپ فکر نہ کریں اور اپنا کام کرتے جائیں، اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہوگا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ
الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿٥﴾
إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا
يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿٦﴾
الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَالَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ
كَبِيرٌ ﴿٧﴾

[illegible]

آپ کو تکالیف پہنچاتے ہیں تو آپ ان سے خوفزدہ نہ ہوں کیونکہ پہلے لوگ بھی اسی طرح اپنے رسولوں کو جھٹلاتے رہے ہے۔ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں۔ وہ ان مکذبین کو ضرور سزا دے گا۔ اس کے بعد اللہ نے عام بنی نوع انسان کو خبردار کیا ہے کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس کے اغواء سے بچنے کی کوشش کرتے رہو۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے، قیامت ضرور واقع ہوگی۔ محاسبے کا وقت آئے گا، اور پھر جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔

وقوعِ قیامت کا وعدہ

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اسباب ضلالت میں سے دو اسباب کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلا سبب یہ فرمایا۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ اے لوگو! بیشک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ اللہ نے وقوعِ قیامت اور جزائے عمل کا جو وعدہ لوگوں کے ساتھ کیا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ قیامت ضرور برپا ہوگی۔ اور ہر شخص کو بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنا ہوگی۔ سورۃ الانبیاء میں اللہ کا فرمان ہے وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ وقوعِ قیامت برحق ہے اور ہم ایسا کر کے رہیں گے۔ قرآن پاک کا تقریباً ایک تہائی حصہ اسی مسئلہ قیامت پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ دیگر تمام کتب سماویہ میں بھی اس مسئلہ کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ تاہم قیامت کی جس قدر تفصیلات قرآن پاک نے بیان کی ہیں، اتنی دوسری کتابوں میں نہیں ہے۔

فرمایا، لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا پس دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ گویا اس دنیا کی زندگی کا ظاہری عیش و آرام اور اس کی رنگینیاں اسباب ضلالت میں سے پہلا سبب ہے۔ اسی میں الجھ کر آخرت کو نہ بھلا بیٹھنا۔ یہ زندگی تو اللہ نے آزمائش کے لیے دی ہے، کہ انسان یہاں آ کر کیسے اعمال انجام دیتے ہیں۔ اس فانی دنیا میں مگن ہو کر اپنے اصلی مقام کی فکر بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ سورۃ الملک کی ابتداء میں اسی بات کا تذکرہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ

[illegible]

اپنے گروہ کو دعوت دیتا ہے تاکہ وہ سارے کے سارے دوزخ والے بن جائیں
وہ ہر ہر دو ذریعے کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے تاکہ اس کی جماعت بہت بڑی جماعت
بن جائے۔ اس آیت کریمہ میں لفظ عَشِیْر غ کی زبر کے ساتھ آیا ہے، جس کا
معنی دھوکہ باز یا فریبی ہے اور اگر یہی لفظ غ کی زیر کے ساتھ ہو تو معنی رفیق ہو
گا۔ تو فرمایا شیطان تمہارا دشمن ہے، اس سے بچ کر رہنا۔

شیطان سے بچنے کا طریقہ

امام قشیریؒ چوتھی صدی کے بزرگ گزرے ہیں، وہ اپنی کتاب رسالہ قشیریہ
میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کا سخت ترین دشمن ہے، جس کے متعلق خود
اللہ جل شانہٗ کا فرمان ہے اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ
لَا تَرَوْنَهُمْ (اعراف - ۲۷) وہ اور اُس کا قبیلہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھ
رہا ہے جہاں سے تم اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ اُس کی دشمنی انسان کے لیے بہر کیف عیاں
ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اُسے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا،
اور اس نے انکار کیا تو وہ مردود ٹھہرا مگر اس نے اللہ کے سامنے عہد کیا، پروردگار
لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ (الحجر - ۳۹) میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں
گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے۔ کہنے لگا، میں آگے پیچھے، دائیں بائیں
غرضیکہ ہر راستے سے آکر انسان کو گمراہ کروں گا۔ چنانچہ شیطان اور اُس کے چیلے
ہر وقت انسان کے در پے رہتے ہیں۔ تو ایسے ازلی دشمن سے بچنے کے لئے
امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیئے۔ احادیث مبارکہ
میں حضور علیہ السلام نے بعض کلمات بتائے ہیں کہ جن کے ورد سے شیطان کے شر سے
محفوظ رہا جا سکتا ہے، مثلاً لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ گناہ سے بچاؤ اور نیکی کی
انجام دہی بس اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہے اسی طرح اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ

۱۔ رسالہ قشیریہ ص۔۔۔

۲۔ (اقباس)

[illegible]

میں تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہو مگر باطن میں اُس کے ساتھ دوستانہ ہے۔ تم اکثر کام شیطان کی خواہش کے مطابق انجام دیتے ہو۔ تمام رسم و رواج، بدعات، شرکیہ اور کفریہ حرکات اور فضول خرچی شیطان کی خواہش کی تکمیل ہی تو ہے۔ سورۃ یٰسین میں اللہ نے ابن آدم کو خطاب کر کے فرمایا ہے اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (آیت ۶۰) اے ابن آدم! کیا میں نے تمھیں خبردار نہیں کیا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے مگر تم پھر بھی اُس کے دام میں پھنس گئے۔

فرمایا، شیطان کو اپنا دشمن سمجھو اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ بے شک وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ سب دوزخ والوں میں ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی جماعت بنا کر اُن کو جہنم میں لے جانا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

کفر اور ایمان کا انجام

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان کا انجام بھی بیان کر دیا ہے ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ کفر کا انجام لازماً بُرا ہوگا۔ کفر کا معنیٰ دین، شریعت اور توحید کا انکار ہے۔ یہ سخت جرم ہے جس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ دوسری طرف اہل ایمان کے متعلق فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ اُن کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہوگا۔ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ دوسری منزل ہے اگر ایمان کی بنیاد مستقیم ہے تو نیکی بھی مقبول ہوگی، ورنہ نہیں، نیک اعمال میں سب سے پہلے فرائض یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج آتے ہیں۔ پھر جہاد قربانی، اور صدقہ و خیرات کا نمبر ہے، انسان سے بہت سی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ ایمان اور نیک اعمال کی وجہ سے معاف فرما دے گا۔ دوسرے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا فَإِنَّ
اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ فَلَا
تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
بِمَا يَصْنَعُونَ ⑧ وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَاحَ
فَتُثِيرُ سَحَابًا فَسُقْنَاهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَيِّتٍ
فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذَٰلِكَ
النُّشُورُ ⑨ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ
الْعِزَّةُ جَمِيعًا إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ
وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ
السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَكْرُ
أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ⑩

ترجمہ :- بھلا وہ شخص جس کے لیے مزین کر دیا
گیا ہے اس کا بُرا عمل ، پس وہ اس کو اچھا خیال کرتا ہے
پس بیشک اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور
راہ دکھاتا ہے جس کو چاہے ۔ پس آپ نہ ہاریں اپنے
نفس کو ان پر حسرت کرتا ہوا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ
خوب جانتا ہے ان باتوں کو جو کچھ یہ لوگ بناتے ہیں ⑧

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ جب انہیں ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے گرفت آئی تو انہوں نے کیوں نہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کیا، بلکہ ان کے دل مزید سخت ہو گئے وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (آیت - ۴۳) اور شیطان نے ان کے بُرے اعمال کو مزین کر دیا، لہٰذا انہوں نے توبہ نہ کی۔ پھر اچانک اللہ کی گرفت آئی اور ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔

تو فرمایا جس شخص کی نظر میں بُرے اعمال اچھے ہیں کیا وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو اللہ کے فضل سے نیکی اور بُرائی میں تمیز کرتا ہے، نیکی کو اختیار کرتا ہے اور بُرائی سے بچتا ہے۔ یقینی بات ہے کہ یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک ہے جو شیطان کی پیروی کر رہا ہے اور شقاوت کا راستہ اختیار کیے ہوئے ہے، اور دوسرا نیکی کو اپنا کر سعادت کے راستے پر چل رہا ہے۔ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے

آگے اللہ نے گمراہی اور ہدایت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کے راستے پر ڈال دیتا ہے ہدایت اور گمراہی دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں مگر اس نے اس ضمن میں قوانین مقرر کر رکھے ہیں۔ جو شخص تعصب، ضد اور عناد کی بناء پر توحید کا انکار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ پکڑ کر ہدایت کی طرف نہیں لاتا بلکہ فرمایا نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (النساء - ۱۱۵) جدھر وہ جانا چاہتا ہے ہم اُسی طرف کی توفیق دے دیتے ہیں اور پھر وہ بالآخر جہنم میں پہنچ جاتا ہے۔ برخلاف اس کے جس شخص میں استعداد اور صلاحیت موجود ہوتی ہے اور وہ حق کی تلاش میں کوشش کرتا ہے ہم اسے ہدایت کا راستہ دکھا دیتے ہیں۔ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ (الرعد - ۲۷) وہ ہدایت اس کو دیتا ہے جو اُس کی طرف رجوع کرتا ہے یعنی ہدایت طلب کرتا ہے۔ اور جس کو ہدایت کی خواہش ہی نہیں ہو گی اسے نہیں صراطِ مستقیم میسر نہیں آ سکتا۔ سورۃ المائدہ میں ہے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ

[illegible]

بقاءِ حیات کے وسائل

گزشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی زندگی کو یہ نظام قائم کریگا، اور اس ضمن میں فرمایا اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ یعنی اللہ کا یہ وعدہ بکل حاصے اور پورا ہو کر رہے گا۔ اس سلسلے میں اللہ نے اپنے رسول، کتابیں اور مبلغین بھیج کر زندگی کا سامان پیدا کر دیا ہے۔ اسی طرح اللہ نے اس دنیا کی زندگی کی بقاء کے لیے بھی انسان کو تمام وسائل مہیا فرما دیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَاللّٰہُ الَّذِیۡ اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے فَتُثِیۡرُ سَحَابًا وہ ہوائیں بادلوں کو ابھارتی ہیں۔ فَسُقۡنٰہُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ پس ہم چلاتے ہیں اسکو ایک خشک زمین کی طرف۔ فَاَحۡیَیۡنَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا پھر ہم اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں۔

آیت کے اس حصہ میں اللہ نے انسانوں اور جانوروں کی خوراک کے انتظام کی طرف ایک اجمالی اشارہ کیا ہے۔ ہر جاندار کی زندگی کا انحصار پانی اور خوراک پر ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ وہی ذات وحدہٗ لاشریک ہے جو اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق سمندروں سے بخارات اٹھاتا ہے۔ پھر ہواؤں کو چلاتا ہے جو انہیں اٹھا کر خشک علاقے کی طرف لے جاتی ہیں۔ جہاں بارش برسانا مقصود ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنی منشاء کے مطابق جس خطے میں جتنی چاہتا ہے۔ بارش نازل فرماتا ہے جس سے مردہ زمین میں تر و تازگی آجاتی ہے، اس میں قوت، روئیدگی پیدا ہوتی ہے اور پھر اسی بنجر زمین میں پھل اور اناج پیدا ہوتا ہے جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتا ہے، اور اللہ نے اسی پر تمام جانداروں کا مدارِ حیات رکھا ہے فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ بارش نازل فرما کر مردہ زمین کو قابلِ کاشت بنا دیتا ہے، کَذٰلِکَ النُّشُوۡرُ اسی طرح دوبارہ جی اٹھنا ہوگا، جب قیامت کا بگل بجے گا تو تمام مردے قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ سب کو میدانِ حشر میں اکٹھا کیا جائے گا، حساب کتاب کی منزل آئیگی اور پھر جزاء اور سزا کے فیصلے ہوں گے۔ احادیث میں بعث بعد الموت کی کیفیت بھی بیان ہوئی ہے جیسے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ عزت اہل ایمان کے لیے ہے عزت اس شخص کو حاصل ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرے گا، اس کی اطاعت کرے گا، نیکی کے کام انجام دیگا اور اللہ کا ذکر کرے گا۔ فرمایا اسی طرح اگر کوئی شخص قوت کا متلاشی ہے تو یہ چیز کسی انجینئر یا سائنسدان یا سرمایہ دار کے ہاں نہیں ملے گی بلکہ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (البقرہ - ۱۶۵) قوت اور طاقت کا سرچشمہ بھی فقط ذات خداوندی ہے اللہ چاہے تو ناتواں سے ناتواں شخص اور جماعت کو قوت بخش دے اور بڑے سے بڑے طاقتور کو کمزور کر دے۔ غیر اللہ کے پاس نہ عزت ہے اور نہ طاقت۔ جو لوگ ان چیزوں کے لیے ان کے پیچھے بھاگتے ہیں وہ محروم رہیں گے۔

کلمہ طیبہ اور عمل صالح

غرضیکہ بارگاہِ الٰہی میں عزت کا مقام اس شخص کو حاصل ہوگا۔ جس کا عقیدہ درست ہوگا۔ ایسے شخص کے متعلق اللہ نے فرمایا اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ، کہ اس کا پاک کلام اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ سے مراد اللہ کا ذکر، دعا، قرآن کی تلاوت، وعظ و نصیحت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ہر وہ نیک بات ہے جو لوگوں کے لیے دنیا اور دین میں مفید ہو۔ کوئی شخص جو بھی نیکی کا کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتا ہے وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ اور انسان کا نیک عمل اس کلمہ کو مزید بلند کرتا ہے۔ گویا ہر نیک بات کو اگر عمل صالح کی تائید بھی حاصل ہوگی تو ایسے کلمہ کو مزید تقویت حاصل ہوگی اور اُسے بارگاہِ رب العزت میں کمال درجے کی قبولیت حاصل ہو گی۔ اگرچہ نیک بات کی قبولیت اپنی جگہ مسلم ہے مگر ساتھ نیک عمل بھی ہو تو وہ نُورٌ عَلٰی نُور ہوگا۔ اللہ کا فرمان ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ (انبیاء - ۹۴) جو شخص اچھا عمل کرے بشرطیکہ ایماندار ہو تو اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ وہ عمل اللہ کے ہاں ضرور قبول ہوگا۔ اور اچھا عمل کیا ہے؟ اس میں سب سے پہلے فرائض آتے ہیں۔ یعنی، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج۔ پھر واجبات، سنتیں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہے۔ اور یہ غلط تدبیر سوچتا ہے وہ خود اسی کو گھیر لیتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے مَنْ حَفَرَ لِاَخِیْهِ بِئْرًا وَقَعَ فِیْهِ جو آدمی اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے، وہ خود بھی اس میں گر جاتا ہے۔ غرضیکہ مخالفین حق کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں مگر بالآخر یہ خود ہی ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے اور دین حق کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اس میں تسلی کا مضمون بھی آگیا ہے۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ
بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿١٤﴾ ع

ترجمہ:- اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تم کو مٹی
سے - پھر ذریعہ انسانی کو قطرہ آب سے - پھر بنایا ہے
تمھیں جوڑے - اور نہیں اٹھاتی کوئی مادہ اور نہیں جنتی
(اس کو) مگر اس کے علم سے - اور نہیں عمر دی جاتی
کسی عمر والے کو اور نہیں گھٹائی جاتی اس کی عمر مگر وہ
کتاب میں (لکھی ہوئی ہے) بے شک یہ اللہ تعالیٰ پر
آسان ہے (١١) اور نہیں برابر دو سمندر ایک میٹھا،
خوشگوار، پیاس بجھانے والا اور دوسرا کھاری، کڑوا - اور ہر
ایک سے کھاتے ہو تم تازہ گوشت، اور نکالتے ہو تم
زیور جس کو تم پہنتے ہو - اور دیکھتے ہو تم کشتیوں کو سمندر
میں پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں، تاکہ تلاش کرو تم اس کے
فضل سے اور تاکہ تم شکر ادا کرو (١٢) وہ داخل کرتا ہے
رات کو دن میں، اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں
اور اس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو - ہر ایک
چلتا ہے ایک مقررہ وقت تک - یہ ہے اللہ تمھارا
پروردگار - اسی کی بادشاہی ہے - اور جن کو تم پکارتے ہو
اس کے سوا، نہیں مالک وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے
برابر بھی کسی چیز کے (١٣) اگر تم ان کو پکارو تو نہیں
سنتے تمہاری پکار کو - اور اگر سنیں تو وہ تمھارا کام

[illegible]

ابتدا اور وَاَصْلُہ مِنْ تُرَاب کہ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی، لہٰذا کسی انسان کو دوسرے کے مقابلے میں تکبر نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور پر کسی ماحول میں کسی خاندان کے ذریعے کوئی شرافت یا عزت بخشی ہے تو اس کو اللہ کا فضل سمجھنا چاہیئے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیئے، نہ کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے۔

فرمایا خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر قطرۂ آب سے ثُمَّ جَعَلَکُمْ اَزْوَاجًا پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنا دیا مرد اور عورت میں تخلیق کر کے دو صنف بنائیے، پھر ان کے ملاپ سے نسلِ انسانی کے بقا کا سلسلہ قائم کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کی دلیل ہے۔

فرمایا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ کوئی عورت نہیں اٹھاتی بچہ اپنے پیٹ میں اور نہ جنتی ہے۔ مگر وہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ عورت کے رحم میں حمل قرار پایا اور پھر مقررہ مدت کے اندر شکم مادر میں بچے کا پرورش پانا اور پھر باہر آجانا سب کچھ اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ اور اسی طرح وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ اور نہیں عمر دی جاتی کسی عمر والے کو وَلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖ اور نہ گھٹائی جاتی ہے اس کی عمر اِلَّا فِي كِتٰبٍ مگر وہ کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب انسان ایسی نکلتا ہے تو پھر وہ کتنی عمر پاتا ہے، چھوٹی عمر میں فوت ہو جاتا ہے یا لمبی عمر پاتا ہے اس کی زندگی میں کیا کیا تغیرات آتے ہیں۔ بیماری، تندرستی، دولت مندی، مفلسی شقاوت، سعادت ہر چیز کو اللہ جانتا ہے۔ یہ ہر چیز اللہ کی کتاب لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ چھوٹی، درمیانی یا لمبی عمر کی حکمت اور مصلحت کو بھی اللہ ہی جانتا ہے، یہ چیز کسی دوسری ذات کے علم میں نہیں ہے۔

فرمایا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے، اسے کوئی کام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ اس مقام پر تینوں مضمون

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہوتے ہیں۔ خشکی کے جانوروں کو تو پکڑنے کے بعد ذبح کرکے اس کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے مگر مچھلی کو ذبح کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ دنیا کے لاکھوں انسانوں کی معیشت کا ذریعہ مچھلی کے شکار پر ہے۔ ساحلی لوگ عام طور پر مچھلی کا کاروبار کرتے ہیں۔ سمندروں اور دریاؤں کے علاوہ خصوصی طور پر جوہڑوں اور تالابوں میں بھی مچھلی پالی جاتی ہے جو لوگوں کی خوراک کا حصہ بنتی ہے۔

فرمایا ایک فائدہ ان پانیوں سے مچھلی کا شکار کرتے ہو اور دوسرا وَتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ان سمندروں سے پہننے کے زیورات بھی نکالتے ہو۔ زیورات سے مراد موتی اور مونگا ہیں جن کے ہار بنا کر پہنے جاتے ہیں۔ سونے چاندی کے زیور تو مردوں کے لیے جائز نہیں البتہ موتیوں کے ہار مرد بھی پہن سکتے ہیں۔ یہاں بھی اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس طرح لوگ میٹھے اور کھاری ہر دو سمندروں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح اسلام کی تقویت مسلمانوں کے ذریعے تو مسلّم ہے نیز مدد کی ضرب سے بھی ہر دو طرح کی صورت میں فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا اس کے علاوہ سمندروں اور دریاؤں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ اور تم کشتی کو دیکھتے ہو کہ پانی کو چیرتی ہوئی آگے چلی جاتی ہے۔ پہلے زمانے میں بادبانی کشتیاں چلتی تھیں جو چھوٹے پیمانے پر نقل و حمل میں کام دیتی تھیں مگر اب سائنسی دور میں لاکھوں ٹن وزنی جہاز موجود ہیں جو نہ صرف مسافروں کو سفر کی سہولت بہم پہنچاتے ہیں بلکہ لاکھوں ٹن وزنی تجارتی سامان بھی ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچاتے ہیں۔ سامان کی بین الاقوامی نقل و حمل میں بحری جہاز بڑا سستہ ذریعہ ہے جن کے بغیر سامان کی ترسیل بہت مہنگی اور دشوار ہوتی ہے۔ فرمایا جہاز رانی کا فائدہ یہ ہے لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ تاکہ تم اس کے ذریعے اللہ کا فضل یعنی رزق حلال تلاش کرو۔ بین الاقوامی تجارت روزی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ احسان بھی جتلا دیا کہ اس نے کشتی رانی کے ذریعے تمہارے لیے

[illegible]

لاشریک ہے۔ اسی کی توحید کو مان کر اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ جب ہر چیز کا مالک، مدبر اور متصرف وہی ہے تو پھر اپنی حاجات دوسروں کے سامنے پیش کرنا کس قدر حماقت کی بات ہے۔

معبودانِ باطلہ کی بے بسی

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ جو لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں، ان سے حاجت براری چاہتے ہیں، فرمایا مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں، وہ تو اتنی معمولی سی چیز بھی نہ بنا سکتے اور نہ کسی کو دے سکتے ہیں ان کو نہ کوئی اختیار حاصل ہے اور نہ وہ کسی کی تکلیف دور کر سکتے ہیں۔ فرمایا اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ اگر تم ان کو پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار کو سن بھی نہیں سکتے۔ ظاہر ہے کہ وہ تو لکڑی یا پتھر کے بے جان مجسمے ہیں یا پھر شجر و حجر ہیں۔ وہ تمہاری پکار کو کیسے سنیں گے؟ وَلَوْ سَمِعُوْا اور اگر بالفرض تمہاری بات کو سن بھی لیں مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ تو وہ تمہیں جواب تک نہیں دیں گے۔ وہ تو بے جان ہیں اور قوتِ گویائی سے محروم ہیں۔ وہ تمہیں کیسے جواب دیں گے؟ اور اگر تم جاندار ہستیوں مثلاً ملائکہ، جنات، انبیاء اور اولیاء کو یا کسی دوسری ہستی کو پکارتے ہو تو وہ تمہاری بات سن کر بھی تمہاری مدد پر قادر نہیں ہیں۔ وہ تو اللہ کے حکم کے بغیر کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ کا فیصلہ ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرہ - ۲۵۵) اس کی اجازت کے بغیر کوئی ذات سفارش بھی نہیں کر سکتی۔ بھلا وہ تمہاری مشکل کا کیسے مداوا کریں گے؟

فرمایا یہ ہستیاں تمہاری مدد کرنے کی بجائے وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ قیامت والے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے، جب اللہ ان سے پوچھے گا کہ کیا تم نے ان کو کہا تھا کہ تمہاری عبادت کریں۔ تمہارے سامنے نذر و نیاز پیش کریں اور تم سے حاجات طلب کریں تو ملائکہ، جنات، انبیاء اور اولیاء سب انکار کر دیں گے کہ مولا کریم! ہم نے تو ان سے نہیں کہا تھا کہ ہمارے بعد ہمیں اپنا

يَاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ
هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑮ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ
وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ⑯ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى
اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ⑰ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ
وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ
شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۗ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ
يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۚ
وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ۚ وَاِلَى
اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ⑱

ترجمہ :- اے لوگو ! تم محتاج ہو اللہ کی طرف اور اللہ تعالیٰ ہی غنی اور تعریفوں والا ہے ⑮ اگر وہ چاہے تو تم کو لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے ⑯ اور نہیں یہ بات اللہ پر کوئی مشکل ⑰ اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ اور اگر کوئی بوجھل اپنا بوجھ اٹھانے کی طرف کسی کو بلائے گا ، تو نہیں اٹھائی جائے گی اس سے کوئی چیز اگرچہ وہ قرابتدار ہی کیوں نہ ہو ۔ بیشک آپ ڈر سناتے ہیں ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے بغیر دیکھے ۔

حال ہی سے اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجات میں سوال کرتے ہیں۔ اللہ کی مقرب مخلوق فرشتے بھی اللہ تعالیٰ سے ترقی و عروج اور انعامات کے طالب ہیں اور اپنے اللہ سے درخواست کرتے ہیں۔ یہ بات کو اپنا انداز ہے۔ غرضیکہ ساری مخلوق اُسی کی محتاج ہے اور اسی کے آگے دستِ سوال دراز کیے ہوئے ہے۔

فرمایا وہ صرف ایک ہی ذات ہے جو کسی سے سوال نہیں کرتی ہے بلکہ سب اس کے سوالی ہیں۔ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ اور وہ ذات خدا تو وہ ہے جو بے نیاز اور تعریفوں والا ہے، وہ تمام کمالات کے ساتھ متصف ہے، ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ ساری مخلوق اُسی سے استعانت کرتی ہے، وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے لہٰذا عبادت کے لائق بھی وہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں۔ غنی تو صمد وہ ذات ہے جس کی طرف قصد کیا جاتا ہے اور اس کو کسی قسم کا احتیاج نہیں ہوتا۔ ہندکو زبان میں ایسی ذات کو زور و عادہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ابن ماجہ شریف کی روایت[1] میں آتا ہے مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ جو ذات اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے، کہ مجھ سے سوال کیوں نہیں کرتا۔ اگر عام انسان سے سوال کیا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے مگر رب تعالیٰ سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے کہ میرا بندہ ہو کر میرے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتا۔ ایک مشہور عربی شاعر عبید ابن ابرص کہتا ہے

مَنْ یَّسْئَلِ النَّاسَ یَحْرِمُوْہُ
وَسَائِلُ اللّٰہِ لَا یَخِیْبُ

جو لوگوں سے مانگتا ہے تو لوگ اس کو محروم کرتے ہیں اور جو اللہ سے طلب کرتا ہے وہ کبھی محروم نہیں رہتا۔ حضور علیہ السلام کے زمانے کے ایک عیسائی

---

[1] ابن ماجہ ص   (فیاض)

شاعر نے اپنے ممدوح لوگوں کے بارے میں کہا ہے۔

سَأَلْنَا فَأَعْطَيْتُمْ وَعُدْنَا فَعُدْتُمْ
وَمَنْ أَكْثَرَ التَّسْآلَ يَوْمًا يُحْرَمِ

ہم نے ایک دفعہ مانگا، تم نے دے دیا۔ ہم نے پھر طلب کیا تم نے پھر دے دیا۔ اور جو زیادہ مانگے گا لوگ تنگ آکر اس کو محروم کر دیں گے۔ مگر خدا تعالیٰ سے جس قدر زیادہ مانگا جائے وہ خوش ہوتا ہے۔ اور جو نہیں مانگتا اس پر ناراض ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ اللہ سے مانگنے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔ لہٰذا اسی سے مانگنا چاہیے اور غیروں کی طرف سوالیہ نگاہوں سے نہیں دیکھنا چاہیے۔

ارشاد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ کہ اگر چاہے تو تم سب کو صفحہ ہستی سے لے جائے اور تمہاری جگہ دوسری مخلوق لے آئے۔ ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ اللہ نے بعض اقوام کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ قوم عاد و ثمود کی تباہی کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے۔ اللہ نے قوم عاد کے متعلق سورۃ الحاقہ میں فرمایا کہ ان ظالموں پر سات رات اور آٹھ دن تک سخت تند ہوا چلی تو وہ تباہ ہو گئے اور ان کی لاشیں کھجور کے تنوں کی طرح پڑی تھیں فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ (آیت ۸) اب دیکھو کیا ان کا ایک فرد بھی نظر آتا ہے؟ سب ختم ہو گئے فرمایا وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ایک قوم کو نابود کرنا اور دوسری قوم کو لے آنا اللہ کے لیے کچھ دشوار نہیں ہے انسانوں کے کام میں تو رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے، ان کے وسائل میں کمی آ سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ تو قادر مطلق اور تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ اس کو کوئی کام نہیں رکتا۔ وہ جب کسی کام

کا ارادہ کرتا ہے تو پھر اس کے رستے میں کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔

محاسبہ کا فلسفہ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت اور محاسبۂ اعمال کا احساس دلایا ہے کہ محض دنیا کی رنگ رلیوں میں ہی الجھ کر نہ رہ جاؤ بلکہ آخرت کا بھی کچھ خیال کرو ہر شخص سے اس کے عمل کے بارے میں سوال ہوگا، ایمان، عقیدے اور اخلاق و عمل کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ اس وقت ہر شخص کو اپنے عقیدے اور عمل کی خود جوابدہی کرنا ہوگی اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائیگا۔ اسی لیے فرمایا وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَۃٌ اِلٰی حِمْلِہَا اور اگر کوئی بوجھل کسی کو بوجھ اٹھانے کے لیے بلائے گا کہ ذرا میری مدد کرو لَا یُحْمَلْ مِنْہُ شَیْءٌ تو اس میں سے کوئی چیز بھی نہیں اٹھائی جا سکے گی اور مطلب کرنے والے کو مایوسی ہوگی۔ روایات میں آتا ہے کہ ہر خاوند اور بیوی اپنے اپنے بوجھ کی فکر میں ہوں گے۔ خاوند اپنی بیوی سے کہے گا کہ دیکھو! میں نے دنیا میں تیرے ساتھ کتنا اچھا سلوک کیا۔ تمہاری تمام خواہشیں پوری کیں اور تمہیں کسی چیز کی کمی نہیں آنے دی۔ اب اپنی نیکیوں میں سے ایک نیکی مجھے دیدو۔ وہ کہے گی کہ میں تو خود اس معاملہ میں فکر مند ہوں، تجھے کہاں سے دے دوں، اپنا نہیں معلوم میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے؟ اس طرح ماں اپنے بیٹے سے کہے گی بیٹا! میرا پیٹ تیرے لیے ظرف تھا جس میں تجھے نو ماہ تک اٹھائے پھری۔ پھر میری چھاتی تیرے لیے مشکیزہ بنی ہوئی تھی تم جب چاہتے تھے سیراب ہو سکتے تھے میری گود تیرے لیے بطور گہوارہ تھی۔ جس میں تم آرام کرتے تھے۔ اب میری مدد کرو اور اپنی ایک نیکی مجھے دیدو۔ بیٹا ماں کے تمام احسانات کو تسلیم کرے گا مگر کہے گا کہ میں تو نیکیوں کے معاملہ میں خود پریشان ہوں معلوم میرے ساتھ کیا معاملہ پیش آنے والا ہے۔ لہٰذا میں خود مجبور ہوں۔ غرضیکہ قریبی عزیز بھی ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جائیں گے اور کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا۔ ایک دوسرے سے بھاگیں گے کہ کہیں کوئی دوسرا نیکی نہ طلب

گے ۔ قرآن پاک نے اس صورت حال کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ۝ لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ قیامت کے دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا، اپنی ماں اور باپ سے بھاگے گا، اپنی بیوی اور بیٹے سے دور فرار اختیار کرے گا۔ اس دن ہر شخص ایک ہی فکر میں مبتلا ہوگا ۔ اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی اگرچہ وہ قریبی ہی کیوں نہ ہو، ہر ایک کو اپنے اعمال کا خود محاسبہ کرنا ہوگا۔

ایمان بالغیب آگے نبی علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے کہ لوگ توحید کا انکار کرتے ہیں، شرک کفر اور معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں، ضد اور تعصب کی بنا پر کچھ سمجھتے بھی نہیں بلکہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ آپ دل برداشتہ نہ ہوں کیونکہ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ آپ ان لوگوں کو ڈر سناتے ہیں جو بغیر دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کوئی صاحب ہے جو ہم سے باز پرس کرے گا۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر ہم نے اور اس کے حق کی بات کو نہیں مانیں گے، کلام الٰہی پر یقین نہیں کریں گے تو ہمارا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ دنیا کا نظام قرآن ہی سے کہا ہے اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا، نہ ملائکہ کو دیکھا ہے اور نہ جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کیا ہے۔ صحابہ کرام نے تو نبی علیہ السلام پر نزول وحی کا مشاہدہ کیا۔ مگر یہ سب لوگ تمام چیزوں پر ایمان بالغیب ہی رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اللہ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے، اس کے انبیاء برحق ہیں، اس کی کتابیں سچی ہیں اور پھر محاسبہ اعمال کا ہونے والا ہے۔ فرمایا کہ آپ تو انہی کو ڈرا سکتے ہیں جو ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔

عبادت مرکز فرمایا محاسبہ اعمال سے ڈرنے والوں کی دوسری صفت یہ ہے وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں جو کہ ایمان کے بعد سب سے مرکزی عبادت اور تمام عبادات میں سب سے زیادہ مقرب الی اللہ ہے۔ قیامت کے دن سب

سے پہلے نماز ہی کے متعلق سوال ہوگا کہ اسے ادا کیا تھا یا نہیں۔ پھر فرمایا کہ ایمان لانے اور اعمال صالحہ انجام دینے کے بعد وَلِمَنْ تَزَكّٰى فَإِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ جو شخص تزکیہ حاصل کرے گا یعنی اپنے آپ کو پاک بنائے گا تو وہ اس کے اپنے نفس کے لیے ہی مفید ہوگا۔ شاہ عبدالعزیزؒ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ تزکیہ سے مراد ظاہر و باطن ہر طرح کی پاکیزگی شامل ہے۔ جسم، لباس، مکان اور ماحول کی پاکیزگی کے علاوہ فکر، ذہن، قلب، دماغ اور روح کی پاکیزگی بھی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص بظاہر پاک صاف ہے مگر اس کی خوراک اور لباس مال حرام سے ہے تو آدمی نجس ہے۔ ایسے شخص کی عبادت مقبول نہیں۔ دھوکہ، فریب، سود، چوری اور سمگلنگ کی کمائی پاکیزہ نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مکمل تزکیہ حاصل کرتا ہے تو اپنے ہی لیے حاصل کرتا ہے۔ اس کا فائدہ خود اسی کو ہوگا۔ خدا تعالیٰ کو ہماری عبادت و ریاضت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہم اللہ کی خوشنودی کے لیے کام کریں گے تو اس میں ہمارا اپنا ہی بھلا ہے۔ ہمیں ترقی نصیب ہوگی۔ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور خدا کی رحمت کے مقام میں جگہ ملے گی۔

غرضیکہ ہمیں اپنے آپ کی، اپنی فکر کی، اپنے احوال کی، شہر اور ملک کی، مسجدوں اور مدرسوں کو پاک کرنا ہوگا۔ مسجدوں میں شور و شر کرنا، بیہودہ باتیں کرنا، لڑائی جھگڑا کرنا، دوسروں پر کیچڑ اچھالنا، کسی پر اتہام لگانا یہ سب تزکیہ کے خلاف چیزیں ہیں۔ ہماری مسجدوں کو ان گندگیوں سے پاک صاف ہونا چاہیئے۔

فرمایا جس نے تزکیہ حاصل کیا تو اپنے ہی فائدے کے لیے۔ یاد رکھو وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ اور سب کو خدا تعالیٰ کی

ے تفسیر عزیزی ص (فارسی)

طرف ہی لوٹ کر جاتا ہے اور اپنی کارگزاری کا خود جواب دینا ہے، اگر اس دنیا سے تزکیہ کر کے جاؤ گے تو انجام اچھا ہوگا، اور اگر نجاست سے آلودہ ہو کر جاؤ گے تو بہت برا حشر ہوگا، اللہ کے سامنے سب کی پیشی ضروری ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمَاتُ
وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ﴿٢١﴾ وَمَا
يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ
يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن
فِي الْقُبُورِ ﴿٢٢﴾ إِنْ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ
بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا
خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ
كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم
بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ
أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٢٦﴾

ترجمہ:۔ اور نہیں برابر اندھا اور بینا (١٩) اور نہ اندھیرے
اور نہ روشنی (٢٠) اور نہ سایہ اور نہ دھوپ (٢١) اور
نہیں برابر زندہ اور مردہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ سناتا ہے
جس کو چاہے، اور آپ نہیں سنانے والے ان کو جو
قبروں میں پڑے ہوئے ہیں (٢٢) نہیں ہیں آپ مگر
ڈر سنانے والے (٢٣) بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ
کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا اور

نہیں مگر تم کوئی امت مگر اس کو بڑا ہے ان میں ڈر سنانے والا (۲۴) اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں، پس بے شک جھٹلا چکے ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ آئے ہیں ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں، صحیفے اور روشن کتاب لے کر (۲۵) پھر پکڑا میں نے ان کو جنہوں نے کفر کیا۔ پس کس طرح ہوئی میری گرفت (۲۶)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں مشرکین کا رد تھا۔ نیز ساری مخلوق کے احتیاج اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا ذکر تھا۔ اس بنا پر تمام حاجات اللہ وحدہ لاشریک سے طلب کرنی چاہئیں اور اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ چاہے تو ساری مخلوق کو معدوم کر دے اور اس کی جگہ دوسری مخلوق کو لے آئے۔ لہٰذا ہر انسان کو محاسبہ اعمال کی فکر کرنی چاہیئے۔ قیامت والے دن کوئی عزیز ترین رشتہ دار بھی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اللہ نے حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈراتے ہیں جو خدا تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور ظاہری و باطنی طہارت حاصل کرتے ہیں۔ فرمایا جو کوئی پاکیزگی اختیار کرے گا تو اس میں خود اسی کا فائدہ ہے جس کا نتیجہ اللہ کی بارگاہ میں پیشی کے وقت سامنے آئے گا۔ اس طرح اللہ نے قیامت کا مسئلہ بھی سمجھا دیا۔

نیک و بد کی مثال

گزشتہ درس میں میٹھے اور کڑوے سمندر کی مثال بیان کی گئی تھی کہ دونوں برابر نہیں مگر مخلوق خدا ہونے کے لحاظ سے دونوں برابر ہیں۔ اب اسی تسلسل میں بعض دوسری مثالیں بیان کی ہیں کہ متضاد چیزیں آپس میں برابر نہیں ہو سکتیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ اندھا اور بینا برابر نہیں ہیں۔ ہر شخص یہی کہے گا کہ بینا آدمی اندھے سے بہتر ہے کیونکہ وہ دیکھ کر اچھے اور برے میں تمیز کر سکتا ہے اور نقصان سے بچ کر منفعت حاصل

سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے ۔ اسی طرح فرمایا وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ اندھیرے
اور روشنی بھی برابر نہیں ہو سکتے ۔ اندھیرے میں انسان ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے ، جب
کہ اجالے میں سارے کام انجام دیتا ہے ۔ لہٰذا ان کو بھی کوئی شخص برابر تسلیم کرنے
کے لیے تیار نہیں ہوگا ۔ پھر فرمایا وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ سایہ اور دھوپ
بھی برابر نہیں ہو سکتے ۔ سائے میں آدمی کام کاج کر سکتا ہے ، کچھ دیر کے لیے
مسافر آرام کر سکتا ہے ، جب کہ دھوپ کی شدت میں ، تو نہ کوئی اس سے کوئی کام
ہو سکتا ہے اور نہ ہی آرام کر سکتا ہے ۔ یہ بھی متضاد چیزیں ہیں جن میں سے ایک
مفید اور دوسری غیر مفید ہے ۔ فرمایا وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا
الْاَمْوَاتُ زندہ اور مردہ بھی برابر نہیں ہیں ۔ زندہ انسان دنیا میں چلتے پھرتے
ہیں ، کام کاج کرتے ہیں ، عبادت کرتے ہیں ۔ جب کہ مردہ انسان قبروں میں
خاموش پڑے ہیں ۔ یہ دونوں گروہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں ۔ یہی مثال نیک اور
بد یا مومن اور کافر کی ہے ، ایک طرف مومن ہے جس کے دل کی آنکھیں اللہ نے
روشن کر رکھی ہیں اور اس کو بصیرت ہے ۔ جس کے ذریعے وہ نیکی اور بدی میں تمیز
کر سکتا ہے ۔ وہ جس طرح ظاہری روشنی کو دیکھ رہا ہے اسی طرح دل کی بصیرت
سے وحی کے اجالے کو بھی دیکھ رہا ہے اور اپنی منزل کو طے کرتے چلا جا رہا ہے
ظاہری روشنی آنکھوں کے لیے ضروری ہے ۔ جب کہ وحی کی روشنی
عقل کے لیے لازمی ہے جب تک انسان کو وحی الٰہی کی روشنی میسر نہ ہو ۔
وہ اپنی منزل طے نہیں کر سکتا ۔ عقل ایک قیمتی جوہر ہے مگر تمام چیزوں میں
وہ بھی خود مکتفی نہیں ہے ۔ بلکہ وحی الٰہی کی محتاج ہے ۔ برعکس وحی الٰہی کی روشنی
میں آخرت کے سفر پر گامزن ہوتا ہے وہ بالآخر حظیرۃ القدس اور جنت
تک پہنچ جاتا ہے ۔ دوسری طرف جو شخص وحی الٰہی کی بصیرت سے محروم ہے ۔
اور اس کے دل پر کفر اور شرک اور معاصی کی تاریکیاں چھائی ہوئی ہیں ، وہ خدا کی
قربت کے مقام پر کبھی نہیں پہنچ سکتا ، بلکہ وہ عنصری آگ میں ہی پہنچے گا ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے شخص کو بھی مردہ سے تشبیہ دی ہے۔ جس
کا دل ذکرِ الٰہی سے خالی ہے۔ مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ اللّٰہَ وَالَّذِیْ
لَا یَذْکُرُہٗ مَثَلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ یعنی خدا تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور ذکر
نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ زندہ شخص تو نصیحت سے فائدہ
اٹھا سکتا ہے، امکان ہے کہ وہ کسی نہ کسی وقت ایمان قبول کر لے مگر مردہ شخص
تو دارالعمل سے نکل کر دارالجزا میں پہنچ چکا ہے، اب اس کے لیے کوئی نصیحت
قطعاً مفید نہیں ہو سکتی۔ وہ نہ کسی ایمان کی بات کو سن سکتا ہے، نہ نیکی کما سکتا
ہے اور نہ اسے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ مومن اور کافر بھی ایسے ہی ہیں۔ مومن کی
مثال ایک زندہ کی ہے جو نیکی کما رہا ہے اور کافر ایک مردہ ہے جو ایک رائی
کے دانے کے برابر بھی نیکی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی ضمن میں فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ
مَنْ یَّشَآءُ ۔ بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہے۔ وَمَآ اَنْتَ
بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ۔ اور آپ نہیں سنا سکتے اُن کو جو قبروں میں پڑے
ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ جس طرح آپ قبروں والے مردوں کو نہیں سنا سکتے
یعنی اُن پر آپ کی نصیحت کارگر نہیں ہو سکتی، اسی طرح کفر اور شرک کرنے والوں
کے لیے بھی آپ کی کوئی نصیحت فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ اسی بات کو سورۃ القصص
میں اس طرح فرمایا اِنَّکَ لَا تَہْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَہْدِیْ
مَنْ یَّشَآءُ ۔ جسے آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ ہدایت کا نور
اُس کو حاصل ہوتا ہے جس کو اللہ چاہے۔ وَاِنَّکَ لَتَہْدِیْٓ اِلٰی
صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (الشوریٰ-۵۲) آپ تو صرف سیدھے راستے کی طرف
راہنمائی کرتے ہیں، باقی ہدایت دینا اللہ کا کام ہے یعنی ہدایت اللہ کی حکمت
اور ارادے کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر اللہ چاہے گا تو کسی کافر، مشرک کو
ہدایت نصیب ہو جائیگی اگر اُس کی مشیت نہیں تو پھر ہدایت نصیب نہیں
ہو سکتی۔ آپ اپنی مرضی سے قبر والوں یعنی کفار و مشرکین کو سنانا چاہیں تو

لہ بخاری ص۹۴۸ ج۲

(فاطر)

نہیں سنا سکتے۔

سماع موتی کا مسئلہ

سماع موتی سے متعلق اس قسم کی آیت سورۃ نمل، نمل، روم اور آگے سورۃ احقاف میں بھی ہے، یہ تمام آیات بظاہر سماع موتی کے متعلق ہیں مگر دراصل ان سے مردے نہیں بلکہ کافر مراد ہیں، یعنی کافروں کی حالت مردوں جیسی ہے جن پر نصیحت کی کوئی بات کارگر نہیں ہوتی۔ چونکہ ان آیات سے حقیقی مردوں کے سننے یا نہ سننے کی بحث چھیڑی جاتی ہے، اس لیے مفسرین کرام نے اس مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سماع موتی کا مسئلہ صحابہ کرام کے زمانے سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سماع موتی سے انکار کرتی ہیں اور جو احادیث سماع کے حق میں آئی ہیں ان کی تاویل کرتی ہیں۔ بعض دوسرے صحابہ بھی ان کے ہم مسلک ہیں، البتہ حضرت عمر، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ فی الجملہ مردوں کا سننا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ جن جن مقامات پر مردوں کے سننے کا ذکر آیا ہے صرف انہی مقامات پر سماعت کا عقیدہ رکھیں گے نہ کہ ہر وقت اور ہر مقام پر۔ چنانچہ مشائخ حنفیہ کے امام ابن ہمام لکھتے ہیں۔ کہ مردے عام طور پر نہیں سنتے البتہ بعض مقامات پر اس اصول سے مستثنیٰ ہیں، وہاں مردے سنتے ہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اپنی آواز ہر وقت ہر کسی مردے کو سنا سکتا ہے تو یہ دعویٰ درست نہیں کیونکہ یہ کام کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ لیکن علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر مردے فی الجملہ نہیں سنتے تو بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔ امام بخاری نے تو باب باندھ کر سماع موتی کو ثابت کیا ہے۔ باب یہ ہے بلکہ

لے روح المعانی ۵۵/۲۰۹ لے بخاری ۱۸۳/۱۸۳ (الیواقیت)

لَمَيِّتُ يَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ یعنی جب لوگ مردے کو دفن کر کے واپس جاتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی کھٹ کھٹ کی آواز سنتا ہے۔ یہ دونوں کا حدیث ہے جس کی کوئی بھی توجیہ یا تاویل نہیں کر سکتا۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مُردوں کے لیے بھی سلام کا وہی طریقہ بتلایا ہے جو زندوں کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ یعنی جب تم قبرستان میں جاؤ تو ان کو یوں سلام کرو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ یعنی اے قبروں والو! تم پر سلام ہو۔ اگر یہ سماع فی الجملہ نہ ہو تو یہ کلام بے مقصد ہے۔ محدثین کرام ایسی احادیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتے ہوئے سلام کرتا ہے تو مردہ اس سلام کو سنتا ہے اور جواب بھی دیتا ہے مگر ہم اس کے جواب کو نہیں سن سکتے۔ اگر مردہ سلام کرنے والے کو دنیا میں پہچانتا تھا تو بعد از مرگ بھی پہچانتا ہے۔ محدث ابن عبد البر نے اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

بعض اصحاب نے مذکورہ آیات کو عام معانی میں لیا ہے کہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اس بنا پر انہوں نے سماع موتی والی احادیث کی تاویل کی ہے۔ مگر بعض نے احادیث کو صحیح مان کر آیات کی تاویل کی ہے۔ تاکہ بات سمجھ میں آ جائے امام بخاریؒ[1]، امام قرطبیؒ[2] اور صاحب روح المعانیؒ[3] فرماتے ہیں کہ مردوں کے سننے سے متعلق سننا مراد نہیں بلکہ ایسا سماع مراد ہے جو مفید ہو۔ آپ قبر پر کھڑے ہو کر دو گھنٹے تک وعظ و نصیحت کریں مگر مردے کو کچھ فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ عمل کی دنیا سے نکل کر برزخ کی دنیا میں پہنچ

لہ بخاری ص۱۸۲ ج ۱ — لہ قرطبی ص۲۳۲ ج ۱۳ — لہ روح المعانی ج ۲۱ ص۵۵

لہ الجزء حمید ص۳۰۹ ج ۷ (ابیاض)

چکا ہے بالکل اسی طرح کافر حضور علیہ السلام کی آواز تو سنتے ہی مگر یہ سماع ان کے لیے مفید نہیں کیونکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ مگر ان آیات میں سماع نافع کی نفی کی گئی ہے کہ مُردوں کو نصیحت کرنا بیکار ہے، نہ یہ کہ وہ بالکل سنتے ہی نہیں۔ امام ابن تیمیہ جو ان مسائل میں بڑے شدید ہیں، وہ بھی لکھتے ہیں کہ مُردے سلام بھی سنتے ہیں اور قرآن پڑھنے والے کی آواز بھی سنتے ہیں۔

الغرض ان آیات کا یہی مفہوم لینا پڑے گا کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ اپنی مرضی سے کسی مُردے کو کچھ سنائے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ اس کے لیے مشیت خداوندی ضروری ہے۔ اور اگر بلا واسطہ کوئی مُردہ سنتا بھی ہے تو سنتا ہے اس سے کیا فرق پڑے گا۔ بعض لوگ سماع موتیٰ کو اس لیے نہیں مانتے کہ اس سے شرک پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ اگر سماع مانیں گے تو لوگ ان سے مرادیں مانگنے لگیں گے اس میں شرک کو داخل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ مردہ تو مردہ کسی زندہ سے بھی ناجائز نہیں وہ بھی شرک ہے۔ بہرحال سماع موتیٰ کے مسئلہ میں شروع سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ عام مُردوں کے سماع کے سلسلے میں دونوں طرف دلائل موجود ہیں، تاہم مولانا گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ نبیوں کے سماع میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جب کوئی شخص حضور علیہ السلام کی قبر مبارک پر جاکر درود و سلام پڑھتا ہے تو آپ اس کو سنتے ہیں۔ اسی لیے صاحب فتح القدیرؒ اور بعض دیگر فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص آپ کی قبر پر جاکر درود و سلام پیش کرتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ اپنے حق میں دعا کی درخواست بھی کرے کہ آپ اللہ کی بارگاہ میں خاتمہ بالایمان کی سفارش فرمادیں۔

اس زمانے میں بعض اصحاب نے سماع موتیٰ کا بالکل انکار کیا ہے حالانکہ اہل حدیث بزرگ مولانا نذیر حسینؒ بھی فتاویٰ نذیریہ میں لکھتے ہیں کہ اگر حضور علیہ السلام کی قبر پر جاکر درود شریف پڑھا جائے تو آپ سنتے ہیں، تاہم دور سے صلوٰۃ و سلام فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب

جلاء الافہام میں صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ہوا۔ زرقانی نے بھی یہ بات کہی ہے کہ عام سماع موتی کا مسئلہ اختلافی ہے۔ بعض اس کے قائل ہیں اور بعض قائل نہیں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جسے اب کوئی بھی حل نہیں کر سکتا۔ اس کی حقیقت تو قبر میں پہنچ کر ہی معلوم ہوگی کہ سنتے ہیں یا نہیں۔ بہرحال یہ کوئی اعتقادی مسئلہ نہیں کہ ماننے یا نہ ماننے والے پر کفر یا شرک کا فتویٰ لگا دیا جائے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی عام مردوں کے متعلق بھی عدم سماع کو ترجیح دیتے ہیں لیکن دوسری طرف بھی دلائل ہیں جنہیں یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ قرآن اور حدیث میں سماع اور عدم سماع دونوں کا ذکر ہے لہٰذا جس نے جو بھی پہلو اختیار کیا ہے وہ درست ہے دوسرے فریق کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے۔ انبیاء کے سماع کا مسئلہ اتفاقی ہے۔ حضرت گنگوہی نے فتاوی رشیدیہ میں تین جگہ لکھا ہے کہ انبیاء کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں کسی ایک معتبر عالم کا بھی ذکر نہیں ملتا جس نے اختلاف کیا ہو۔

بہرحال فرمایا اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ آپ کسی شخص کو اپنے اختیار سے راہ راست پر نہیں لا سکتے۔ البتہ تمام انبیاء علیہم السلام بشیر اور نذیر ہوئے ہیں جو اپنی اپنی قوم کو نیک اعمال کی خوشخبری اور برے اعمال سے ڈراتے رہے۔ تاریخ میں حضرت خلاؤ الدین سمنانی کا ذکر ملتا ہے۔ انہوں نے یہ بڑا عمیق نکتہ واضح کیا ہے کہ تمام انبیاء دنیا میں اس لیے تشریف لائے کہ مخلوق کی آنکھیں اس طور پر کھول دیں کہ ان کو اپنا عیب اور حق تعالیٰ کا کمال نظر آنے لگے۔ اپنی عاجزی اور اللہ کی قدرت نظر آنے لگے۔ اپنی ظلم و زیادتی اور حق تعالیٰ کا عدل و انصاف نظر آنے لگے۔ اپنی جہالت اور حق تعالیٰ کا علم نظر آنے لگے۔ اپنی پستی اور حق تعالیٰ کی عزت نظر آنے لگے۔ اپنی بندگی اور حق تعالیٰ کی مالکیت نظر آنے لگے۔ اپنا فقر اور حق تعالیٰ کا غنا نظر آنے لگے۔ چونکہ آپ ہی اور حق تعالیٰ کی نعمتیں نظر آنے لگیں۔ اپنا نقص اور بے مائیگی صرف خدا تعالیٰ کی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا بیشک

ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اہل ایمان
کے لیے جنت میں اعلیٰ مقام کی بشارت ہے جب کہ کفر، شرک اور معاصی
کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے بُرے انجام کی وعید ہے۔ فرمایا وَإِنْ مِّنْ
أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ہر امت میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا گزرا ہے
کوئی ایسی امت نہیں جس میں اللہ کے صاحب کتاب اور صاحب شریعت نبی
یا ان کے نائب نہ آئے ہوں۔ نبیوں کے بعد ان کی اُمت کے مبلغین ہی انذار کرتے
رہے ہیں اور یہ تسلسل کے ساتھ ہر قوم و ملک میں آتے رہے ہیں اور آگے
رہیں گے۔

فرمایا وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو کوئی نئی نہیں
یہ ان کی پرانی ریت ہے۔ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے
پہلے لوگوں نے بھی اپنے نبیوں کو جھٹلایا۔ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
ان کے رسول ان کے پاس کھلی اور واضح نشانیاں، احکام اور دلائل لے کر آئے
وَبِالزُّبُرِ وہ اپنے ساتھ صحیفے بھی لائے۔ اللہ نے بہت سے انبیاء علیہم السلام پر
صحیفے بھی نازل فرمائے وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ اور وہ روشن کتابیں بھی لائے۔ چار
آسمانی کتابیں، زبور، تورات، انجیل اور قرآن ہیں۔ ان کے علاوہ امام [illegible]
ہیں کہ اللہ نے ایک سو چار صحیفے بھی نازل فرمائے۔ جب اللہ نے انبیاء
اور کتب کے ذریعے حجت پوری کر دی، اور پھر بھی نہ مانے تو فرمایا ثُمَّ أَخَذْتُ
الَّذِينَ كَفَرُوا پھر میں نے کفر کرنے والوں کو پکڑ لیا۔ پہلے انذار کیا، مہلت دی
مگر جب وہ کسی طرح نہ مانے تو میری گرفت آئی فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ پھر دیکھو
میری گرفت کیسی ہوئی۔ جب حق تعالیٰ کی طرف سے عذاب آیا تو پھر نافرمان قوم
کا فرد واحد بھی نہ بچ سکا۔ سب دنیا سے ناپید ہو گئے۔ فرمایا دیکھو ایسے لوگوں کا کیا حال ہوا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا
بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ
بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ
سُودٌ ﴿٢٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ
مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ
عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿٢٨﴾ إِنَّ
الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً
يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ
أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ
غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ
مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٣١﴾

ترجمہ ۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے
لے اتارا آسمان کی طرف سے پانی ۔ پھر نکالے ہم نے اس کے
ساتھ پھل مختلف رنگوں کے ۔ اور پہاڑوں میں سے بعض

گھاٹیاں سفید ہیں اور سُرخ ۔ اُن کے مختلف رنگ ہیں اور کچھ انتہائی درجے کی سیاہ ہیں ㉗ اور لوگوں ، کیڑوں مکوڑوں اور مویشیوں میں سے جن کے مختلف رنگ ہیں اسی طرح ۔ بیشک ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے اُس کے بندوں میں سے علم والے لوگ ۔ بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور بخشش کرنے والا ہے ㉘ تحقیق وہ لوگ جو پڑھتے ہیں اللہ کی کتاب اور قائم رکھتے ہیں نماز کو ، اور خرچ کرتے ہیں اُس میں سے جو ہم نے اُن کو روزی دی ہے پوشیدہ اور ظاہر ۔ وہ اُمید رکھتے ہیں ایسی تجارت کی جو کبھی تباہ نہیں ہوگی ㉙ تاکہ وہ بدلہ دے اُن کو اُن کا پورا پورا ۔ اور زیادہ دے گا اُن کو اپنے فضل سے ۔ بیشک وہ بہت بخشش کرنے والا اور قدردان ہے ㉚ اور وہ جو ہم نے وحی نازل کی ہے آپ کی طرف کتاب سے ، یہ برحق ہے ۔ تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے (کتابیں) ہیں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ البتہ خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا ہے ㉛

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں انذار کا بیان تھا ۔ اللہ نے اہلِ ایمان اور کفار کی الگ الگ حیثیت کو بیان فرمایا تھا کہ یہ دونوں گروہ برابر نہیں ہو سکتے ، جس طرح اندھا اور بینا ، اندھیرا اور روشنی ، سایہ اور تپش ، زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے اسی طریقے سے کافر مشرک ، گمراہ اور ایماندار برابر نہیں ہو سکتے ، اُس کے بعد اللہ نے رسالت و نبوت ، کے بیان میں فرمایا کہ ہم نے ہر امت میں ڈر سنانے والے بھیجے ہیں ، اور آپ کو بھی ہم نے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے ۔ اگر یہ لوگ انکار کرتے ہیں تو آپ دل برداشتہ نہ ہوں ۔ یہ تکذیب کوئی نئی بات نہیں ہے

آپ مطمئن رہئیں، پہلے انبیاء علیہم السلام کی بھی تکذیب کی گئی۔ پہلے انبیاء بھی واضح دلائل لے کر گئے معجزات لے کر گئے تھے مگر جھٹلانے والے انکار کرنے والوں نے تسلیم نہ کیا۔ پھر اللہ کی ایسی گرفت آئی کہ صفحہ ہستی سے نابود کر دیئے گئے۔

اب آج کی آیات میں بھی دلائل قدرت بیان کر کے توحید کا مسئلہ سمجھایا گیا ہے اگر ان پر غور کریں تو توحید خداوندی کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ کی قدرت کے نمونے دیکھ کر انسان کے دل میں یقین پیدا ہوتا ہے۔ انہی آیات میں اللہ نے ایمان لانے اور سمجھ رکھنے والے لوگوں کی تعریف بھی فرمائی ہے۔ ان کے اوصاف بیان ہوئے ہیں اور پھر ان کا انجام بھی ذکر کیا گیا ہے۔

پھلدار پودوں کی تخلیق

ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا۔ عربی زبان میں سماء کا اطلاق آسمان کے علاوہ بادل اور فضا پر بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سمندر سے بخارات کو اٹھاتا ہے، اور پھر جہاں بارش برسانی مقصود ہوتی ہے ہوائیں انہیں اٹھا کر وہاں لے جاتی ہیں۔ آسمان کا ذکر اس لیے ہی کیا گیا ہے کہ بارش برسانے کا حکم تو اوپر ہی سے آتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذّٰریٰت - ۲۲) تمہارا رزق اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا گیا ہے سب آسمانوں میں ہے یعنی حکم اوپر ہی سے آتا ہے۔ فرمایا اللہ نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا پس اس کے ذریعے پھل پیدا کیے جن کے مختلف رنگ ہیں۔ اللہ نے یہ چیزیں انسانوں کی غذا اور تفریح کے لیے پیدا فرمائی ہیں۔

اب ذرا ان پھلوں کی ساخت، رنگ اور ذائقہ میں غور کریں، ہر ایک کا رنگ الگ، حجم الگ، الگ رنگ، ذائقہ اور خواص ہیں۔ ہر قسم کے پھل بھی مختلف ہیں جنہیں انسان جانور اور کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں۔ سورۃ الرعد میں اللہ نے زمین کے مختلف خطوں اور مختلف باغات کی طرف توجہ دلا کر

فرمایا ہے۔ یُسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ (آیت ۴) سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے
مگر اس سے پیدا ہونے والے بعض پھلوں کو بعض پر اللہ نے فضیلت بخشی ہے۔
پانی تو وہی ہے جو بارش کے ذریعے نازل ہوتا ہے۔ پھر وہ کبھی ندی نالوں اور دریاؤں
کی صورت میں بہہ نکلتا ہے، کبھی چشموں کی شکل میں زمین کے اندر رک جاتا ہے،
اور پھر کنوؤں کے ذریعے نکالا جاتا ہے مگر یہ اللہ کی قدرت کی نشانی ہے کہ
ایک ہی پانی حاصل کرنے والے پھلوں میں سے کوئی میٹھا ہے، کوئی کڑوا، کوئی
ترش اور کوئی پھیکا ہے۔ رنگ بھی مختلف ہیں اور سائز میں بھی تفاوت ہے
بہر حال اناج اور پھل اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔

پہاڑوں کی گھاٹیاں

فرمایا جس طرح اللہ نے پانی کے ذریعے مختلف پھل پیدا کیے ہیں اسی طرح
وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا پہاڑوں کی گھاٹیاں بھی سرخ و سفید ہیں
ان کے مختلف رنگ ہیں وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ اور بعض انتہائی سیاہ ہیں۔ دنیا
کے مختلف خطوں میں مٹی کا رنگ بھی مختلف ہے اور پہاڑوں کے رنگ
بھی مختلف ہیں، کہیں سیاہ پتھر ہیں تو کہیں مٹیالے۔ کہیں سفید ہیں تو کہیں سرخ
یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ ہر چیز کا خالق وہی وحدہٗ لاشریک
ہے۔ انسان، پھلوں اور پہاڑوں کی تخلیق میں ہی غور کرلے تو اسے اللہ کی وحدانیت
سمجھ میں آسکتی ہے۔

جانداروں کی تخلیق

بے جان چیزوں کی تخلیق کے بعد اللہ نے جانداروں کی تخلیق کا ذکر بھی
کیا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ اور لوگوں میں سے اور زمین
میں چلنے پھرنے والے کیڑے مکوڑوں میں سے۔ وَالْاَنْعَامِ اور مویشیوں میں
سے ذرا ان تمام جانداروں میں غور کرو مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اسی طرح
ان کے بھی مختلف رنگ ہیں۔ انسان بھی ظاہری شکل و صورت اور رنگت کے
اعتبار سے مختلف ہیں، کوئی سیاہی مائل ہے، کوئی گورا چٹا، کوئی زردی مائل،
اور کوئی گندمی رنگ والا۔ قدو قامت کے لحاظ سے بھی کوئی پست قامت ہے۔

کوئی درمیانہ اور کوئی طویل قامت ہے۔ اسی طرح کوئی گرم ہے اور کوئی ٹھنڈا۔ قوت کے لحاظ سے کوئی بڑا طاقتور اور کوئی کمزور ہے۔ مختلف خطوں کے لوگوں کے خواص بھی مختلف ہوتے ہیں۔ باطنی طور پر بھی لوگوں کے خصائل مختلف ہیں کوئی ایماندار ہے اور کوئی کافر، مشرک، مجوسی اور دہریہ۔ اکوئی خوش اخلاق ہے اور کوئی بداخلاق لوگوں کے عزائم بھی مختلف ہیں اور سوچ اور فکر بھی مختلف ہوتی ہے گویا افراد میں بڑا ہی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہی تفاوت دیگر جانداروں میں بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

دراصل نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دی جارہی ہے کہ مخالفین کی ایذا رسانیوں سے پریشان نہ ہوں۔ دنیا دارالامتحان ہے۔ اس میں لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے جیسے فرمایا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ (ھود-۱۱۸) اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر انسان برابر اختلاف کرتے رہیں گے۔ سورۃ النحل میں فرمایا وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (آیت-۹) اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا مگر وہ کسی پر جبر نہیں کرتا۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکھف) جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کا راستہ اختیار کرے۔ اللہ نے اللہ نے انجام واضح کر دیا ہے۔ اگر ایمان لاؤ گے تو حظیرۃ القدس جیسے پاک مقام کی رکنیت حاصل ہو جائے گی اور بالآخر اللہ کی رحمت کے مقام میں پہنچ جاؤ گے۔ اور اگر کفر و شرک کے راستے پر چل نکلو تو آگ کی قناتوں والی جہنم میں جانا پڑے گا۔ بہرحال ان اختلافات کو سامنے رکھ کر تسلی دی گئی ہے کہ اہل ایمان غمگین نہ ہوں۔

اہل علم کی تعریف

فرمایا اللہ کی مختلف قسم کی تخلیق میں اختلاف تو موجود ہے لیکن اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا بے شک اللہ کے بندوں میں سے

اہلِ علم ہی ڈرتے ہیں، جن لوگوں میں علم اور سمجھ کی کمی ہوتی ہے اُن میں خوفِ خدا کا بھی فقدان ہوتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے والے وہی لوگ ہیں، جو اللہ کی عظمت و جلال کو پیشِ نظر رکھتے ہیں، خدا کی توحید اور صفات کو سمجھتے ہیں اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھتے ہیں، شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں[1] کہ اللہ سے ڈرنے والے سارے لوگ نہیں ہوتے بلکہ یہ تو سمجھ رکھنے والوں کی صفت ہے۔

اللہ کے عالم بندوں کی شناخت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عالم باللہ الرحمٰن اللہ کا وہ بندہ ہے جو خدائے رحمان کو جاننے والا ہے لَمْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا جس نے اللہ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو یعنی مشرک آدمی عالم کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ عالم آدمی وہ ہے اَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ جس نے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھا، وَحَفِظَ وَصِيَّتَهٗ اور اس کی وصیت کی حفاظت کی وَاَيْقَنَ اَنَّهٗ مُلَاقِيْهِ وَهُوَ حَاسِبُهٗ اور یقین رکھا کہ ایک دن اُس سے ملاقات ہونے والی ہے اور وہ ضرور حساب لے گا۔

امام حسن بصریؒ عالم کی تعریف میں فرماتے ہیں اَلْعَالِمُ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ عالم شخص وہ ہے جو بن دیکھے خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے ایسا شخص اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر ہی اپنے دل میں خوف رکھتا ہے جس چیز کی اللہ نے ترغیب دی ہے، وہ بھی اُس کی ترغیب دیتا ہے، اور جس چیز سے اللہ نے منع کیا ہے، وہ بھی اس سے منع کرتا ہے، اور جس چیز میں خدا کی ناراضگی ہے اُس سے خود بھی بچتا ہے اور دوسروں کو بھی بچاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے علم کی تعریف اس طرح منقول ہے۔

لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الْحَدِيْثِ
وَلٰكِنَّ الْعِلْمَ عَنْ كَثْرَةِ الْخَشْيَةِ

---

[1] موضح القرآن ... (فیاض)

بلادو روایات یاد ہونا علم کی علامت نہیں بلکہ خوفِ خدا کی زیادتی علم کی نشانی ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے منقول ہے مَنْ لَّا خَشْيَةَ لَهُ فَلَيْسَ بِعَالِمٍ جس میں خشیت نہیں وہ عالم نہیں۔ صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں کہ علماء حقیقت میں وہ ہیں جو اللہ کی ذات اور اس کی صفاتِ علیہ کو جانتے ہیں، جو اس کے افعالِ حمیدہ کا علم رکھتے ہیں اور اس کی تمام شیونِ حمیدہ کو بھی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح امام مالکؒ نے بھی فرمایا ہے کہ عالم وہ نہیں ہے جس کو زیادہ روایتیں یاد ہوں بلکہ عالم وہ ہے جس کا دل اللہ کی عطا کردہ روشنی سے روشن ہے۔ اللہ کی معرفت حاصل ہے اور جس کی ذات و صفات کو جانتا اور پہچانتا ہے۔ مفسر قرطبیؒ نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی فقیہ ہے حالانکہ فقیہ کامل تو وہ شخص ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں کرتا اور کسی کو خدا کی معاصی کی اجازت نہیں دیتا اور لوگوں کو عذابِ الٰہی سے بے فکر نہیں کرتا۔ عالم آدمی قرآن سے اعراض نہیں کرتا۔ نیز فرماتے ہیں لَا خَيْرَ فِي عِبَادَةٍ لَا عِلْمَ فِيهَا یعنی عبادت میں کوئی بہتری نہیں جس میں علم کا دخل نہیں۔ گویا عبادت علم کے ساتھ خوب سوچ سمجھ کر کی جائے تو مفید ہوگی، ورنہ نہیں۔

حضرت علی ہجویریؒ کا مقولہ بھی ہے اَلْمُتَعَبِّدُ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَالْحِمَارِ فِي الطَّاحُونِ بغیر علم کے عبادت کرنے والا خراس کے گدھے کی طرح ہے وہ جانتا ہی نہیں کہ گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ اسی طرح بے علم کی حالت ہے۔ بغیر علم کے علم درست نہیں اور علم میں ضروری چیز ایمان ہے۔ جس کے بغیر کوئی عبادت قابلِ قبول نہیں۔ خدا کی توحید، اس کی صفات، عالمِ برزخ اور آخرت کی منازل وغیرہ سب ضروری چیزیں ایمان کے متعلق عالم کو علم ہونا چاہیے۔ اسی طرح فقیہ

لہ روح المعانی ص ۔ و المعجم الوسیط ۲/۳۱۲ سے قرطبی ص ۱/۳۴۳ (فیاض)

بھی رہی ہوگا، جو سمجھ اور فقاہت رکھنے والا ہوگا، حضرت علیؓ کا مقولہ ہے لَا قِرَاءَۃَ لَا تَدَبُّرَ فِیْھَا قرآن کی جس تلاوت میں تدبر نہیں ہے اس کی کوئی خاص فوقیت نہیں کیونکہ قرآن کی آیات پر غور و فکر اور تدبر ضروری ہے، اللہ نے شکوہ کیا ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا (محمد ۲۴) لوگ قرآن میں غور و فکر کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں؟

پہلے بھی بعض گمراہ لوگوں نے اس آیت کا غلط معنی کیا ہے، اس نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ عالم سے مراد سائنس دان ہیں، یہ ترجمہ کیا قرآن پاک کی تحریف ہے اس شخص نے اپنے آپ کو مفکر قرآن کے نام سے مشہور کر دیا، رسالہ طلوع اسلام جاری کیا، مگر گمراہ ہو گیا، اس نے خود ساختہ لغت بھی جاری کیا، اس نے نہ صرف عالم کا معنی غلط کیا بلکہ سورۃ نحل میں جہاں وَالطَّیْرَ صٰٓفّٰتٍ (آیت ۲۰) کا ذکر آیا ہے، وہاں اس نے طیر کا معنی پرندہ نہیں بلکہ جنگلی آدمی کیا ہے، الفقر کا معنی فاقہ کیا ہے، الحور العین سے پاکیزہ فکر مراد لی ہے، اس نے ابل کا معنی اونٹ کی بجائے بادل بھی کیا ہے، اسی طرح اس نے علماء سے مراد سائنسدان لیا ہے۔ اگرچہ سائنس بھی ایک علم یا فن کا شعبہ ہے جس کے ذریعے تجربات حاصل کیے جاتے ہیں اور فزکس، کیمسٹری، باٹنی، فلکیات، وغیرہ اس کی بہت سی شاخیں ہیں، مگر عالم سے مراد محض سائنس دان لینا تو بالکل ہی غلط ہے، سائنس دان تو بے دین، کافر، دہریے، منکر بھی ہوتے ہیں، مگر وہ عالم نہیں کہلا سکتے۔ عالم بندہ سے قرآن کی مراد ایسا شخص ہے جسے اللہ کی توحید، اس کی صفات، ذات، احکام اور آخرت کا علم حاصل ہے اور اس علم کے مطابق وہ عامل بھی ہے، عالم کے لیے تو عقیدے کی درستگی ضروری ہے جو غیر مسلموں میں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا وہ عالم کہلانے کے حقدار نہیں ہو سکتے۔

فرمایا اللہ کے بندوں میں سے اہل علم ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے کہ جب وہ کسی

سرکش کر بیٹھتا ہے تو پھر معمولی نیکی بھی اسے فائدہ نہیں دیتی۔ وہ غفور بھی ہے کہ توبہ کرنے پر گنہگاروں کو معاف بھی کر دیتا ہے۔

نفع بخش تجارت

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰهِ وہ لوگ جو کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اور نماز قائم کرتے ہیں۔ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے، اس میں سے مخفی اور ظاہر خرچ کرتے ہیں۔ کبھی پوشیدہ طور پر خرچ کرنا بہتر ہوتا ہے اور کبھی ظاہر کر کے خرچ کرنا ضروری ہوتا ہے فرمایا ایسے لوگ یَرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو کبھی برباد نہیں ہوگی۔ تو گویا یہ ایسی تجارت ہے جس میں خسارہ نہیں۔ لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ تاکہ وہ بدلہ ان کو پورا پورا۔ اللہ تعالیٰ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ وہ مذکورہ بندوں کو ان کے عقیدہ و اعمال کا پورا اجر دے گا۔ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بلکہ اپنی مہربانی سے ان کے استحقاق کی نسبت زیادہ انعام اکرام بھی دے گا جس کی کوئی حد نہیں۔ کیونکہ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ اس خدا کی یہ شان ہے کہ وہ غلطیوں، کوتاہیوں کو معاف کرنے والا بھی ہے اور معمولی سے معمولی کار خیر کا قدر دان بھی ہے۔ وہ کسی کی محنت و کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔

امام حمزہ علوی کے متعلق مشہور ہے کہ ان کے ایک شاگرد نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ اور دریافت کیا کہ حضرت کیا حال ہے؟ فرمایا کہ تمہیں پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں عورت کو بخش دیا ہے۔ شاگرد نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا، وہ عورت نماز نہیں پڑھتی تھی، البتہ جب اذان ہوتی تو اس کا احترام کرتے ہوئے اب بیٹھ جاتی اور احترام سے رہتی تھی۔ خدا نے اس کا یہی عمل قبول کر لیا ہے۔ حدیث کا مضمون بھی ہے کہ کسی چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ شاید اللہ کے نزدیک وہی قابل قبول ہو اور تمہارے لیے نجات کا باعث بن جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان فرائض سے غافل ہو کر بعض چھوٹے چھوٹے کاموں کے پیچھے لگ جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ کی

عفور رحیم اور قدرت والی کا یہ عالم ہے کہ وہ چھوٹے سے عمل کو بہانہ بنا کر بھی بخشش دینے پر قدرت رکھتا ہے۔

قرآن کی حقانیت

تمسگے قرآن پاک کی حقانیت کا ذکر کیا ہے وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ۔ اور ہم نے آپ کی طرف کتاب وحی سے جو بھیجی ہے وہ برحق ہے یعنی اللہ نے قرآن کی حقانیت وصداقت پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہ یہ کتاب مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ پہلے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اگر ان میں پیدا کی گئی خرابیوں کی بھی نشاندہی کرتی ہے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پوری خبر رکھتا ہے اور ہر شخص کا عقیدہ اور عمل اس کی نگاہ میں ہے۔ وہ ہر ایک کو پورا پورا بدلہ دے گا۔

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ
فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ
وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ
هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا
يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ
وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِيْٓ أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۗ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ
شَكُوْرُ ۝ الَّذِيْٓ أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ
فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا
فِيْهَا لُغُوْبٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ
لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
مِّنْ عَذَابِهَا ۗ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝
وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ أَخْرِجْنَا
نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۗ أَوَلَمْ
نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ

ع النَّذِيْرُ ، فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿٣٧﴾

ترجمہ:۔ پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے منتخب کیا اپنے بندوں میں سے، پس بعض ان میں زیادتی کرنے والے ہیں اپنی جان پر، اور ان میں سے بعض میانہ رو ہیں، اور بعض ان میں سے سبقت کرنے والے ہیں بھلائیوں کے ساتھ اللہ کے حکم سے۔ یہ بڑی فضیلت کی بات ہے ﴿٣٢﴾ باغات ہیں رہنے کے داخل ہوں گے ان میں، پہنائے جائیں گے ان کو کنگن سونے کے اور موتیوں کے اور ہوگا ان کا پہناوا ان میں ریشم کا ﴿٣٣﴾ اور وہ کہیں گے، سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے دور کر دیا ہم سے غم۔ بیشک ہمارا پروردگار بہت بخشش کرنے والا اور قدردان ہے ﴿٣٤﴾ وہ جس نے اتارا ہے ہمیں ٹھہرنے کی جگہ میں اپنے فضل سے، نہیں پہنچتی اس میں ہم کو کوئی مشقت، اور نہیں پہنچتی اس میں ہم کو کوئی تھکاوٹ ﴿٣٥﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا، ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ نہ فیصلہ کیا جائے گا ان پر کہ وہ مر جائیں اور نہ تخفیف کی جائے گی ان سے اس (دوزخ) کے عذاب سے۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر ناشکر گزار کو ﴿٣٦﴾ اور وہ چلائیں گے اس کے اندر اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار! نکال دے ہم کو کہ ہم عمل کریں اچھا سوائے اس کے جو ہم پہلے عمل کیا کرتے تھے۔ (اللہ فرمائے گا) کیا ہم نے تمہیں عمر نہیں دی تھی کہ نصیحت

سمجھنے اس کے اندر جو نصیحت پکڑنا چاہتا ہے۔ اور آیا تمھارے پاس ڈر سنانے والا۔ اب چکھو، پس نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار (۳۷)

ربط آیات — گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی مختلف اقسام کو توحید کے دلائل کے طور پر پیش کیا، پھر فرمایا کہ خشیتِ الٰہی علم اور سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد اللہ نے اہل ایمان کی بعض صفات بیان فرمائیں کہ وہ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ روزی میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ نفع بخش تجارت کرتے ہیں۔ پھر قرآن کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ یہ برحق ہے، پہلی کتابوں کی مصدق ہے اور انسانوں کی ہدایت کے لیے اس کتاب میں بڑا سامان ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے اچھی طرح باخبر ہے۔

وارثانِ کتاب — کتابیں اور صحیفے پہلے نبیوں پر بھی نازل ہوئے اور پھر آخر میں اللہ نے قرآن پاک جیسی عظیم المرتبت کتاب نازل فرمائی جس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔
ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا
پھر ہم نے اس کتاب یعنی قرآن کا وارث ان کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب فرمایا۔ اللہ نے اس آخری امت کو تمام سابقہ امم پر فضیلت بخشی اور اس کو آخری کتاب کا وارث بنایا۔ اس کتاب کی نشر و اشاعت، تعلیم اور اس پر عمل کرنا اسی امت کی ذمہ داری ٹھہری۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اہل کتاب کو تورات کا وارث بنایا مگر انہوں نے یہ امانت پورے طریقے سے ادا نہ کی۔ جس کی وجہ سے کتاب میں تغیر و تبدیل پیدا ہو، اور اب یہ اس آخری امت کی آزمائش ہے کہ وہ اس امانت کا بار احسن طریقے سے اٹھائیں۔

فرمایا جس طرح اللہ کی تخلیق مختلف ہے، انسان، جانور، کیڑے مکوڑے،

پھل، آم، پیاز اور وغیرہ میں بے شمار اقسام پائی جاتی ہیں۔ اور کوئی ایک مخلوق بھی آپس میں یکساں نہیں ہے۔ اسی طرح وارثانِ کتاب یعنی آخری امت کے لوگ بھی ایک جیسے نہیں ہیں۔ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اپنے نفس پر زیادتی کی، اگرچہ بحیثیت مجموعی وہ منتخب بندوں میں سے ہیں مگر معاصی میں بھی ملوث ہیں حتیٰ کہ کبائر سے بھی پرہیز نہیں کرتے مطلب یہ کہ ایمان لانے کے باوجود گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ ان کی اپنی جانوں پر زیادتی ہے۔

وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ اور ان میں سے بعض میانہ رو ہیں کبھی گناہ کا ارتکاب بھی کر لیا اور کبھی چھوڑ بھی دیا اور اس کی تلافی کر لی۔ ساتھ ساتھ نیکی کے کام بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ زیادہ متقی تو نہیں لیکن گناہوں میں بھی زیادہ انہماک نہیں رکھتے بلکہ درمیانی چال چلتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ اور ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جو اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت حاصل کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی توفیق سے نیکیوں کو سمیٹتے ہیں اور اس میں کمال حاصل کرتے ہیں۔ فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کی ادائیگی کی کوشش کرتے ہیں اور صغیرہ کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں۔ یہ نیکیوں میں سبقت کرنے والے لوگ ہیں۔ انہی کے متعلق فرمایا ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے جو ان لوگوں پر ہوا۔

اہل جنت کے لیے انعامات

ایسے لوگوں کی جزا کے متعلق فرمایا جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا ہمیشہ کے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے، یعنی یہ لوگ بہشت میں داخل ہوں گے يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا انہیں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔ دنیا میں تو اللہ نے مردوں کے لیے سونا اور ریشم حرام قرار دیا ہے مگر جب یہ جنت میں پہنچیں گے تو وہاں

انھیں یہ چیزیں میسر آئیں گی۔ جنت میں اہل جنت جس قسم کے سنہری زیورات
اور ہر حیثیت کے اور جس قسم کے ریشم کا لباس پسند کریں گے ان کی خواہش کے مطابق
مہیا کیا جائے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ تینوں گروہ یعنی اپنی جان پر ظلم کرنے
والے میانہ روی اختیار کرنے والے اور نیکیوں میں سبقت حاصل کرنے والے اہل ایمان
ہی کے گروہ ہیں اور یہ سب کے سب اللہ کی رحمت کے سہارے جنت میں داخل ہو سکیں گے
ہاں یہ بات ہے کہ ظالم اپنی زیادتیوں کا خمیازہ بھگتنا ہوگا اور سزا بھگت کر
وہ بھی بالآخر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے
کہ اس امت کے گنہگار لوگوں کو معافی ضرور مل جائے گی۔ کسی کی سفارش ہوگی
اور کسی کے حق میں اللہ تعالیٰ خود مہربانی فرمائیں گے۔

جب یہ لوگ بہشتوں میں داخل ہو جائیں گے وَقَالُوا الْحَمْدُ
لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ تو یوں کہیں گے سب تعریفیں اللہ تعالیٰ
کے لیے ہیں جس نے آج ہم سے غم کو دور کر دیا۔ دنیا میں تو ہم طرح طرح
کے غم و آلام میں مبتلا تھے، کئی قسم کی تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا تھا، مگر
اب سارے غم دور ہو گئے اور تمام تکالیف مٹ چکی ہیں۔ اللہ نے ہماری معمولی
سی طاعت کی بڑی قدر کی ہے اور اپنی بخشش سے نوازا ہے۔ اِنَّ
رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ بیشک ہمارا پروردگار بخشش کرنے والا اور قدردان ہے۔ الَّذِيْٓ
اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ وہی جس نے اپنے فضل
سے اقامت کے گھر یعنی ٹھہرنے کی جگہ میں اتارا ہے۔ اقامت کے گھر سے
مراد اللہ تعالیٰ کا بہشت ہے جو انسان کا دائمی مقام ہے۔ اس سے پہلے تو انسان
مختلف مقامات میں عارضی طور پر قیام پذیر ہوتا ہے۔ کبھی عالم ارواح میں کبھی
باپ کی پشت میں، کبھی ماں کے شکم میں، کبھی اس دنیا میں، کبھی برزخ میں
اور کبھی حشر کے میدان میں۔ انسان کا آخری اور دائمی مقام تو جنت ہی ہے

جس کے بعد کسی دوسری جگہ نہیں جائے گا۔ غرضیکہ لوگ اللہ کی تعریف بیان کریں گے جس نے انہیں اس آخری مقام میں ٹھکانا دیا۔ اور یہ ایسا عمدہ ٹھکانا ہے کہ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ یعنی اس میں کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچتی وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ اور نہ کوئی مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے۔

جنتی لوگ ان سہولتوں کا ذکر کریں گے جو انہیں جنت میں پہنچ کر حاصل ہوں گی دراصل نصب اور لغوب دونوں ہم معنی الفاظ ہیں اور معنی تھکاوٹ ہی ہے۔ البتہ بعض فرماتے ہیں کہ نصب اس تھکاوٹ کو کہتے ہیں جو کسی کام کاج کے دوران ہو جاتی ہے اور لغوب وہ تھکاوٹ ہے جو کام کرنے کے بعد طاری ہوتی ہے۔ بہشت میں پہنچ کر نہ تو کسی کو کام ہی نہیں کرنا پڑے گا، نہ مشقت اٹھانی پڑے گی لہٰذا کسی قسم کی تھکاوٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بعض حضرات نصب کا معنی جسمانی تھکاوٹ اور لغوب کا معنی نفسانی تھکاوٹ بھی کرتے ہیں مطلب یہی ہے کہ وہاں پہنچ کر کسی قسم کی تھکاوٹ نہیں ہوگی۔ جنتی لوگ نہایت آرام و سکون کی زندگی بسر کریں گے۔

باغیوں کے لیے سزا

آگے اللہ نے کفار کی تعذیب کا ذکر بھی کیا ہے۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ اور جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ ان کے لیے جہنم کی آگ ہوگی لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا ان کے متعلق موت کا فیصلہ بھی نہیں کیا جائے گا۔ قرآن پاک میں کئی مقامات پر جہنمیوں کی اس حالت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہاں ان کو نہ موت آئے گی اور نہ زندگی ہوگی، وہ اس قدر کرب ناک حالت میں ہوں گے۔ سورۃ الاعلیٰ میں ہے کہ دوزخ میں پہنچ کر ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (آیت ۱۳) اسی طرح سورۃ طٰہٰ میں ہے کہ مجرم کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ (آیت ۷۴) نہ تو موت ہی آئے گی کہ عذاب سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا۔

اور نہ راحت حاصل ہوگی۔ جو کہ رحمت کی علامت ہے۔ فرمایا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا کہ ان کے لیے دوزخ کے عذاب میں کوئی تخفیف بھی نہیں ہوگی بلکہ عذاب مسلسل ہوتا رہے گا۔ فرمایا کَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ہم اسی طرح ناسپاس گزار کو بدلہ دیتے ہیں۔ ان کی سزا جہنم کا دائمی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ جہنمی لوگ عذاب کی تکلیف سے وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا اس میں چلائیں گے اور بار بار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کریں گے۔ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ اے ہمارے پروردگار! ہمیں یہاں سے نکال لے، اب ہم اچھا عمل کریں گے۔ اس کی بجائے جو پہلی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے[1] کہ کافر لوگ چلا چلا کر ہزار برس تک دفعہ دوزخ سے نکلنے کی درخواست کریں گے اس کے بعد جواب آئے گا۔ اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (المؤمنون ۱۰۸) تم پر اسی جہنم میں پھٹکار ہو۔ اب کلام نہ کرو، ہم تمہیں جواب دینے کے لیے بھی تیار نہیں۔ الغرض! جہنم والوں کی چیخ و پکار ہوتی رہے گی مگر ان کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں ہوگی۔

عمر کا استعمال

پھر اللہ تعالیٰ جواب دے گا اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ کہ جو اس دوران نصیحت پکڑنا چاہے، پکڑے۔ تمہیں دنیا میں پورا پورا موقع دیا گیا تھا۔ اللہ نے اپنے پیغمبر اور مبلغین بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں۔ مگر تم نے اس موقع کو ضائع کر دیا اور کوئی نصیحت حاصل نہ کی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ میری امت کے لوگوں کی اکثر عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہیں۔ اس سے کم تھوڑے ہی ہوں گے، اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس شخص کو

---

[1] ترمذی ص ۳۸ (فیاض)

اللہ تعالیٰ اتنی زندگی عطا کر دے، اس کے بعد اس کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا اللہ فرمائے گا، میں نے تمہیں اتنی لمبی مہلت دی مگر تم پھر بھی ایمان سے محروم رہے، اور نیکی کے کام نہ کر پائے، لہٰذا اب اس کا بدلہ چکھو۔

نذیر کی آمد — غرضیکہ اللہ فرمائے گا، میں نے تمہیں اتنی عمر دی وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ اور تمہارے پاس ڈر سنانے والے بھی آئے۔ اللہ کے تمام انبیاء نذیر ہوتے ہیں۔ خود حضور علیہ السلام کے متعلق بھی اللہ نے فرمایا فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيرٌ وَّ نَذِيرٌ (المائدہ۔ ۱۹) تحقیق تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا آ چکا ہے۔ اپنی فکر کر لو، قیامت آنے والی ہے اور محاسبہ اعمال لازمی ہوگا۔ اور پھر جنت یا دوزخ میں دائمی ٹھکانا ہوگا۔ امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں، کہ خود حضور علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ بھی نذیر ہے، اللہ کے قائم کردہ تمام دلائل توحید بھی نذیر ہیں۔ انبیاء کے بعد علمائے حق بھی نذیر ہیں۔ انسان کو پیش آنے والے تمام کیفیات، بچپن، جوانی، بڑھاپا، صحت، بیماری، فقر، غنیٰ اور دیگر حوادثات زمانہ سب انسانوں کے لیے بمنزلہ نذیر کے ہیں کہ ان میں غور و فکر کر کے اپنی عاقبت کے لیے بہتر وسائل پیدا کرے۔

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب انسان کے جسم میں ایک بال سفید ہو جاتا ہے تو وہ دوسرے بال سے کہتا ہے کہ تیار ہو جاؤ، موت کا وقت قریب آگیا ہے۔ گویا بالوں کی سفیدی بھی نذیر ہے۔ کسی شاعر نے بھی کہا ہے ؎

وَقَائِلَةٍ تَخَضَّبْ يَا حَبِيْبِيْ

وَسَوِّدْ شَعْرَ وَجْهِكَ بِالْعَبِيْرِ

محبوبہ نے اپنے محبوب سے کہا کہ اے پیارے! اپنے بالوں کو رنگ لو، یعنی اپنے چہرے کے بالوں کو عبیر جیسی اعلیٰ خوشبو کے ساتھ سیاہ کر دو۔ اس پر اُس شخص نے جواب دیا

سله

قُلْتُ لَهَا الْمَشِيْبُ نَذِيْرُ عُمْرِيْ
وَلَسْتُ مُسَوِّدًا وَجْهَ النَّذِيْرِ

یعنی بڑھاپا میری زندگی کا نذیر ہے، لہٰذا میں اس نذیر کے چہرے کو سیاہ کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔

اسی طرح ابن حطان شاعر نے بھی کہا ہے۔

فَاعْمَلْ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ بِوَاحِدَةٍ
حَسْبُ اللَّبِيبِ بِهَذَا الشَّيْبِ مِنْ نَاهٍ

عمل کرتے چلے جاؤ کیونکہ ایک دن یہی آواز آئے گی کہ اس کا خاتمہ ہو گیا عقلمند آدمی کے لیے موت کی خبر دینے والی بالوں کی سفیدی ہی کافی ہے۔ اسی لیے بعض روایات اور آثار میں آتا ہے کہ انسان کی بیماری اس کے لیے موت کی ڈاک کی مانند ہے۔ اللہ فرمائے گا، میں تمہاری طرف موت کی ڈاک بھیجتا رہا، مگر تم نے اس سے کوئی عبرت حاصل نہ کی۔ بعض روایات میں رسُل کا لفظ آتا ہے۔ ڈاڑھ وغیرہ کے آگے چلنے والے رستہ کرتے ہیں جو گھاس، پانی وغیرہ کی تلاش پر مامور ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ تمام عوامل موت کی خبر دیتے ہیں۔ مگر تم نے اس کے لیے تیاری نہ کی۔

کہ شیخ سعدیؒ کا قول ہے۔

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

اے شخص عمر کو غنیمت جان کر نیک عمل کر لے پیشتر اس کے کہ ادھر سے آواز آئے کہ آج فلاں شخص ختم ہو گیا یعنی اس کی موت واقع ہو گئی۔

فرمایا، اگر تمہیں نذیر بھیجنے کے باوجود تم نے اپنی حالت کو درست نہیں کیا

ے

فَذُوقُوا تو اب اپنی کمائی کا مزہ چکھو۔ اللہ تعالیٰ سزا میں مبتلا کرے گا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ پس ظلم کرنے والوں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ آج ان کا فیصلہ ہوگا، ان کی اپنی، ہمدردی، سفارش غرضیکہ کوئی بھی عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهٗ
عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ٣٨ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ
خَلٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ
وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا
مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ٣٩
قُلْ أَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ۚ أَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْأَرْضِ
أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ أَمْ اٰتَيْنٰهُمْ
كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ إِنْ يَّعِدُ
الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُوْرًا ٤٠ إِنَّ
اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَئِنْ
زَالَتَآ إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۚ
إِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ٤١

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے پوشیدہ
چیزیں آسمانوں اور زمین کی۔ بے شک وہ خوب جانتا ہے
سینوں کے راز (٣٨) وہی ذات ہے جس نے بنایا تم

خلیفہ زمین میں۔ پس جس نے کفر اختیار کیا، پس اسی پر اس کے کفر کا وبال پڑا۔ اور نہیں زیادہ کرتا کافروں کے لیے اُن کا کفر اُن کے پروردگار کے پاس مگر ناراضگی۔ اور نہیں زیادہ کرتا کفر کرنے والوں کے لیے اُن کا کفر مگر نقصان ۳۹ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، بتلاؤ تمھارے وہ شریک جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے دکھلاؤ انھوں نے کیا پیدا کیا ہے زمین میں۔ یا اُن کے لیے کوئی شراکت ہے آسمانوں میں، یا ہم نے اُن کو کوئی کتاب دی ہے، اور وہ کھلی دلیل پر ہیں اس سے نہیں بلکہ نہیں وعدہ کرتے ظالم لوگ بعض بعض کے ساتھ مگر فریب کا ۴۰ بے شک اللہ تعالیٰ روکتا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اس بات سے کہ وہ ٹل جائیں۔ اور اگر وہ ٹل جائیں تو نہیں روک سکتا اُن دونوں کو کوئی بھی اس کے سوا۔ بے شک وہ بردبار اور بخشش کرنے والا ہے ۴۱

ربطِ آیات

گزشتہ درس میں انذار کا مضمون ذکر ہوا تھا۔ قرآن کے وارث تین قسم کے آدمی ہیں، بعض وہ ہیں جو صغائر و کبائر کا ارتکاب کرکے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ جب کہ تیسرا گروہ وہ ہے جو بھلائیوں میں سبقت کرتا ہے۔ یہ سارے گروہ اہلِ اسلام اور حاملینِ قرآن ہیں۔ پھر اللہ نے نیکی کرنے والوں کے انعامات کا ذکر کیا اور کفر کرنے والوں کے عذاب اور اُن کی چیخ و پکار کو بیان کیا۔ اللہ فرمائیگا کہ تمھیں دنیا میں کتنی عمر تک مہلت دی تھی۔ اس مہلت کے دوران تمھارے پاس اللہ کے نبی بھی آئے جو تمھیں ڈر سناتے رہے، اللہ کی وحدانیت کے دلائل بھی تمھیں آگاہ کرتے رہے۔ انسانی زندگی کے تغیرات خود مزید میں ماننا

کا ڈھیلا اسے یاد دلاتا ہے کہ زندگی کا باقی حصہ تھوڑا رہ گیا ہے، اب بھی سمجھ جاؤ، مگر تم نے ان چیزوں سے نصیحت حاصل نہ کی، اب پچھتے پیٹنے کا کچھ فائدہ نہیں۔ اپنے عقیدے اور عمل کا مزہ چکھو۔ اب ظالموں کو کسی طرف سے مدد نہیں آئے گی۔

عالم الغیب
ذات

اب سورۃ کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات اور جزائے عمل ہی کا ذکر کیا ہے۔ ساتھ ساتھ توحید کے عقلی دلائل بھی بیان کیے ہیں۔ قرآن کی صداقت کو ماننے والے اور انکار کرنے والوں کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَیْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بے شک اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کی مخفی چیزوں کو جاننے والا ہے۔ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بے شک سینوں کے رازوں کو بھی وہ خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی نیت، ارادے، استعداد اور صلاحیت کو جانتا ہے۔ اسی بنا پر گزشتہ درس میں اللہ کا یہ فرمان گزر چکا ہے فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ (آیت ۔ ۳۷) اب عذاب کا مزہ چکھو۔ آج کے دن ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ اس دن کافر لوگ کہیں گے رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا (آیت ۔ ۳۷) پروردگار ہمیں اس عذاب سے نکال دے، ہم اچھے عمل کریں گے۔ مگر اللہ چونکہ ان کی نیت اور ارادے سے واقف ہے، وہ کہے گا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (الانعام ۔ ۲۸) اگر بالفرض ہم ان کو دنیا میں واپس لوٹا بھی دیں تو پھر پلٹ کر وہی کام کریں گے جس سے انہیں منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ علیم کل اور تمام مخفی باتوں کو جاننے والا ہے، لہٰذا وہ ہر انسان کے ساتھ اس کی نیت، ارادے اور عمل کے مطابق ہی سلوک کرتا ہے۔

خلافتِ الٰہی

ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔ اللہ نے اپنا

یہ انعام یاد دلا کر شکر گذاری کا مطالبہ کیا ہے۔ مگر اکثر لوگ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے۔
خلافت عام بھی ہے اور خاص بھی۔ اللہ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق فرشتوں
کو خطاب کر کے فرمایا إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (البقرہ۔ ۳۰)
میں زمین میں خلیفہ یعنی نائب یا قائم مقام بنانے والا ہوں۔ یہ خلافت خاص تھی۔
اور خلافت عام یہ ہے کہ بعد میں آنے والے لوگ پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے
خلیفہ، جانشین یا قائم مقام ہیں۔ پہلے بادشاہوں کی جگہ موجودہ حکمران خلیفہ ہیں۔
پہلے زمینداروں اور کاشتکاروں کے جانشین موجودہ زمیندار یا کاشتکار ہیں۔
مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ جَعَلَكُمْ کا خطاب امت محمدیہ سے ہے
کہ اللہ نے تمہیں پہلوں کا خلیفہ منتخب کیا ہے۔ اب خطۂ ارض تمہاری سپردگی
میں ہے۔ اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو
اور اس کے احکام کو بھی زمین میں جاری کرو۔ اللہ کی مخلوق کو جہالت سے نکالو
ان سے ظلم و زیادتی کو رفع کرو، ان کو عدل و انصاف کا درس دو، زمین کو
شر و فساد کی بجائے امن و سکون کا گہوارہ بناؤ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔
وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (الاعراف۔ ۵۶)
زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس خلافت کے
ذریعے تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (حدیث)
وہ ظاہر کر دے گا کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔ مگر عام طور پر یہی دیکھا گیا ہے کہ
جب کسی فرد یا قوم یا جماعت کو اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو پھر شکر گذاری کی
بجائے ناشکری ہی کے مرتکب ہو گئے ہیں، اور اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے
زمین کی اکثر آبادی کفر اور شرک میں مبتلا ہے۔ آج کے زمانہ میں بھی دنیا کی کل
آبادی کے چار حصے کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے ہیں اور صرف پانچواں حصہ

دین وایمان سے قدرے تعلق رکھتا ہے بہرحال نیابت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے مگر اکثر لوگ ناشکر گزار رہے ہیں۔

ناشکر گزاری کا انجام

ارشاد ہوا فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ جس نے کفرانِ نعمت کیا یعنی ناشکر گزاری کی تو اس کا وبال اُسی پر پڑے گا، اللہ کا کیا جائے گا؟ چاہیے تو یہ تھا کہ لوگ اللہ کی آیات، اس کی صفات اور دلائلِ قدرت میں غور و فکر کر کے اس کی توحید کو تسلیم کرتے، عدل و انصاف قائم کرتے، اللہ کی زمین میں اصلاح کرتے اور اس طرح اللہ کی نعمت کا شکریہ ادا کرتے مگر اس کی بجائے انہوں نے کفر و شرک کا راستہ اختیار کر کے کفرانِ نعمت کا ثبوت دیا جو خود اُن کے حق میں بُرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (البقرہ - ۲۸۶) انسان نے جو نیکی کمائی ہے وہ اُس کے لیے کار آمد ہے اور جو برائی کی ہے، اس کا وبال اُسی پر پڑے گا، اس پر کسی دوسرے کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ سورۃ المدثر میں ارشادِ خداوندی ہے كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (آیت - ۳۸) ہر انسان اپنی کمائی میں پھنسا ہوا ہے۔ قیامت والے دن اس کا قدم نہیں اٹھ سکے گا جب تک ایک ایک عمل کا محاسبہ نہیں ہو جائے گا۔

فرمایا جس نے ناشکر گزاری کی تو اس کا وبال اُسی پر پڑے گا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا اور ناشکر گزاروں کی ناشکر گزاری اُن کے پروردگار کے ہاں نہیں زیادتی کرتی مگر ناراضگی کو۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے کفرانِ نعمت سے ناراض ہی ہوتا ہے۔ جس مقدار میں ناشکر گزاری ہوتی ہے اُسی قدر اللہ کی ناراضگی اور بیزاری خریدنے والی بات ہے وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا اور ناشکر گزاروں کی ناشکر گزاری ان کے لیے نقصان ہی کا باعث بنتی ہے، ایسا کرنے سے کسی فائدہ کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا

ذاتیت۔ ۷۲ ظلم کرنے والوں کو بھی نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ نقصان
ہمیشہ خسارہ رہتا ہے اور اس کی وجہ سے مومن کی دنیا کی زندگی درست ہو سکتی ہے اور
وہ برزخ اور آخرت میں بہتر مقام حاصل ہوتا ہے بلکہ وہ زندگی کی خراب ہو جاتی
ہے۔ بہرحال فرمایا کہ ناشکر گزاری خدا کی ناراضگی اور نقصان کا باعث ہے۔

شرک کی تردید

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے
قُلْ اے پیغمبر آپ ان لوگوں سے کہیں۔ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ
الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ بھلا بتلاؤ تو تمہارے وہ شریک
جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو یعنی جن کو نذر و نیاز پیش کر کے ان سے حاجات
طلب کرتے ہو۔ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ مجھے دکھاؤ
جو کچھ انہوں نے زمین میں پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور
شرک کی تردید میں یہ عقلی دلیل پیش کی ہے کہ تم جن معبودان باطلہ کو اپنی حاجت براری
یا مشکل کشائی یا سفارش کے لیے پکارتے ہو اور سمجھتے ہو کہ اللہ نے ان پر الوہیت
کی چادر ڈال رکھی ہے، کیا انہوں نے آج تک زمین میں کوئی چیز تخلیق کی ہے؟ اگر کی
ہے تو مجھے دکھلاؤ تاکہ تمہارے شرک کا جواز پیدا ہو سکے۔ اور اگر انہوں نے کوئی
چیز پیدا ہی نہیں کی تو تم ان سے کیا چاہتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ سارا اختیار اللہ
کے پاس ہے، اس نے اپنا اختیار کسی مخلوق کو نہیں دیا، تمام معاملات کی تدبیر
وہ خود کرتا ہے، جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ
اِلَى الْاَرْضِ (السجدۃ - ۵) آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک
ہر چیز کی تدبیر وہ خود کرتا ہے اور اس معاملہ میں اس نے کسی کو اختیار نہیں دیا۔
کچھ لوگ ستاروں کو با اختیار مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت اسلئے
کرتے ہیں کہ وہ ہماری حاجات پوری کرتے ہیں۔ عیسائی مسیح علیہ السلام کے متعلق
الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا نے ان کو اختیار دے رکھا ہے۔ قبر پرست
لوگ قبروں پر چادریں چڑھاتے ہیں، نذر و نیاز پیش کرتے ہیں تاکہ اصحاب قبور

پنے اختیار سے اُن کی عاجزی بنا رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ جھوٹ ہے۔ اُن سب کے سامنے کوئی کسی کو کچھ دے سکتا ہے نہ کسی سے کچھ روک سکتا ہے بلکہ سارے کے سارے اللہ کے عاجز بندے ہیں، کسی میں الوہیت یا اختیار والی کوئی بات نہیں۔ اللہ نے قرآن پاک میں اس حقیقت کی بار بار نفی کی ہے۔ ہر چیز کا خالق، مالک اور رب اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ بلا شرکت غیرے ہر ایک کی مشکل کشائی کرتا ہے۔ لہٰذا الٰہ بھی وہی ہے۔

فرمایا مجھے دکھاؤ تمہارے خود ساختہ معبودوں نے زمین میں کون سی چیز تخلیق کی ہے۔ کوئی انسان، درخت، پتھر، جانور، نباتات، اناج، پھل ان میں سے کچھ تو پیدا کیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے۔ اللہ نے سورۃ عبس میں فرمایا ہے کہ انسان اپنے کھانے میں غور کر کے دیکھے کہ ہم نے کس طرح پانی برسایا، پھر زمین کو پھاڑا۔ بارش کس نے برسائی شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا (آیت ۲۶) پھر زمین کو پھاڑ کر غلہ، پھل اور اناج کس نے اگایا جسے تم بھی کھاتے ہو اور تمہارے جانور بھی اپنی غذائی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اللہ کے سوا کسی نے زمین میں کوئی چیز پیدا کی ہے۔ اچھا اگر انہوں نے زمین پر کچھ بھی پیدا کیا اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ کیا آسمانوں کی تخلیق میں ان کی کوئی شراکت ہے؟ آسمانوں کا کوئی ٹکڑا یا کوئی آسمانی کرہ جو معبودان باطلہ کا پیدا کردہ ہو۔ ان سورج، چاند، زہرہ، مریخ وغیرہ میں ان کا کوئی حصہ ہو؟ اگر یہ بھی نہیں ہے تو پھر تمہیں ان کی پرستش کا کیا حق پہنچتا ہے؟

فرمایا اگر زمین و آسمان میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے تو یہ بھی بتلاؤ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ یا ہم نے انہیں کوئی کتاب عطا کی ہے اور وہ اس سے کسی دلیل پر ہیں۔ دوسری جگہ ہے فِيهِ تَدْرُسُونَ جس کو تم پڑھتے پڑھاتے ہو اور اس کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ

اِن خود ساختہ معبودوں کو کوئی اختیار ہے اور انہیں پکار کر اُن سے حاجت برآری کی جا سکتی ہے۔ اس چیز کا بھی کوئی ثبوت نہیں پیش کیا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا کہ یہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ محض فریب کاری کا وعدہ ہی کرتے ہیں۔ ان کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ کتاب کی صورت میں کوئی نقلی دلیل بلکہ محض جھوٹی باتوں کے ذریعے پراپیگنڈہ ہے جو کہ فریب کاری کے سوا کچھ نہیں۔

شفاعت کا غلط تصور

بعض مشرک کہتے ہیں کہ ہمارے یہ معبود خود تو کوئی کام نہیں کرتے البتہ سفارش کر کے اللہ کے ہاں سے کام بنوا دیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کا بیان اللہ نے قرآن میں نقل کیا ہے جو کہتے ہیں هٰۤؤُلَاۤءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یونس۔ ۱۸) یہ تو اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اِن کی سفارش اللہ تعالیٰ رد نہیں کرتا لہٰذا ہماری بگڑی بنوا دیتے ہیں۔ چنانچہ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر۔ ۳) ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا قرب دلا دیتے ہیں۔ یہ سب دھوکے اور فریب کی باتیں ہیں۔ اللہ کے حکم کے بغیر سفارش بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا کافروں اور مشرکوں کے حق میں کسی کو سفارش کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ سارا تصرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے سوا کوئی قدرتِ تامہ کا مالک نہیں، مخلوق ہونے میں سب برابر ہیں اور سب کے سب اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا انسانوں، جنوں اور ملائکہ میں الوہیت کی کوئی صفت نہیں پائی جاتی۔ اُن سے قیامت والے دن پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے میرے بندوں کو شرک پہ آمادہ کیا تھا۔ تو وہ صاف جواب دیں گے سُبْحٰنَكَ مولا کریم! تیری ذات پاک ہے، بھلا ہم کسی کو شرک کی دعوت کیسے دے سکتے تھے؛ عیسیٰ علیہ السلام بھی کہیں گے کہ مولا کریم! میں نے تو اپنی قوم کو یہی تعلیم دی تھی اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ (المائدۃ۔ ۱۱۷) کہ اُس اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے الغرض

فرمایا ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ دھوکے اور فریب کی بات کرتے ہیں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی کارساز ہے۔

نظامِ کائنات کا استحکام

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت تامہ کی طرف کچھ اشارہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا بے شک اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامتا ہے کہ وہ ٹل جائیں۔ وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ اور اگر یہ آسمان و زمین اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو ان کو کوئی تھامنے والا نہیں ہے۔ سورج، چاند، زمین اور دیگر کرے فضا میں معلق ہیں۔ اللہ نے ہر ایک کا مدار مقرر کر رکھا ہے سورۃ یٰسین میں ہے كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (آیت-۴۰) سب کے سب اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔ اللہ نے ایسا انتظام قائم کر رکھا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں۔ کسی کرے کا مدار چھوٹا ہے اور وہ جلدی اپنا چکر پورا کر لیتا ہے اور کسی کا مدار لمبا ہے اور وہ اس کے مطابق زیادہ وقت لیتا ہے۔ کوئی کرہ چوبیس گھنٹے میں اپنے مدار کے گرد چکر لگاتا ہے، کوئی ایک ماہ میں، کوئی بیس سال میں اور کوئی ہزاروں سال میں۔ سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اور کائنات کا یہ نظام چل رہا ہے۔ فلکیات والے بتاتے ہیں کہ سورج زمین کی نسبت تیرہ لاکھ گنا بڑا ہے مگر بہت دور ہونے کی وجہ سے اس قدر چھوٹا نظر آتا ہے یہ زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے۔ اسی طرح زمین سے نزدیک ترین کرہ چاند اڑھائی لاکھ میل کی مسافت پر ہے۔ شعریٰ سیارہ جس کے متعلق قرآن پاک میں آتا ہے وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى (النجم-۴۹) یعنی شعریٰ سیارے کا رب بھی وہی ہے۔ یہ سیارہ سورج سے بیس گنا بڑا ہے۔ ہر کرے کا وزن ہے اور یہ حکمت خداوندی کے مطابق جب تک اس کو منظور ہے چلتے رہیں گے۔ پھر جب مقررہ وقت آ جائے گا تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور نیا نظام قائم ہو گا۔ اللہ نے وقوعِ قیامت کی مختلف نشانیاں بیان فرمائی ہیں

کمیں فرمایا۔ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ (التکویر ۔ ۱) جب سورج گہنا جائے گا۔ سورۃ زلزال میں فرمایا۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (آیت ۔ ۱) جب زمین کو خوب ہلا دیا جائے گا۔ اس کے ذرات بکھر جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی اُون کی طرح اڑنے لگیں گے، ستارے بے نور ہو جائیں گے اور سارا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا۔ تو پھر عالم بالا کا نظام قائم ہوگا۔

فرمایا اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی بردبار اور بخشش کرنے والا ہے۔ وہ انسان کی کوتاہیوں پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے۔ پھر جب مقررہ وقت آجاتا ہے تو مجرم کو پکڑ لیتا ہے اور جب کوئی مجرم اس کے دروازے پر آکر تائب ہو جاتا ہے تو پھر اس کی رحمت و بخشش بھی بڑی وسیع ہے اور وہ معاف کر دیتا ہے۔ اگر اس کی بخشش اور معافی نہ ہوتی تو لوگوں کے کفر، شرک اور معاصی کی وجہ سے دنیا یکدم ویران ہو جاتی۔ یہ خدا تعالیٰ کی رحمت و بخشش کی وجہ سے ہی کائنات کا نظام قائم ہے وہ اپنے وقت پر عدل و انصاف کے سارے تقاضے پورے کر کے دکھا دیگا

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَهُمْ
نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ۖ
فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿٤٢﴾
اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ
الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنظُرُونَ
إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ
اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ﴿٤٣﴾
أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَكَانُوا
أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ
مِن شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ
إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٤٤﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ
النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا
مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ
مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ
بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿٤٥﴾

ترجمہ:- اور قسمیں اٹھائیں ان لوگوں نے اللہ کے نام کی پختہ قسمیں کہ اگر آئے گا ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا تو البتہ ہوں گے وہ کسی بھی دوسری امت سے زیادہ راہ پانے والے۔ پس جب آیا ان کے پاس ڈر سنانے والا تو نہ زیادہ کیا ان کے لیے مگر بدکنا (۴۲) تکبر کرتے ہوئے زمین میں اور بری تدبیر اور نہیں گھیرتی بری تدبیر مگر انہی لوگوں کو جو تدبیر کنندہ ہوتے ہیں۔ پس نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر پہلے لوگوں کے دستور کا پس ہرگز نہ پائے گا تو اللہ کے دستور میں تبدیلی، اور ہرگز نہ پائے گا اللہ کے دستور میں ٹل جانا (۴۳) کیا نہیں چلے یہ لوگ زمین میں پس دیکھیں کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں اور تھے وہ ان سے زیادہ قوت والے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ اس کو کوئی چیز عاجز کرے آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ بیشک وہ سب کچھ جاننے والا اور قدرت رکھتا ہے (۴۴) اور اگر مؤاخذہ کرے اللہ تعالیٰ لوگوں سے ان کے بدلے جو انہوں نے کمایا تو نہ چھوڑے زمین کی پشت پر کوئی چلنے پھرنے والا جانور۔ لیکن وہ مہلت دیتا ہے ان کو ایک مقررہ وقت تک، پس جب آجائے گا ان کے پاس ان کا مقررہ وقت، پس بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ خوب دیکھنے والا ہے (۴۵)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے کچھ عقلی دلائل پیش کیے تھے اور شرک کی تردید فرمائی تھی۔ فرمایا وہ اللہ کی ذات ہی ہے جس نے

آسمان و زمین کو اپنی قدرت تامہ اور حکمتِ بالغہ کے ساتھ تھام رکھا ہے اور اگر وہ ان دونوں کو اپنی جگہ سے ہٹانا چاہے تو کوئی دوسرا اُن کو تھامنے والا نہیں اللہ تعالیٰ حلیم و غفور ہے۔ وہ انسانوں پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے مگر لوگ اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے مزید سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت مقررہ پر اللہ کی گرفت آجاتی ہے اور نافرمانوں کو بے بس کر کے رکھ دیتی ہے۔

مشرکین مکہ کا عذر لنگ

اب ترتیب کی پہلی آیت میں مشرکین مکہ کے باطل زعم کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ یہ لوگ اللہ کے نام کی پختہ قسمیں اٹھا کر کہتے تھے لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ کہ اگر اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا آگیا تو وہ کسی بھی دوسری امت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔ مشرکین مکہ یہود و نصاریٰ کے متعلق سنتے تھے کہ اللہ نے اُن پر پیغمبر بھیجے کتابیں نازل کیں، مگر انہوں نے نبیوں کی مخالفت ہی کی اور ہدایت قبول نہ کی۔ تو یہ لوگ وعدہ کرتے تھے کہ اگر ہم پر کوئی نبی آگیا تو ہم اُس کی کماحقہ اطاعت کریں گے۔ اس کو ساتھ دیں گے اور اس کی لائی ہوئی ہدایت کو قبول کریں گے۔ مگر اللہ نے فرمایا فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ جب اُن کے پاس ڈرانے والا اللہ کا آخری نبی آگیا تو اس پر ایمان لانے کی بجائے مَا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ان کی نفرت میں ہی اضافہ ہوا۔ وہ نبی کی اطاعت تو کیا کرتے الٹا اس کے دشمن ہو گئے اور اللہ کے رسول کے متعلق اُن کی نفرت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ پہلے لوگوں نے اپنے انبیاء سے جس قدر نفرت کی، انہوں نے اس سے بھی زیادہ خباثت کا اظہار کیا۔ اُس کے خلاف طرح طرح کے منصوبے بنانے لگے کہ قتل تک کے در پے ہوئے اور یہ اس وجہ سے اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ کہ وہ زمین میں غرور و تکبر کرنے والے تھے۔ ان لوگوں کو اپنی سیادت و قیادت

پر گھمنڈ تھا اور وہ کسی دوسرے کو اس چودھراہٹ میں شریک کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تسلیم کر لیا تو پھر ہماری سیادت ختم ہو جائے گی۔

تکبر ایک روحانی بیماری ہے جو اکثر بڑے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگ حق کو قبول نہیں کرتے اور حیلے بہانے سے اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ لوگ دنیاوی حیثیت کو نبوت پر ترجیح دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ کیسا نبی ہے جس کے پاس نہ مال و دولت، نہ زمین و باغات، نہ کوٹھی اور نہ گھر بار، بھلا اس نادار آدمی کو ہم کیسے نبی تسلیم کر لیں۔ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (الزخرف۔ ۳۱) یہ قرآن مکے اور طائف کی عظیم بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ ہوا۔ کیا نبوت و رسالت کے لیے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟

مشرکین کی بری تدبیر

اللہ کے نبی کے خلاف مشرکین کی حرکت ایک تو ازراہ تکبر کی بنا پر تھی اور دوسرا وَمَكْرَ السَّيِّئِ یعنی بری تدبیر کی وجہ سے تھی۔ ان کی بری تدبیر یہ تھی کہ نبی علیہ السلام کو معاذ اللہ ختم کر دیا جائے تاکہ ان کا راستہ صاف ہو جائے مگر وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ مگر اللہ نے فرمایا وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ بری تدبیر نہیں گھیرتی مگر اس کے کرنے والوں کو۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نبی اور اس کے مشن کو ناکام بنا دیں، تو اللہ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی کے خلاف بری تدبیر سوچتا ہے اس کا وبال خود اسی پر پڑتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ برائی کرنے والا خود ہی اس میں پھنس جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد بھی ہے مَنْ حَفَرَ بِئْرًا لِأَخِيهِ وَقَعَ فِيهِ جو اپنے بھائی کے لیے

لہ

گڑھا کھودتا ہے وہ خود اس میں گرتا ہے۔ بعض روایات میں مَنْ حَفَرَ بِئْرًا کا لفظ بھی آیا ہے یعنی اندھے کنویں میں گرتا ہے۔ فارسی کا مقولہ بھی ہے "چاہ کن را چاہ در پیش" جو کسی کے لیے برائی سوچتا ہے وہ خود ہی اس کا شکار ہو جاتا ہے۔

تین امور وارد ہوتے

غزوہ خندق کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے اہل ایمان نے حضور علیہ السلام کی قیادت میں بنو قریظہ پر چڑھائی کر کے ان کو مغلوب کیا۔ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ دفاعی معاہدہ کرنے کے باوجود عہد شکنی کی تھی لہٰذا ان کی سرکوبی ضروری تھی۔ جب وہ مغلوب ہو گئے تو انھوں نے حضرت سعد بن معاذ کو اپنا فیصل مقرر کیا جنھوں نے یہ فیصلہ دیا کہ بنو قریظہ کی سزا یہ ہے کہ ان کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا دیا جائے۔ یہ فیصلہ حضور علیہ السلام نے بھی پسند فرمایا اور کہا کہ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے۔ الغرض، اس فیصلے پر عمل درآمد کرتے ہوئے بنو قریظہ کے تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس وقت کعبؓ ایک بچے تھے جو قتل ہونے سے بچ گئے اور بعد میں اسلام قبول کر لیا اور بڑا اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ وہ مفسر قرآن شمار ہونے لگے۔ ان کے بیٹے محمد ابن کعبؓ بھی عظیم مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ ان کا قول ہے کہ تین چیزوں کا انجام ضرور واقع ہو کر رہتا ہے فرماتے ہیں کہ پہلی چیز وہ ہے جو اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کے لیے بری تدبیر سوچتا ہے وہ خود اس کا شکار ہو جاتا ہے اور دوسری چیز وہ ہے جو قرآن کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے کہ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِكُمْ (یونس - ۲۳) اے لوگو! تمہاری سرکشی خود تمہارے ہی نفسوں کے خلاف پڑے گی۔ قوانین الٰہی اور حدود شرعی کو توڑنا ہی سرکشی ہے اور دنیا میں کفر و معصیت ہی لوگوں کو ذلیل کرتی ہے۔ اور تیسری چیز جو کہ عہد شکنی ہے کہ اس کا نتیجہ بھی ضرور ظاہر ہوتا ہے فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى

لے

نَفْسِهٖ (الفتح - ١٠) جو کوئی عہد کو توڑتا ہے تو اس کا وبال بھی اسی پر پڑتا ہے اور وہ بھی ذلیل و خوار ہو کر رہتا ہے جیسا کہ بنو قریظہ کا واقعہ بیان ہو چکا ہے۔

سابقہ لوگوں کے نقش قدم پر

فرمایا پہلے تو یہ لوگ کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نذیر آتا تو ہم دوسروں سے بڑھ کر اس کی اطاعت کرتے مگر جب اللہ کا نبی بطور نذیر آ گیا تو اس کے خلاف تدبیریں سوچنے لگے۔ فرمایا فَهَلْ يَنْظُرُونَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ کیا یہ لوگ پہلے لوگوں کے دستور کا انتظار کر رہے ہیں۔ پہلے لوگوں نے بھی انبیاء کے خلاف بغاوت کی، مسلمین اور مصلحین کے خلاف سازشیں کیں تو خدا کی گرفت میں آ گئے۔ اگر یہ بھی انہی لوگوں کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں تو جان لیں فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا کہ تم نہیں پاؤ گے اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا اور تم اللہ کے دستور کو ٹلتے ہوئے بھی نہیں پاؤ گے۔ مطلب یہ کہ اللہ کا دستور تو یہ ہے کہ جب کوئی قوم بغاوت پر اتر آتی ہے تو پھر وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتی۔ تاریخ عالم اس بات کی گواہ ہے۔ اسی طرح اگر تم بھی سرکشی سے باز نہ آئے تو اللہ کا دستور بالکل تمہاری خاطر تو تبدیل نہیں ہو گا۔ اگر تم بھی ایسا کرو گے تو عذاب میں پکڑے جاؤ گے۔ دنیا کی عدالتوں میں بعض اوقات رشوت، سفارش کی بناء پر مجرم کی سزا کو ٹال دیا جاتا ہے یا اس میں تخفیف کر دی جاتی ہے مگر خدا تعالیٰ کے قانون میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ مجرم کو مہلت تو دے دیتا ہے مگر سزا دیئے بغیر چھوڑتا نہیں۔

آخر میں اللہ نے بطور نصیحت اور تنبیہ فرمایا ہے اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وہ تو طاقت میں ان سے بھی زیادہ تھے۔ پرانی قوموں کے حالات پڑھیں اور ان کے آثار دیکھیں تو پتہ چل جائے گا۔ کہ ان کی سرکشی کا کیا انجام ہوا۔ مصر کے فرعون، بابل کے آشوری اور

کلدانی، عاد اور ثمود بڑے بڑے طاقتور اور ملک و حکمرانوں کے مالک تھے یونان میں سکندر جیسے فاتح عالم بھی ہوئے ہیں پچھلی سورۃ میں گذر چکا ہے کہ عرب والوں کو تو سابقہ اقوام کا عشر عشیر بھی نہیں ملا، یہ کس بات پر اتراتے ہیں اور کس غرور میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ سخت طاقتور ارباب جاہ و حشمت کے مالک اپنی سرکشی کی وجہ سے نابود ہوگئے، تو یہ کس باغ کی مولی ہیں کہ ہمیشہ قائم رہیں گے، جب اللہ کی گرفت آئیگی تو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیے جائیں گے۔

فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کر لے تو پھر اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں ہوسکتی وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ آسمان و زمین کی کوئی چیز اسے عاجز کر سکے اور وہ اپنے ارادے اور مشیت کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (البقرہ - ۲۸۲) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے، وہ ذرہ ذرہ کو جانتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرہ) اور وہ ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے، لہٰذا اس کے ارادے کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ چنانچہ جب وہ کسی قوم کو پکڑنے پر آتا ہے تو پھر کوئی بھی چیز خواہ وہ آسمان کے کسی یا زمین کے کسی گوشے میں ہو اللہ کی مشیت کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتی، بلکہ کام ہو کر رہتا ہے۔ فرمایا اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اور ہر چیز اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جب چاہے گا سرکشوں کو پکڑ لے گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت
اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا ہے وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا اگر اللہ تعالیٰ لوگوں سے ان کی کارکردگی کے متعلق مؤاخذہ کرے مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ تو زمین پر چلنے پھرنے والے کسی جاندار کو نہ چھوڑے، ہر جاندار سے کوئی نہ کوئی غلطی تو سرزد ہو جاتی ہے۔ جب کہ انسان تو بے تحاشا معقول اور غیر معقول سب معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

... مین کی اکثریت کفر اور شرک کا ارتکاب کرتی ہے۔ تو فرمایا اگر ان کی کوتاہیوں کے صلہ میں اللہ تعالیٰ ان سے مواخذہ کرنا چاہے تو کوئی بھی جاندار بچ نہ سکے اور سب پکڑے جائیں۔ وَلٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى مگر اللہ تعالیٰ انہیں مقررہ وقت تک مہلت دیتا رہتا ہے۔ یہ اس کا دستور ہے اس نے ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اس سے آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ جس طرح انسان کی زندگی کے ایام مقرر ہیں، اسی طرح بحیثیت مجموعی پورے جہان کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ مہلت پوری ہو جائے گی تو سارا نظام ختم ہو جائے گا اور پھر یہ نظام قائم ہوگا۔ اور انسانی زندگی کا محاسبہ شروع ہو جائے گا۔ دنیا میں جب انسانوں کی سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک خاص وقت تک ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ پھر جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے، تو اللہ کی گرفت سیلاب کی طرح یکدم طاری ہو جاتی ہے اور پھر کوئی عذر نہیں سنا جاتا۔ یہ تو دنیا کا ادنیٰ عذاب ہوتا ہے۔ آخرت کا بڑا عذاب تو آگے ہے۔ اللہ نے اعلان فرمایا ہے وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (السجدۃ۔۲۱) بڑے عذاب سے پہلے ہم انہیں دنیا کا کم تر عذاب بھی چکھاتے ہیں اگر وہ حقیقت کی طرف لوٹ آئیں۔ اس کے باوجود بعض لوگ دنیا کی زندگی میں بچے بھی رہتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سزا مل سے ٹل جاتی ہے، بلکہ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ (الاعراف) انہیں مہلت دی جاتی ہے اور میری تدبیر بڑی مضبوط ہے جو خطا نہیں جاتی۔

فرمایا فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ جب ان کا مقررہ وقت آ جائے گا۔

فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات کو دیکھ رہا ہے اسے ہر چیز کا علم ہے اور ہر شخص کے عقائد و اعمال کے مطابق ہی اس کے ساتھ سلوک کرے گا۔ انسان اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

سورة

يس

مكية

سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ یٰسٓ مکی ہے ۔ اس کی تراسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

يٰسٓ ① وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ② اِنَّكَ لَمِنَ
الْمُرْسَلِيْنَ ③ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ④
تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ⑤ لِتُنْذِرَ قَوْمًا
مَّا اُنْذِرَ اٰبَاۤؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ⑥ لَقَدْ
حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ⑦

ترجمہ :- یٰسٓ ① قسم ہے حکمت والے قرآن کی ②
بیشک آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں ③ سیدھے رستے
پر ہیں ④ (قرآن) اتارا ہوا ہے کمال قدرت رکھنے والے
اور نہایت مہربان خدا کی طرف سے ⑤ کہ آپ ڈرائیں
اس قوم کو کہ نہیں ڈرائے گئے ان کے آباؤ اجداد پس
وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ⑥ البتہ تحقیق ثابت
ہو گئی ہے یہ بات ان کی اکثریت پر ۔ پس وہ نہیں

ایمان والے ⑦

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ یٰسین ہے جو کہ اس کے ابتدائی لفظ سے
ماخوذ ہے۔ اس کا دوسرا نام سورۃ المعمۃ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ سورۃ دنیا و آخرت
کی بہتری پر مشتمل ہے۔ بعض نے اس کا تیسرا نام دافعہ بیان کرتے ہیں کہ یہ برائی کو دور کرنے
والی سورۃ ہے۔ اس کا ایک نام قاضیہ بھی ہے کیونکہ اس کی تلاوت انسانی حاجات
کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ یہ سارے نام امام بیضاوی نے اپنی تفسیر میں بیان کیے ہیں۔

یہ سورۃ مکی دور کے وسطی زمانہ میں سورۃ جن کے بعد نازل ہوئی۔ اس کی تراسی
آیات اور پانچ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ سات سو انتیس کلمات اور تین ہزار حروف پر مشتمل ہے
دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی چار بنیادی عقائد نہایت شرح و
بسط کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ ابتدا میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا
ذکر ہے اور ساتھ رسالت کا بیان ہے۔ اس ضمن میں بہت سے تاریخی واقعات
بھی ذکر کیے گئے ہیں۔ توحید خداوندی کا ذکر بڑے کمال طریقے سے کیا گیا ہے اور
ساتھ ساتھ پورے طریقے سے مشرکین کا رد ہے۔ اس سورۃ میں پورے دلائل کے
ساتھ یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود اور کارساز نہیں۔ مخلوق میں
سے انسان ہوں یا جن یا ملائکہ، اولیاء ہوں یا اصفیاء شمس و قمر ہوں یا دریا اور پہاڑ
سب کے سب اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہ عالم الغیب اور علیم کل
ہے۔ اس بات کو بڑے اچھے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح وقوع قیامت
اور محاسبۂ اعمال کا ذکر بھی انسانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہے۔ یہ
چاروں مضامین آگے چل کر سورۃ الزمر میں بھی بیان ہوئے ہیں۔ وہاں پر چھوٹی چھوٹی
آیتوں میں مکارم اخلاق کا ایسا اسلوب ہے کہ یہاں پر تمام مضامین یکسر طور
پر دلائل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

اسم سورہ کی وجہ تسمیہ

مضامین سورۃ

۱؎ ابو مسعود ص ۲۴۲ ج ۴ و قرطبی ج ۱۵ ۲؎ السراج المنیر ص ۳۲۵ ج ۳
۳؎ السراج المنیر ص ۳۲۹ ج ۳ ۴؎ معالم ص ۲۰۶ ج ۳ والی منی

فضائل سورۃ

احادیث میں اس سورۃ مبارکہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ قَلْبًا وَقَلْبُ الْقُرْاٰنِ یٰسٓ ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے۔ اور قرآن پاک کا دل سورۃ یٰسٓ ہے۔ انسانی قلب کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ یہ جسم کا ایک ایسا عضو ہے کہ اگر یہ درست ہے تو سارا جسم درست رہیگا اور اگر یہی عضو بگڑا ہوا ہے تو سارا جسم فاسد ہوتا ہے گویا جسم کی کارکردگی کا مدار قلب کی درستگی پر ہے۔

سورۃ بقرہ کو قرآن کی کوہان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کوہان اونٹ کا بلند ترین حصہ ہوتا ہے۔ اسی طرح سورۃ بقرہ بھی قرآن کا بلند ترین حصہ ہے اور یہاں سورۃ یٰسٓ کو قرآن کا دل اس لیے کہا گیا ہے کہ ایمان دل میں ہوتا ہے حقیقت سے تعلق رکھنے والے جذبات اور محبت، نفرت، خوش اخلاقی و بداخلاقی، ایمان، کفر، شرک، نفاق وغیرہ کا تعلق دل سے ہے۔ گویا نجات یہ فلاح کا مدار صحیح ایمان پر ہے۔ اگر قلب میں ایمان صحیح ہوگا۔ تو انسان کے معاملات اس دنیا میں بھی درست ہوں گے اور آخرت میں بھی فوز و فلاح نصیب ہوگی۔ اور اگر ایمان میں ہی خرابی ہے تو کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔ غرضیکہ اللہ کی وحدانیت و رسالت پر یقین، اللہ کی کتاب پر ایمان، حشر نشر کے واقعات پر یقین، سب اس سورۃ میں مذکور ہیں، اس لیے اس سورۃ کو قرآن کا قلب کہا گیا ہے۔ گویا کہ اس سورۃ میں کامیابی کے تمام اصول بیان کر دیئے گئے ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ کی فضیلت میں مفسر بغوی کرتم مسند ابو یعلیٰ کے حوالے سے یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مَنْ قَرَأَ یٰسٓ فِیْ لَیْلَۃٍ اَصْبَحَ مَغْفُوْرًا لَّہٗ جو شخص رات کے وقت سورۃ یٰسٓ کی تلاوت

لہ قرطبی ص۱ ج۱۵ و معالم ص۴۹ ج۴ و جلالین ص۱ ج۳ و خازن ص۱ ج۴

کہ۔ قرطبی ص۱ ج۱۵ و معالم ص۱ ج۴ و جلالین ص۵ ج۳ (ایضاً)

کرے گا، اس کو صبح کے وقت خدا تعالیٰ کی جانب سے بخشش و مغفرت کا پروانہ
ملے گا۔[1] مسند احمد میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی آیا ہے جسے امام نسائی نے عمل الیوم
واللیل میں نقل کیا ہے کہ سورۂ یٰسٓ قرآن کا دل ہے لَا يَقْرَؤُهَا رَجُلٌ يُرِيدُ
اللّٰهَ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ إِلَّا غُفِرَ لَهُ جو شخص اس سورۃ کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت
کے گھر کی تلاش کے لیے پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بخش دے گا۔ حضور نے[2] فرمایا
اقْرَءُوهَا عَلٰى مَوْتَاكُمْ تم اسے اپنے قریب المرگ لوگوں کے پاس پڑھا
کرو۔ تاکہ انہیں صحیح ایمان نصیب ہو، اس سورۃ میں ایمان کے تمام اصول بیان
کر دیے گئے ہیں۔

مسند بزار کے حوالے سے مفسرین کرام[3] یہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں۔ کہ
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا لَوَدِدْتُ أَنَّهَا فِي كُلِّ
قَلْبِ إِنْسَانٍ مِنْ أُمَّتِي میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ یہ سورۃ میری امت
کے ہر شخص کے دل میں ہو، یعنی ہر شخص کو اسے حفظ کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے
صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں۔[4] کہ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ سورۃ یٰسٓ پڑھنے سے
اللہ تعالیٰ آدمی کو مشکل کو دور کرتا ہے، اور موت کے وقت یہ سورۃ پڑھنے سے
روح آسانی سے نکلتی ہے، اور ایمان بھی نصیب ہوتا ہے۔ مفسر حقانی[5] یہ بھی لکھتے
ہیں کہ زندگی کی سعادت یعنی عام اہم مراتب پر اس سورۃ کی تلاوت اکسیر کا حکم رکھتی ہے

حروف یٰسٓ

یٰسٓ حروف مقطعات میں سے ہے۔ مفسرین کرام[6] نے ان حروف
کے مختلف معانی بیان کیے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں شمار
کرتے ہیں۔ اگر یہ بات درست تسلیم کر لی جائے تو پھر کسی شخص کا نام یٰسٓ نہیں

---

[1] مسند احمد ص ۲۶ عمل الیوم واللیل ص ۔ [2] قرطبی ص ۔ وخازن ص ۔ وجمل ص ۔
[3] در منثور ص ۲۵۶ وابن کثیر ص ۵۶۳ [4] حقانی ص
[5] حقانی ص [6] طبری ص وابن کثیر ص ۵۶۳ وروح المعانی ص ۔ (فیاض)

رکھا جا سکتا ہے مگر ذات باری تعالیٰ کے اسمائے مختصہ میں سے جو اسماء ہیں ان کا اطلاق مخلوق پر نہیں ہو سکتا۔ یہ ہیں مثلاً اسمائے رحمان، خالق، اور اللہ وغیرہ ہیں جو کسی انسان کے نام نہیں ہو سکتے۔ بلکہ بعض اسمائے ربانی ایسے بھی ہیں جو کسی حد تک مخلوق کے لیے بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں مثلاً رحیم، کریم، ملک، عالم، رؤف وغیرہ۔ اور اگر یٰس کو اللہ کے اسمائے مختصہ میں شمار نہ کیا جائے تو پھر اس کا اطلاق کسی آدمی پر بھی ہو سکتا ہے مگر اس کے معنی کو ملحوظ رکھنا ہوگا کہ جب یہی نام خدا تعالیٰ کے لیے استعمال کیا جائے تو اس کا اطلاق اس طرح ہوگا۔ جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ اور اگر اس کا اطلاق کسی انسان پر کیا جائے تو اس کی مناسبت انسان کی حالت کے ساتھ ہوگی۔ مثلاً رؤف کا نام اللہ تعالیٰ اور بندے دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر دونوں جگہ مفہوم مختلف ہوگا۔ جب صفت رأفت کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے گا تو معنی یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ مہربانی اور فیضان فرماتا ہے۔ اور جب یہ لفظ کسی انسان کے لیے استعمال کیا جائے گا تو وہاں پر رأفت سے مراد دردِ دل و شفقت ہوگی جو کسی کی خستہ حالت دیکھ کر انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور پھر وہ شخص ضرورت مند کی حاجت برآری بھی کرتا ہے۔ دل میں درد پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ منسوب نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا تعلق مادیت سے ہے اور خدا تعالیٰ کی ذات تمام مادی تصورات سے پاک ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں[1] کہ یٰس سورۃ کا نام ہے۔ اور بعض[2] کہتے ہیں کہ یہ حضور علیہ السلام کا نام مبارک ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح طٰہٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ بعض[3] یہ معنی کرتے ہیں کہ یہ یا انسان حروف کا مرکب ہے

---

[1] روح البیان ص ۳۶۸/۷ و کشاف ص ۳/۳ وزاد المسیر ص ۳/۷ و صفوۃ التفاسیر ص ۳/۴ ج
[2] زاد المسیر ص ۳/۷ و فتح القدیر ص ۳۵۷/۴ و درک ص ۳/۴ و الاتقان ص ۳/۲ و البحر المحیط ص ۳۲۳/۷
[3] روح المعانی ص ۲/۲۲ و تفسیر المراغی ص ۱۴/۲۲ و البحر المحیط ص ۳۲۳/۷ و معالم التنزیل ص ۳/۴ (ابن عباس)

ورا س کا معنی ہے اے انسان۔ عرب کے مشہور قبیلہ بنی طی کے ہاں اس لفظ کا یہی معنی لیا جاتا ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ معنی حبشہ کی زبان میں لیا جاتا ہے، گویا یہاں ان سے خطاب کیا گیا ہے۔ بعض نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یا کا اشارہ یوم میثاق یعنی اس دن کی طرف ہے جب اللہ نے بنی آدم کی تمام ارواح سے عہد لیا تھا فرماتے ہیں کہ س کا اشارہ راز کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کا راز۔ بعض یہ بھی فرماتے ہیں یٰسٓ سے حضور علیہ السلام کی طرف خطاب ہے۔ اور معنی یہ ہے یا سید البشر یعنی اے بنی نوع انسان کے سردار۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے خود فرمایا اَنَا سَیِّدُ الْبَشَرِ۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ یعنی میں تمام نسل انسانی کا سردار ہوں، فرمایا یہ بات میں فخر سے نہیں کہتا بلکہ یہ تو محض اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھے اس منصب پر مقرر فرمایا ہے۔ قیامت والے دن جب تمام اولین و آخرین جمع ہوں گے تو حضور علیہ السلام کی قیادت عامہ کا ظہور اس وقت ہوگا اور ساری مخلوق جان لے گی کہ آپ ہی سید المتقین سید الثقلین اور سید ولد آدم ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں[3] کہ یٰسٓ کے دونوں حروف ی اور س ادراک میں تصرف کرتے ہیں اور اس سے مراد ایک خاص قسم کا نور ہے جو کائنات میں سرایت کر رہا ہے۔ اس نور کا تنزل قرآن پاک اور اس سورۃ مبارکہ کے ذریعے ہو رہا ہے اور اسی نور سے کائنات کی ہدایت اور رہنمائی کا پروگرام سامنے آرہا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ مبارکہ کو آغاز حروف مقطعات سے کیا ہے

له تفسیر ثعالبی ص... و درمنثور ص...

ته خازن ص... و مظہری ص... و الاتقان ص... و فتح القدیر ص...

که ... ثه ... (لیاشی)

یٰسٓ ۔ اور اس کے معانی کی طرف ہیں نے اشارہ کر دیا ہے۔ جیسے جلالین[1] شریف
میں فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے بارے میں زیادہ سلامتی والا یہی ہے کہ
اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ ۔ کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے
کہ ان حروف سے کیا مراد ہے۔ اس سے جو بھی مراد ہے ہمارا اس پر ایمان ہے
لہٰذا ان حروف کے معانی میں زیادہ کرید نہیں کرنی چاہیے۔

قرآن پاک کی حقانیت

سورۃ ھٰذا کا مضمون قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت سے شروع کیا گیا ہے
آگے رسالت کے بیان میں تاریخ رسالت کے کئی واقعات آئیں گے اور ساتھ ساتھ
محاسبہ اعمال کا ذکر ہو گا۔ ارشاد ہوتا ہے وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ قسم ہے
حکمت والے قرآن کی یعنی قرآن پاک کا پروگرام قطعی اور یقینی ہے اور اس میں شک و
تردد والی کوئی بات نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی خلاف واقعہ بات ہے۔ یہ
حکیم ہے کہ اس کی ہر بات مبنی بر حکمت ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو وحی الٰہی
کے ذریعے نازل ہوا اور یہ کلام انسانی زور و علم سے بلند تر ہے۔ حکیم سے مراد مستحکم
بھی ہو سکتا ہے یعنی قسم ہے مستحکم اور سچے قرآن پاک کی۔ اس کی ہر بات پختہ
ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ سورۃ البقرۃ کی ابتداء میں
فرمایا کہ یہ ایسی کتاب ہے لَا رَیْبَ فِیْہِ جس میں کسی قسم کا شک اور تردد
نہیں کیا جا سکتا۔

تصدیق رسالت

اگلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور رسول کی رسالت کی
تصدیق کی ہے اور اس کے بعد پھر قرآن پاک کے نزول اور مقصد نزول کا ذکر ہو گا
ارشاد ہوتا ہے اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ بے شک آپ اللہ کے رسولوں
میں سے ہیں۔ گذشتہ سورۃ میں گزر چکا ہے کہ مشرکین مکہ حضور علیہ السلام کو اللہ
کا رسول تسلیم نہیں کرتے تھے اور اس معاملہ میں طرح طرح کے شکوک و شبہات کا

---

[1] جلالین ص ۳۶۸ (فیاض)

انکار کرتے تھے۔ چونکہ مشرک لوگ انکارِ رسالت میں شدید تھے تو اللہ نے
یہاں پر تصدیقِ رسالت بھی اسی تدریجی طریقے سے قسم اٹھا کر کی یعنی قسم ہے
حکمت والے یا مستحکم قرآن کی کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسولوں میں سے ہیں۔ اور
سلسلہ رسالت کی آخری کڑی ہیں۔ آپ خاتم النبیین ہیں، سید ولد آدم ہیں، انسان
کامل ہیں اور تمام انبیاء کے بھی نبی ہیں۔ مزید یہ بھی فرمایا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ
آپ اللہ کے قائم کردہ بالکل سیدھے راستے پر ہیں۔ آپ اسی شاہراہ پر چل رہے
ہیں جو حظیرۃ القدس اور اللہ کی رحمت کے مقام تک جاتی ہے۔ آپ کا قول، عمل،
عقل اور عقیدہ سب کچھ صحیح ہے۔ آپ بالکل صراطِ مستقیم پر ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا
کہ آپ تو خود سیدھے صراطِ مستقیم پر ہیں

اور ساتھ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الشوریٰ)
اور دوسروں کو بھی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی کرتے ہیں تاکہ وہ بھی منزلِ مقصود
تک پہنچ جائیں۔

مقصود نزولِ قرآن

اللہ نے ابتدائی آیت میں جس قرآن حکیم کی قسم کھا کر حضور علیہ السلام کی رسالت
کی گواہی دی تھی، اسی قرآن کے متعلق فرمایا تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ۔ یہ
غالب اور نہایت مہربان خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اگر اس کی مہربانی شاملِ
حال نہ ہوتی تو انسان ہدایت لینے سے محروم رہتے۔ اللہ نے یہ قرآن نازل فرما کر بڑا
احسان فرمایا۔ سورۃ ابراہیم کی ابتداء میں نزولِ قرآن کی غایت یہ بیان کی گئی ہے
لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (آیت ۱) تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں
سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں۔ لوگ اخلاقی، روحانی، مادی غرضیکہ ہر قسم کے
اندھیروں میں پھنسے ہوئے ہیں کہیں کفر و شرک کے اندھیرے ہیں تو کہیں لہو و لعب
کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں۔ لوگوں نے اس وقت مادیت کا کلورو فارم سونگھ
رکھا ہے، مرنے کے بعد یہ نشہ اترے گا تو پتہ چلے گا کہ ہم دنیا میں کیا کرتے رہے ہیں
اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کے نزول کا مقصد یہ بیان فرمایا ہے لِتُنْذِرَ

قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ۔ تاکہ آپ اُن لوگوں کو ڈراویں جن کے آباؤ اجداد کو نہیں ڈرایا گیا، اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، حضرت امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں سے بنی اسماعیل مراد ہیں کہ اس قوم میں قریباً دو ہزار سال تک کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔ بنی اسرائیل میں تو پے در پے نبی آتے رہے مگر بنی اسماعیل میں آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوا۔ بنی اسماعیل کے ہزاروں خاندان اور آگے ہزاروں شاخیں تھیں۔ یہ وسیع سلسلہ نسب ہے، جو عرب میں اور عرب سے باہر خراسان تک پھیلا ہوا تھا مگر قریب زمانے میں ان کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ اسی وجہ سے کہ آپ اللہ کے آخری نبی تھے! آپ ان لوگوں کو ڈراویں جن کے پاس دور قریب میں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ ساتھ یہ بھی فرمایا لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ کہ ان میں سے اکثر پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کہ آپ کی تمام تر ساعی کے باوجود یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے، ان کی اکثریت کفر و شرک میں ہی مبتلا رہیگی، چنانچہ ان کے خلاف بڑی جنگیں لڑی گئیں، ہر طریقے سے کچلنے کی کوشش کی گئی مگر یہ لوگ نابود تو ہو گئے مگر ایمان نہیں لائے۔ اب، اگلی آیات میں اللہ نے ہدایت اور گمراہی کی حکمت اور فلسفہ بیان فرمایا ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ
فَهُمْ مُقْمَحُونَ ⑧ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ
سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ
لَا يُبْصِرُونَ ⑨ وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ
أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑩ إِنَّمَا تُنْذِرُ
مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَٰنَ بِالْغَيْبِ
فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ⑪ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي
الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلَّ
ع ١٢ / ١٨ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ ⑫

ترجمہ :- بے شک ہم نے کر دیئے ہیں اُن کی گردنوں
میں طوق، پس وہ ٹھوڑیوں تک (اٹکے ہوئے ہیں)
پس اُن کے سر اُوپر کو اٹھ گئے ہیں ⑧ اور بنائی
ہے ہم نے اُن کے سامنے رکاوٹ اور اُن کے پیچھے
بھی رکاوٹ۔ پس ہم نے اُن کو ڈھانپ دیا ہے (
اُوپر سے) پس وہ نہیں دیکھتے ⑨ اور برابر ہے اُن پر
کہ آپ اُن کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان قبول
نہیں کریں گے ⑩ بے شک آپ اُس کو ڈر سناتے
ہیں جو پیروی کرتا ہے نصیحت کی اور ڈرتا ہے رحمان

سے بغیر دیکھے۔ پس آپ خوشخبری دے دیں اس کو بخشش اور عزت والے اجر کی (۱۱) بیشک ہم زندہ کرتے ہیں مُردوں کو اور لکھتے ہیں وہ جو آگے بھیجا اور ان کے نشانات بھی۔ اور ہر چیز کو ہم نے شمار کر رکھا ہے ایک کھلی کتاب میں (۱۲)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر کیا اور پھر ساتھ نبوت و رسالت کی تصدیق کی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہیں۔ پھر اللہ نے قرآن حکیم کے نزول کی غایت یہ بیان کی تاکہ آپ اپنے اولین مخاطبین مشرکین مکہ کو ڈرا دیں جن کے آباؤ اجداد کے پاس قریبی زمانہ میں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا مگر ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ آپ کی تمام تر مساعی کے باوجود ان لوگوں کی اکثریت ایمان سے محروم رہے گی۔

گلے کے طوق

اب آج کی آیات میں ایمان نہ لانے والوں کی حالت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور خوف خدا رکھنے والوں کے بعض اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ اس کے بعد اللہ نے حشر نشر کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّا جَعَلۡنَا فِىۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ اَغۡلٰلًا ہم نے نہ ماننے والوں کے گلے میں طوق ڈال دیئے ہیں۔ فَهِىَ اِلَى الۡاَذۡقَانِ اور یہ ان کی ٹھوڑیوں تک اٹھے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے فَهُمۡ مُّقۡمَحُوۡنَ ان کے سر اوپر کو اٹھ رہے ہیں۔

ہاتھوں میں ہتھکڑی، پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں طوق ہونا سزا کی علامت ہے یعنی یہ شخص مجرم ہے جس کو سزا دی جارہی ہے اور یہاں جس طوق کا ذکر کیا گیا ہے وہ اتنا بڑا اور بھاری ہے کہ جب گلے میں پہنایا گیا ہے تو ٹھوڑی تک بھر گیا ہے جس کی وجہ سے ان کا سر اگلی طرف سے اوپر کو اٹھ گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ خواب میں ہتھکڑی یا بیڑی پہننا اچھائی کی علامت ہے اور اس

ے

کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دنیا میں پھنستا ہے۔ البتہ اگر خواب میں کوئی دیکھے کہ اس کے گلے میں طوق پہن رکھا ہے تو یہ سخت ذلت کی نشانی ہے۔

آگے پیچھے رکاوٹیں

ایمان سے محروم رہنے والے لوگوں کی دوسری حالت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا ہم نے ان کے آگے بھی دیوار کی رکاوٹ کھڑی کر دی ہے وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا اور ان کے پیچھے بھی ایسی ہی رکاوٹ ہے فَأَغْشَيْنَاهُمْ ہم نے ان کو اوپر سے ڈھانپ دیا ہے۔ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ لہٰذا وہ نہیں دیکھ سکتے۔ ظاہر ہے کہ جس کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں رکاوٹ کھڑی کر دی جائے اور اوپر سے بھی کوئی خیمہ وغیرہ ڈال کر ڈھانپ دیا جائے تو اسے کسی طرف سے کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ اللہ نے نافرمانوں اور گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کی یہ مثال بیان کی ہے کہ وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتے پھرتے ہیں اور انہیں کہیں سے بھی راستہ نظر نہیں آتا جس پر چل کر وہ منزل مقصود تک پہنچ سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سرگرداں پھرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ آپ کی طرف سے ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ایسے لوگوں کے گلے میں غلط نظریات اور باطل رسوم کے طوق پڑے ہوئے ہیں، نفسانی خواہشات نے ان کو ہر طرف سے روک رکھا ہے اور آگے پیچھے سے دنیا کی عیش و عشرت کی رکاوٹ ہے، لہٰذا انہیں اصل منزل کی طرف جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔

شاہ ولی اللہ کا فلسفہ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اصطلاح میں یہ لوگ حجاب طبع اور حجاب رسم میں مبتلا ہیں۔ حجاب طبع سے مراد مادی ضروریات کا حجاب ہے گویا یہ لوگ اچھا کھانے، اچھا پہننے، رہائش، سواری کی فکر میں ہی مبتلا رہتے ہیں۔ شاہ صاحب کے بقول یہ لوگ مادیت کے گڑھے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ سفلی خواہشات کی زیادتی ہے اور یہ مادیت کا گڑھا ہے۔ جب انسان مادیت کے گڑھے سے باہر نکلتا ہے

لہ

رسوم کی دلدل میں پھنس جاتا ہے جسے حجابِ رسم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر وہ اپنے خاندان، برادری، علاقائی اور ملکی رسم و رواج کی طرف دیکھتا ہے کہ دوسرے لوگ کیا کرتے ہیں تاکہ وہ بھی بلا سوچے سمجھے انہی کے پیچھے چلنا شروع کر دے چنانچہ جس طرح دوسرے لوگ شان و شوکت کے اظہار والے مکان بناتے ہیں۔ وہ بھی بنانے لگتا ہے۔ جس طرح کی دھوم دھام سے وہ شادیاں کرتے ہیں۔ یہ بھی ان کی نقالی کرتا ہے۔ جس طرح وہ عرس مناتے، قوالی کراتے، قبروں کو پختہ بناتے، اور پر غلاف چڑھاتے اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں، اسی طرح یہ بھی کرنے لگتا ہے۔ موت کی رسوم میں بھی یہ شخص اپنی قوم اور برادری کے نقش قدم پر چلتا ہوا حیثیت سے بڑھ کر کام کرتا ہے۔ امیر لوگ تو اپنی دولت کے بل بوتے پر پیدائش، شادی اور اموات کو دھوم دھام سے مناتے ہیں مگر ایک غریب آدمی بھی ان سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا۔ یہ حجابِ طبع اور حجابِ رسم کا طوق ہے جو اس کے گلے میں پڑا ہوا ہے اور جس کی وجہ سے اس کا سر اوپر کو اٹھا ہوا ہے۔ آگے اور پیچھے نفسانی خواہشات اور مادی عیش و عشرت کی دیواریں کھڑی ہیں جو اسے حقیقتِ ایمان سے واقف نہیں ہونے دیتیں۔ ـــــــ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی پوری زندگی انہی چکروں میں ختم ہو جاتی ہے مگر اسے توحیدِ خالص سے شناسائی نہیں ہوتی۔

ایک اشکال کا جواب

ان آیات سے بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی کسی انسان کے گلے میں طوق ڈال دیا ہے، اس کے آگے پیچھے دیواریں کھڑی کر کے اوپر سے بھی ڈھانپ دیا ہے تو پھر اس سے صراطِ مستقیم پر چلنے کی امید کس طرح کی جا سکتی ہے۔ اور اسے مکلف کیوں کر ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتدا ہی میں کسی شخص کے راستے میں مذکورہ رکاوٹیں کھڑی نہیں کر دیتا بلکہ پہلے ہدایت کے جملہ اسباب مہیا کر کے اور ہدایت اور گمراہی کے اصول واضح کر کے اسے اختیار دیتا ہے۔ کہ وہ ہدایت اور گمراہی میں سے جو راستہ چاہے اختیار کرے۔ امام بیضاویؒ[1] فرماتے ہیں کہ اللہ نے انسان کی ہدایت کے تمام

[1] بیضاوی ـــ ج [illegible] (ایضاً)

اسباب مہیا کر دیئے ہیں جن میں سے اولین سبب عقل جیسا جوہر کامل ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کر کے فرمایا کہ میں تیری وجہ سے پکڑوں گا اور تیری وجہ سے ہی گرفت کروں گا۔ عقل بہت بڑی نعمت ہے جس کے ذریعے انسان غور و فکر کر کے اچھائی اور برائی میں تمیز کرتا ہے۔ نیکی اور بدی کی پہچان کر کے سن بلوغت کو پہنچنے پر انسان کی عقل میں کامل ہو جاتی ہے لہٰذا اس وقت وہ مکلف بن جاتا ہے اور اپنے عقیدہ و عمل کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ اس پر قانون کی پابندی لازم ہو جاتی ہے اور خلاف ورزی پر مواخذہ ہوتا ہے۔

عقل کے بعد ہدایت کے دوسرے اسباب میں عقل کے خدام سامعہ، باصرہ، سونگھنے، چکھنے اور لمس وغیرہ حواس ہیں جو جملہ معلومات جمع کر کے عقل کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر عقل ان کے درمیان فیصلہ کرتی ہے کہ کس چیز کو اختیار کرنا ہے اور کس کو چھوڑ دینا ہے۔ اسی طرح حواس بھی اسباب ہدایت میں سے ہیں۔ اللہ نے انسان کو قوت وہبیہ، وجدانی، فطری، قوت متفکرہ وغیرہ عطا کی ہیں جن کو بروئے کار لا کر انسان اچھائی اور برائی میں تمیز کر سکتا ہے۔ ان اسباب کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر رحم اور حکمت عطا فرمائی ہے۔ اپنے پیغمبر بھیجے اور کتابیں نازل کی ہیں۔ گویا ہدایت کے سارے سامان مہیا کرنے کے بعد فرما دیا۔
فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف - ۲۹)
جس کا جی چاہے ایمان قبول کرے اور جس کا جی چاہے کفر کرے۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے
نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (النساء - ۱۱۵)
جو جدھر کا رخ کرنا چاہتا ہے ادھر ہی کی توفیق دے دیتا ہے پھر جب کوئی غلط راستہ اختیار کر کے کفر، شرک اور معاصی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے تو اسے جہنم تک پہنچا دیتے ہیں جو کہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اسی

۱۔ مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۲ بحوالہ بیہقی شعب الایمان (فیاض)

لیے ایمان کو اپنے ارادے اور اختیار سے قبول کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی شخص نے اضطراری حالت میں ایمان کی تصدیق کر دی تو وہ معتبر نہیں ہوگی، بلکہ ایمان کی تصدیق وہ قابل قبول ہوگی جو ارادے اور اختیار سے کی جائے گی۔ ان تمام تر اسباب ہدایت کے باوجود جب کوئی شخص اپنے اختیار سے ہدایت کا راستہ قبول نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے گلے میں طوق ڈال دیتا ہے، آگے پیچھے دیواریں کھڑی کر دیتا ہے، اور اوپر سے بھی ڈھانپ دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر بھٹکتا پھرتا ہے اور آگے راستہ نہیں پاتا۔

صراط مستقیم

سیدھا راستہ تو ان لوگوں کو نظر آئے گا جن میں طلب ہوگی اور وہ اس کے لیے کوشش بھی کریں گے۔ اللہ کا فرمان ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت ۶۹) جو ہمارے راستے کی تلاش میں محنت کرتے ہیں ہم ان کے لیے ہدایت کا راستہ ضرور واضح کر دیتے ہیں۔ اور یہ راستہ اسی صورت میں ملے گا کہ سابقہ کفر، شرک اور معاصی کو ترک کر دے گا۔ سابقہ کوتاہیوں پر تائب ہو جائے۔ جب ایسا ہوگا تو پھر عقل، حواس، کتابیں اور منذر سب کارگر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کی توفیق عطا کرے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ آپ کا ڈرانا ان لوگوں کے لیے مفید ہو سکتا ہے جو نصیحت کی پیروی کرتے ہیں۔ جو شخص نصیحت کو اچھا ہی نہیں سمجھتا اس کے لیے نصیحت کارگر نہیں ہو سکتی۔ دو، پھر نصیحت اس شخص کے لیے بھی کارآمد ہوگی وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ جو خدائے رحمان سے بن دیکھے ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی نے نہیں دیکھا، نہ جنت دوزخ کو دیکھا ہے، نہ فرشتوں کو دیکھا ہے اور نہ بعد میں آنے والوں نے اپنے انبیاء کو دیکھا ہے۔ یہ ایمان بالغیب ہی تو ہے۔ ہمارا اس پر بھی یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق و مالک ہے اور وہ ہمارا محاسبہ بھی کرے گا۔ ایسے ہی شخص کے لیے آپ کی نصیحت مفید ہوگی فرمایا فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ

ایسے شخص کے لیے بخشش اور عزت والے اجر کی خوشخبری سنا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے
چھپ کر ڈرنے پر کوتاہیاں معاف فرمائے گا۔ اور ساتھ عزت والا بدلہ بھی عطا فرمائیگا۔
اور وہ ہمیشہ کامیاب ہو جائے گا۔

جزائے عمل کی منزل

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت اور جزائے عمل کا ذکر فرمایا ہے
اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی بے شک ہم مُردوں کو زندہ کریں گے تاکہ ان کا حساب
کتاب لے کر جزائے عمل کا فیصلہ کر سکیں۔ اور اس کام کیلئے وَنَکْتُبُ مَا
قَدَّمُوْا ہم لکھتے ہیں جو کچھ انہوں نے اس زندگی کے دوران اگلی زندگی کے
لیے آگے بھیجا۔ وَاٰثَارَھُمْ اور ان کے نشانات بھی لکھتے ہیں تاکہ حساب
کتاب کے وقت ہم ان کو ان کا سارا اعمال نامہ دکھا سکیں۔ اگرچہ لکھنے کی
ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو علیم کل ہے اور وہ ازل سے ہر ایک
کی چیزوں کو بغیر لکھے بھی جانتا ہے مگر اس نے لکھنے کا ایک ضابطہ مقرر کر
دیا ہے جن کو دیکھ کر انسان اپنے کردہ اعمال کو پہچان لیں گے۔ اس مقصد کے
لیے اللہ نے نگران اور محافظ فرشتے مقرر کیے ہوئے ہیں جو ہر انسان کے ہر
عمل کو محفوظ کر رہے ہیں اور اپنے رجسٹروں میں درج کر رہے ہیں۔

آثار کی توضیح

آگے بھیجے جانے والے وہ نیک یا بد اعمال ہیں جو انسان دنیا میں کماتے
ہیں اور آثار سے مراد وہ نشانات ہیں جو انسان اپنے پیچھے اس دنیا میں چھوڑ جاتے
ہیں۔ پیچھے رہ جانے والوں میں آثار اطاعت بھی ہیں اور آثار معصیت بھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص دنیا میں کوئی اچھی چیز چھوڑ جاتا ہے اس کا اجر
اس کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے اور جو کوئی بُری رسم چھوڑ جاتا ہے تو اس پر عمل
کرنے والوں کا بھی ایک گناہ اس شخص کو بھی ملتا رہتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد
ہے کہ جب کوئی شخص اس دنیا سے چلا جاتا ہے تو اس کا اعمال نامہ بند کر دیا جاتا

مظہری ج ۸ ص ۳۲   لے   (فیاض)

ہے۔ البتہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا ثواب مرنے کے بعد بھی برابر ملتا رہتا ہے۔ فرمایا ایک صدقہ جاریہ ہے کہ آدمی رفاہِ عامہ کا کوئی کام کر گیا ہے کوئی مسجد یا مدرسہ یا سرائے بنا گیا ہے یا کنواں کھدوا گیا ہے تو اس کا ثواب اسے پہنچتا ہے۔ دوسری چیز نافع علم ہے۔ تقریر و تحریر کی صورت میں علم چھوڑ گیا ہے، قرآن و سنت کی توضیح ہے یا احکامِ دین کی تشریحات ہیں، تو جب تک لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کا ثواب ملتا رہے گا اور قبر میں بھی ملتا رہے گا۔ فرمایا تیسری چیز نیک اولاد ہے۔ جو مرنے والے کے لیے بخشش کی دعائیں کرتی ہے۔ یہ چیزیں آثار میں داخل ہیں جن کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ ہم ان کو بھی لکھتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارکہ میں بنی سلمہ کے لوگ مسجدِ نبوی سے کچھ فاصلے پر رہتے تھے۔ مسجد کے قریب کچھ مکانات خالی ہوئے تو ان لوگوں نے وہاں منتقل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تاکہ مسجد سے قریب ہو جائیں۔ حضور علیہ السلام کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر وہیں ٹھہرے رہو کیونکہ تم جتنے قدم چل کر مسجد میں آتے ہو وہ لکھے جا رہے ہیں۔ جب تک دور سے آتے رہو گے تو زیادہ قدم لکھے جاتے رہیں گے، لہٰذا تمہارا فائدہ دور رہنے میں ہی ہے۔ حدیث[1] کے الفاظ ہیں دِیَارَکُمْ تُکْتَبُ اٰثَارُکُمْ تم اپنے محلے میں ٹھہرے رہو کہ تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں غرضیکہ قدموں کے نشانات کو بھی حضور علیہ السلام نے آثار میں شمار کیا ہے۔ کسی بھی نیک کام کے لیے انسان چل کر جاتا ہے تو اس کے نقوش اور قدم کا حساب رکھا جاتا ہے اور اسے اجر ملتا ہے۔

فرمایا وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ہم نے

---

[1] مسلم ص ۲۳۵ ج ۱ (فیاض)

انسان کی ہر چیز کو کھلی کتاب میں شمار کر رکھا ہے جو کہ اللہ کے علم کا نمونہ لوح محفوظ ہے۔ یہ سارا اعمالنامہ قیامت والے دن پیش کیا جائے گا اور پھر اس کے مطابق جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا
الْمُرْسَلُوْنَ (۱۳) اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ
فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ
مُّرْسَلُوْنَ (۱۴) قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا
وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
تَكْذِبُوْنَ (۱۵) قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ
لَمُرْسَلُوْنَ (۱۶) وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ (۱۷) قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِنْ لَّمْ
تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ
اَلِيْمٌ (۱۸) قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ (۱۹)

ترجمہ:- اور بیان کریں آپ ان کے سامنے مثال بستی والوں کی جب کہ آئے ان کے پاس بھیجے ہوئے (۱۳) جب کہ ہم نے بھیجا ان کی طرف دو کو، پھر ان دونوں کو انہوں نے جھٹلایا، پھر ہم نے قوت دی ایک تیسرے کے ساتھ تو انہوں نے کہا بیشک ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں (۱۴) کہا ان لوگوں

نے نہیں ہو تم مگر انسان ہمارے جیسے، اور نہیں اتارا
خدائے رحمان نے کسی چیز کو، نہیں ہو تم مگر جھوٹ
بولتے (۱۵) کہا انہوں نے کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے
کہ بیشک ہم تمہاری طرف البتہ بھیجے ہوئے ہیں (۱۶)
اور نہیں ہے ہمارے ذمے مگر کھول کر پیغام
پہنچا دینا (۱۷) وہ کہنے لگے، بیشک ہم تمہاری
وجہ سے شگون لیتے ہیں۔ اگر تم باز نہیں آؤ گے
تو ہم تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے، اور
پہنچے گا تم کو ہماری طرف سے دردناک عذاب (۱۸)
کہا انہوں نے تمہارا شگون تمہارے ساتھ ہی ہے
اس وجہ سے کہ تم کو نصیحت کی گئی ہے، نہیں
بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو (۱۹)

ربط آیات

سورۃ کی ابتداء میں قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا بیان ہوا، پھر رسالت کا ذکر ہوا۔ اللہ نے ایمان نہ لانے کی وجہ بیان فرمائی، کہ اکثر لوگ عجائب طبیعیہ یا عجائب رسم میں مبتلا رہ کر ہی زندگی ختم کر دیتے ہیں اور عمر بھر ذرہ ایمان کے معاملے میں غور و فکر کرتے ہی اور نہ ہی اسے قبول کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ مردوں کو زندہ کرنا ہمارا کام ہے، ہم مقررہ وقت پر انہیں دوبارہ زندہ کریں گے، ان کے تمام اعمال اور ان کی ہر ہر نقل و حرکت ہمارے پاس لکھی ہوئی ہے جو انہیں نئی زندگی ملنے پر پیش کر دی جائے گی اور پھر اس اعمالنامے کی بنیاد پر ان سے حساب کتاب لیا جائے گا۔ اور جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے

بستی میں مرسلین کی آمد

سورۃ ہٰذا کی آیت ۳ میں رسالت کا بیان گزر چکا ہے إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ آپ اللہ کے سچے رسولوں میں سے ہیں۔ اب اسی رسالت ہی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

لو آپ کے صحابہؓ کو تسلی دی ہے کہ اگر کفارِ مکہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ کو ایذا پہنچاتے ہیں تو یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، بلکہ اللہ کے ہر نبی کے ساتھ لوگوں نے ایسا ہی سلوک کیا۔ اللہ نے ایک بستی کا ذکر کیا وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا أَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کے سامنے ایک بستی والوں کی مثال بیان کر دیں إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ جب کہ اس بستی میں اللہ کے بھیجے ہوئے گئے۔

مرسلین کی حیثیت کے بارے میں مفسرین کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تین شخص اللہ کے بھیجے ہوئے نبی تھے۔ پہلے اللہ نے ان میں سے دو کو اس بستی میں بھیجا اور پھر ان دو کی تائید کے لیے تیسرے کو بھی بھیجا۔ مفسرینؒ ان کے نام صادق، مصدوق، اور شمعون بیان کرتے ہیں۔ تاہم اکثر مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ یہ تین اشخاص اللہ کے براہِ راست نبی نہیں تھے بلکہ بالواسطہ طور پر عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے ان کے حواری تھے، جو تبلیغِ دین کے لیے اس بستی میں بھیجے گئے تھے۔ مفسرینؒ کا پہلا گروہ کہتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل کا ہے جب کہ دوسرا گروہ اسے عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ بتاتا ہے۔

یہاں پر قریہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا اطلاق چھوٹی بستیوں پر بھی ہوتا ہے اور مکہ اور طائف جیسے بڑے شہروں پر بھی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جس بستی کا ذکر بیان کیا گیا ہے، اس سے انطاکیہ کی بستی مراد ہے جو شام میں واقع ہے اور مشہور

۱؎ تفسیر طبری ص ۱۵۲ ج ۲۲ و البحر المحیط ص ۳۲۳ ج ۷

۲؎ قرطبی ص ۱۴ ج ۱۵ و معالم التنزیل ص ۲۱ ج ۴ و طبری ص ۱۵۲ ج ۲۲

۳؎ معالم التنزیل ص ۲۱ ج ۴ و ابو السعود ص ۲۴۹ ج ۴ و مدارک ص ۹ ج ۴ و طبری ص ۱۵۲ ج ۲۲

۴؎ بیضاوی ص ۲۷۷ ج ۴ و قرطبی ص ۱۴ ج ۱۵ و ابو السعود ص ۲۴۹ ج ۴ و کبیر ص ۵۱ ج ۲۶ و مدارک ص ۹ ج ۴ و طبری ص ۱۵۵ ج ۲۲ و خازن ص ۔ (فیاض)

معروف بستی ہے۔ یہ بستی ابتداءً سکندر اعظم کے زمانے میں آباد ہوئی تھی۔ اس زمانے میں شام اور مصر وغیرہ سلطنتِ روما میں شامل تھے اور یہاں پر ان کے گورنر رہتے تھے۔ سکندر رومی کے بعد جب یہ بستی ویران ہو گئی تو پھر انٹوکس نامی گورنر یا بادشاہ نے اسے دوبارہ تعمیر کیا۔ بہرحال اس بستی میں عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ تین مبلغین آئے۔ ان کی تبلیغ سے کچھ لوگ ایمان بھی لے آئے چنانچہ ایسے ہی ایک مومن شخص کا ذکر آگے آرہا ہے وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى (آیت ۲۰) اس شخص نے مرسلین کی تائید کی تھی جس کی پاداش میں اسے قتل کر دیا گیا اور اللہ نے اسے جنت میں بلند مرتبہ عطا فرمایا۔

اہلِ بستی کی طرف سے تکذیب

بہرحال اس واقعہ کے متعلق فرمایا اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا جب کہ ہم نے بھیجا اس بستی میں دو مرسلین کو تو اس بستی والوں نے دونوں کو جھٹلا دیا۔ فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ پھر ہم نے تیسرے مرسل کو پہلے دو کی تائید کے لیے بھیجا کسی کام کی تکمیل کے لیے تائید کا ملنا بھی ضروری ہے۔ اسی غرض کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے بھی بارگاہِ رب العزت میں عرض کی تھی کہ میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو میرا نائب بنا دے وَاَشْرِكْهُ فِىْۤ اَمْرِىْ (طٰهٰ ۳۲) اور اسے میرے کام میں شریک کر دے۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت و رسالت عطا کی اور موسیٰ علیہ السلام کا معاون بنایا۔ بہرحال اللہ کے مرسلین یعنی ان کے فرستادہ انطاکیہ کی بستی میں پہنچے فَقَالُوْۤا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ اور کہنے لگے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں اور تمہیں اللہ کا پیغام سنانے کے لیے آئے ہیں۔ اس کے جواب میں اہلِ بستی نے کہا قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کہ نہیں ہو تم مگر ہمارے جیسے انسان۔ تمہیں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں جو نبوت و رسالت کا دعویٰ کر رہے ہو۔ انبیاء کی بشریت قبولِ حق میں ہمیشہ سے مانع رہی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔

(آیت - ۹۴) جب بھی لوگوں کے پاس اللہ کے نبی ہدایت لے کر آئے تو انہوں نے یہی کہہ کر انکار کر دیا کیا اللہ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ وہ یہ بھی کہتے تھے مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ (الفرقان - ۷) کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ نبی تو کوئی برتر مخلوق میں سے ہونا چاہیے تھا جو نہ کھاتا نہ پیتا اور نہ بازار میں سودا سلف خریدتا۔

منکرین رسالت کا ایک اعتراض تو یہ تھا کہ نبی انسان نہیں ہونا چاہیے، اور دوسرا یہ کہ اگر انسانوں میں سے اللہ نے رسول مقرر کرنا ہے تو پھر کسی بڑے آدمی کو بنایا ہوتا۔ مشرکین مکہ بھی یہی کہتے تھے کہ ہم اس نادار آدمی کو نبی کیسے مان لیں جس کے پاس نہ مال و دولت، نہ کوٹھی اور بنگلہ، نہ نوکر چاکر اور نہ فوج اور پولیس، نہ زمین نہ باغات۔ کہتے تھے لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف - ۳۱) یہ قرآن مکے اور طائف کی بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں ہوا۔ منصب نبوت و رسالت کے لیے کیا ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟ اور لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا تھا کہ ہم پاگل ہیں جو ایک انسان کا اتباع کریں؟ یہ شخص ہمارا جانا پہچانا ہے اور ہمارا ڈرامہ ہے، بھلا اس میں نبوت والی کون سی خصوصیت ہے جو اسے نبی تسلیم کر لیں؟

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیںؒ کہ مشرکین کے لیے نبوت کو تسلیم کرنے میں ہمیشہ حجاب بشریت مانع رہا ہے۔ اللہ نے اپنے نبیوں میں جو صلاحیت، استعداد، کمال اور نیکی ودیعت کی تھی، مشرک لوگ اس کو نہ پہچان سکے لہٰذا انکار کر دیا۔ شرف نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کروڑوں انسانوں میں سے کسی کو عطا کرتا ہے۔ اس پر وحی کا نزول ہوتا ہے اور وہ بلند ترین ہستی ہوتی ہے۔ نبوت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہے۔

ؒ الفوز الکبیر ص۱۱ (فیاض)

بہر حال بستی والوں نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا اور کہنے لگے وَمَآ اَنزَلَ الرَّحْمٰنُ مِن شَیْءٍ خدائے رحمان نے کوئی چیز نازل نہیں کی تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے کہ خدا نے تم پر وحی نازل کی ہے اور اس نے اپنی وحدانیت کو تسلیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اِنْ اَنتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ نہیں ہو تم مگر جھوٹ بولتے

مرسلین کا کلام

اس کے جواب میں عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں یا اللہ کے نبیوں نے کہا قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ بیشک ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں۔ شروع سے اس معاملہ میں اللہ کی گواہی پیش کی کہ ہم فرستادہ ہیں اور ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ جس قدر شدت سے وہ لوگ انکار کرتے تھے اتنی ہی شدت سے مرسلین نے جواب دیا کہ ہم ضرور تمہاری طرف بھیجے ہوئے ہیں وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ اور ہماری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ ہم اللہ کا پیغام کھول کر پہنچا دیں۔ اس کے بعد یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اس دعوت کو قبول کرتے ہو یا نہیں۔ کسی کو پکڑ کر زبردستی ایمان میں داخل کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ ہم تو صرف پیغام الٰہی پہنچاتے ہیں يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اعراف - ۸۵) اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، قیامت برحق ہے نبوت و رسالت درست ہے، ایمان لانا مدار نجات ہے۔ نیکی کرنے پر انسان کو درجات ملتے ہیں اور تکذیب پر سزا ملتی ہے۔ غرضیکہ ہمارا کام تو خدا کا پیغام کھول کر سنا دینا ہے، آگے ماننا یا نہ ماننا یہ تمہاری مرضی ہے

بدبختی کا بد شگون

آگے سے لوگوں نے جواب دیا۔ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ کہنے لگے ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں اور تمہاری وجہ سے بدشگون لیتے ہیں تم جب سے ہماری بستی میں آئے ہو بارش رک گئی ہے اور قحط پیدا ہو گیا ہے۔ نیز گھر گھر میں تم نے اختلافات ڈال دیے ہیں، اور لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے ہیں۔ اناج اور پانی کی قلت پیدا ہو گئی ہے، تم بڑے منحوس آئے ہو۔

اصل میں "طیر" کا معنی پرندے کو اڑا کر اس سے شگون لینا ہے۔ مشرکین عرب میں یہ دستورِ عام تھا کہ جب کسی اہم کام کے ارادے سے نکلنا ہوتا تو کسی پرندے کو اڑاتے اگر وہ دائیں طرف کو اڑتا تو جان لیتے کہ اُن کا یہ سفر مبارک ہے اور جس کام کے لیے جا رہے ہیں وہ ہو جائے گا، برخلاف اس کے کہ اگر پرندہ اڑ کر بائیں طرف کو جاتا تو سمجھتے کہ حالات اُن کے حق میں نہیں، لہٰذا وہ اس کام کا ارادہ ترک کر دیتے۔

ہندوؤں میں بھی اس قسم کا زعم پایا جاتا ہے۔ صبح صبح گھر سے باہر کسی کام کے لیے نکلے، اگر کالا کتا سامنے آ گیا یا کالی بلی نے راستہ کاٹ دیا تو اس سے بُرا شگون لیا کہ یہ کام نہیں ہو گا۔ اگر کہیں کوا یا اُلو بیٹھا دیکھ لیا تو اسے ویرانی اور بربادی پر محمول کیا۔ اگر گھر سے نکلتے وقت عورت سامنے آ گئی تو اسے بھی کام کی تکمیل میں منحوس تصور کرتے ہیں۔

حضور علیہ السلام نے ایسے شگون کے متعلق فرمایا اَلطِّیَرَۃُ مِنَ الشِّرْکِ کہ شگون لینا شرک کی ایک قسم ہے۔ آپ دعا فرمایا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُکَ وَلَا طَیْرَ اِلَّا طَیْرُکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ اے پروردگار! خیر تیری ہی خیر ہے اور شگون تیرا ہی شگون ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اس قسم کا شگون شیطانی وہم ہوتا ہے اور اہلِ ایمان کو دل میں ایسا خیال نہیں لانا چاہیئے۔ ہر چیز کا اختیار اللہ کے پاس ہے، اور شگون والا خیال باطل ہے۔

فال بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ کوئی قرآن سے فال نکالتا ہے، اور کوئی دیوانِ حافظ سے، کوئی ہیر رانجھے کی کتاب کو فال کے لیے استعمال کرتا ہے حالانکہ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فال کے بارے میں صرف اس قدر فرمایا ہے کہ اگر کوئی اچھا لفظ سن کر دل خوش ہو جائے تو اتنا درست ہے باقی سب شرک ہے۔ بہرحال بستی والوں نے کہا کہ تم ہمارے شہر میں ایسے

لے | ٹے
سے | ٹے

منحوس آنے ہو کر ہم طرح طرح کے مصائب میں پھنس گئے ہیں۔

اہل بستی کی دھمکی

پھر انہوں نے یہ دھمکی بھی دی لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ اگر تم اپنی اس تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہم تمہیں پتھر مار کر ہلاک کر دیں گے۔ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور ہماری طرف سے تمہیں سخت دردناک سزا دی جائے گی۔ رجم واقعی سخت ترین اور عبرتناک سزا ہے، جو اللہ نے محض زانی اور زانیہ کے لیے مقرر کی ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بعض واقعات میں مجرموں کو یہ سزا دی گئی اور انہیں سرعام سنگسار کیا گیا۔ بعض سابقہ نافرمان قوموں کو بھی سنگساری کی سزا دی گئی، چنانچہ لوط علیہ السلام کی بستی کو الٹ دیا گیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش بھی کی گئی۔ اللہ نے فرمایا ہے مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ (ھود-۸۳) ہر پتھر پر اللہ نے نام لکھ دیا تھا کہ فلاں کے سر پر گرے گا اور یہ فلاں نابکار کا بھیجا نکال دے گا۔ بہرحال اہل بستی نے کہا کہ ہم تمہاری آمد سے برا شگون لیتے ہیں اور اگر تم اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو تمہیں سنگسار کر دیا جائے گا۔

مرسلین کا جواب

اس پر مرسلین نے یہ جواب دیا قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ کہنے لگے تمہارا شگون اور نحوست تمہارے ہی سر پر ہے۔ تمہارے اعمال بد کی وجہ سے ہی تم پر نحوست چھائی ہوئی ہے اور تم قحط اور لڑائی جھگڑے میں مبتلا ہو۔ یہ نحوست ہماری پیغام رسانی کی وجہ سے نہیں بلکہ تمہارے کفر و شرک کا نتیجہ ہے۔ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ کیا یہ باتیں تم اس لیے کہتے ہو کہ ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں، کیا ہم اپنا فرض منصبی ترک کر دیں؟ نہیں بلکہ نحوست تو تمہاری شامت اعمال کا نتیجہ ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ حقیقت یہ ہے کہ تم ہی لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہو۔ تمہارا قول فعل، اخلاق، عقیدہ سب کچھ حد سے بڑھا ہوا ہے۔

اس کے بعد لوگوں نے اللہ کے نبیوں یا عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغین کے ساتھ بڑی سختی کی۔ آگے اس مرد مومن کا ذکر بھی آ رہا ہے جو مرسلین کی حمایت میں آیا تھا مگر لوگوں نے اس کی جان لے لی مگر اللہ نے اسے بلند مرتبہ عطا فرمایا۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ
يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝٢٠ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا
يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝٢١ وَمَالِيَ
لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝٢٢
ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ
بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا
يُنْقِذُوْنِ ۝٢٣ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٢٤ اِنِّيْٓ
اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝٢٥ قِيْلَ ادْخُلِ
الْجَنَّةَ ۚ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝٢٦
بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝٢٧
وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ
مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝٢٨ اِنْ
كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ
خٰمِدُوْنَ ۝٢٩ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ
مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٣٠

الجزء الثالث والعشرون ٢٣

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ
أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٣١﴾ وَإِن كُلٌّ لَّمَّا
جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٣٢﴾

ترجمہ: اور آیا شہر کے پرلے کنارے سے ایک
شخص دوڑتا ہوا کہنے لگا اے میری قوم کے لوگو!
پیروی کرو بھیجے ہوؤں کی (۲۰) تابعداری کرو ان کی جو نہیں
مانگتے تم سے مزدوری اور وہ ہدایت کے راستہ پر
ہیں (۲۱) اور کیا ہے مجھے کہ میں نہ عبادت کروں اس
ذات کی جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف
تم پھیرے جاؤ گے (۲۲) کیا بناؤں میں اس کے سوا
دوسروں کو معبود؟ اگر خدائے رحمان چاہے نقصان پہنچانا
تو ان کی سفارش مجھے کچھ کام نہیں آ سکتی اور نہ وہ چھڑا
سکتے ہیں (۲۳) اس وقت تو میں البتہ گمراہی میں ہو
جاؤں گا (۲۴) تحقیق میں ایمان لایا ہوں تمہارے پروردگار
پر پس سنو (۲۵) کہا گیا اس شخص سے کہ داخل ہو جا
جنت میں۔ اس نے کہا کاش میری قوم کے لوگ
جانتے (۲۶) اس چیز کو کہ بخشا ہے مجھے میرے پروردگار
نے، اور بنایا ہے مجھے عزت والوں میں سے (۲۷)
اور نہیں اتارا ہم نے اس کی قوم پر اس کے بعد کوئی
لشکر آسمان سے اور نہ ہی تھے ہم اتارنے والے (۲۸)
اور نہیں تھی مگر ایک چیخ، پس اچانک وہ سب
بجھنے والے ہو گئے (۲۹) افسوس ہے بندوں پر نہیں

آتا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں ﴿۳۰﴾ کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی جماعتیں ہلاک کر دی تھیں۔ بیشک وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے ﴿۳۱﴾ اور نہیں ہے کوئی مگر تمام کے تمام ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے ﴿۳۲﴾

مکی سورتوں کے چار بنیادی مضامین میں سے اس رکوع میں رسالت کا مسئلہ بیان ہو رہا ہے۔ گزشتہ درس میں انطاکیہ کی بستی کا ذکر ہوا کہ اس میں اللہ کے بھیجے ہوئے نبی یا عیسیٰ علیہ السلام کے فرستادہ مبلغین دین اسلام کی تبلیغ کے لیے آئے تو اہل بستی نے ان کی تکذیب کی۔ ان کو کوسنے اور ایذا پہنچانے کے علاوہ ان کو طعن بھی کیا کہ تمہاری آمد کی وجہ سے ہم پر نحوست چھا گئی ہے، ہمارے علاقے میں خشک سالی پیدا ہو گئی ہے اور گھر گھر میں لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا ہے۔ رسولوں نے جواب دیا کہ یہ نامبارکی ہماری وجہ سے نہیں ہے بلکہ تم خود ہی حد سے بڑھنے والے ہو جس کی سزا تمہیں مل رہی ہے۔

ایک مومن کا تذکرہ

مرسلین نے اپنی تبلیغ جاری رکھی جس کی وجہ سے اہل بستی مشتعل ہو گئے اور وہ ان کے قتل کے منصوبے بنانے لگے۔ شہر کی دوسری طرف ایک اہل ایمان آدمی رہتا ہے جس کا نام حبیب نجار تھا۔ تفسیری[1] اور تاریخی روایات میں آتا ہے کہ پہلے تو یہ شخص بت تراش تھا، پھر اس نے مرسلین کی کرامت دیکھی تو اللہ نے اسے ایمان لانے کی توفیق دے دی اور وہ ایمان لے آیا۔ جب اہل بستی مرسلین کو ایذا پہنچاتے تو اس شخص کو بڑی کوفت ہوتی۔ جب اسے پتہ چلا کہ یہ لوگ ان مبلغین یا رسولوں کو قتل کرنے کے درپے ہیں تو اس سے رہا نہ گیا اور اس نے اس معاملہ میں اپنا فرض ادا

---

[1] تفسیر طبری ص۱۵۹ ج۲۲ و قرطبی ص۱۸ ج۱۵ (فیاض)

کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی بات کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا وَجَآءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور اُس نے اپنی قوم کو سمجھانے کی کوشش کی کہنے لگا قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ اے میری قوم کے لوگو! ان فرستادہ شخصیات کی پیروی کرو۔ یہ تمہیں غلط راستے سے ہٹا کر صحیح راستے پر لانا چاہتے ہیں، کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید کی روشنی میں لانا چاہتے ہیں۔ وہ تمہارے ساتھ خیر خواہی کا سلوک کرتے ہیں تاکہ تم آخرت کے دائمی عذاب سے بچ جاؤ۔ اس شخص نے یہ بھی کہا اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ أَجْرًا تم اُن کا اتباع کرو جو تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے۔ وہ تمہارے خیر خواہ اور مخلص ہیں۔ وہ تمہاری بے لوث خدمت کرتے ہیں، لہٰذا اُن کی بات مان لو کیونکہ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ وہ خود بھی ہدایت یافتہ ہیں اور تمہیں بھی ہدایت کی راہ پر چلانا چاہتے ہیں۔

توحید پر استقامت

پھر اس شخص نے توحید پر اپنی استقامت کا اس طرح اظہار کیا۔ وَمَا لِيَ لَآ أَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ اور کیا ہے مجھے کہ میں اُس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ یہاں اس مومن آدمی نے اللہ کی صفت فطور کا ذکر کیا ہے یعنی وہ اللہ جس نے مجھے ہستی بخشی ہے۔ میں تو اُسی کی عبادت کروں گا کیونکہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ پھر ساتھ ہی اپنے مخاطبین کو تنبیہ بھی کی وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ تم سب نے اُسی خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ مرنے کے بعد تم کو اُسی کے سامنے حاضر ہو کر اپنے عقائد و اعمال کی جوابدہی کرنا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح میں خالص اُسی کی عبادت کرتا ہوں، اسی طرح تم بھی کفر اور شرک کو چھوڑ کر صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کے بندے بن جاؤ۔

اس کے بعد اس شخص نے شرک کی تردید اس انداز میں کی ءَأَتَّخِذُ

مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً کیا میں اس ایک خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنا لوں؟ اِن معبودانِ باطلہ کی حالت تو یہ ہے اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ اگر خدائے رحمان مجھے کسی تکلیف میں مبتلا کرنا چاہے لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا تو ان معبودوں کی سفارش مجھے کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ یہ تو بے اختیار اور عاجز ہستیاں ہیں وَّلَا يُنْقِذُوْنِ اور نہ ہی یہ مجھے کسی مصیبت سے نجات دلا سکتے ہیں۔ کسی میں اتنی طاقت نہیں کہ خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تکلیف کو دور کر سکے۔ اگر میں ایسی ہستیوں کی عبادت کروں گا تو یہ کم عاقبت والی بات ہوگی۔ ایسی صورت میں اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ تو بے شبہ میں کھلی گمراہی میں جا پڑوں گا اس سے زیادہ کون سی گمراہی ہوگی کہ انسان خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کراتا پھرے، ان کی نذر و نیاز دے اور ان کی ایسی تعظیم کرے جو اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے مختص ہے۔ غرضیکہ اس مرد مومن نے عقلی دلائل سے لوگوں کو توحید کے اثبات اور شرک کے رد کی بات بتائی۔

پھر کہنے لگا اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا ہوں۔ پہلے اللہ کی صفت خلق کا ذکر کیا تھا۔ اب ربوبیت کی بات کی۔ گویا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور ہر چیز کو بتدریج حد کمال تک پہنچانے والی ذات بھی رب ہے۔ میں اسی خدا رب قدوس پر ایمان لا چکا ہوں جو ان صفات کا حامل ہے۔ فَاسْمَعُوْنِ تم بھی اس بات کو اچھی طرح سن لو۔ میں یہ بات چھپ کر نہیں کر رہا ہوں بلکہ علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں خود خدائے رحمان پر ایمان لا چکا ہوں اور تمہیں بھی یہی دعوت دیتا ہوں کہ ان خود ساختہ معبودوں کو چھوڑ کر ان مرسلین کے رب پر ایمان لے آؤ۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔

مومن آدمی کا قتل

وہ ابتدائی قوم اس مرد مومن کی نصیحت پر تو کیا عمل کرتی، وہ اس شخص کے بھی اسی طرح مخالف ہو گئے جس طرح وہ مرسلین کے مخالف تھے بلکہ اس شخص کے ساتھ ان سے بھی زیادہ ضد اور عناد کا مظاہرہ کرنے لگے

چنانچہ انھوں نے اس ایماندار شخص کو قتل کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ قوم نے اس شخص کو پیروں سے ایسے اس قدر روندا کہ اس بیچارے کی آنتیں پیٹ سے باہر نکل آئیں اور وہ شہید ہو گیا۔ مفسرین نے کہا ہے کہ جب وہ ظالم اس اہل ایمان کو ایذائیں دے رہے تھے تو وہ ان کے حق میں ہدایت کی دعائیں کر رہا تھا۔ یہ شخص بڑا نیک اور عبادت گزار تھا۔ کہتے ہیں کہ دن بھر جو کچھ کماتا کرتا شام کو اس کے دو حصوں میں تقسیم کر دیتا۔ ایک حصہ اپنے بچوں کے حوالہ کرتا اور دوسرا حصہ محتاجوں میں تقسیم کر دیتا۔

امت محمدیہ میں مثالیں — مسیح علیہ السلام کی امت کے اس شخص کی استقامت ایمان کی مثالیں امت محمدیہ میں بھی ملتی ہیں۔ مسیلمہ کذاب نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور پھر اس کے ساتھ مسلمانوں کے معرکے بھی پیش آئے۔ اس دعی نبوت کی گرفت میں کسی طرح دو مسلمان آدمی آگئے، جن میں ایک کا نام حبیب ابن زید تھا۔ مسیلمہ نے اس سے پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو اس نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ مسیلمہ کذاب بھی اللہ کا رسول ہے تو وہ شخص کہنے لگا کہ تمہاری یہ بات مجھے سنائی ہی نہیں دیتی۔ مسیلمہ نے اس سے اپنے حق میں گواہی لینے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا مگر وہ یہی کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا گواہ ہی تو ہوں مگر دوسری بات میری سماعت میں ہی نہیں آتی۔ اس پر مسیلمہ سخت طیش آگیا، اور اس نے اس مرد مومن کا ایک ایک عضو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر وہ شخص اپنے ایمان پر پکا رہا۔

اسی طرح طائف میں قبیلہ ثقیف کے سردار حضرت عروہ بن مسعودؓ ثقفی

۱۔ تفسیر ابن کثیر ص ۵۶۸ ج ۳
۲۔ ابن کثیر ص ۵۶۸ ج ۳ و معالم التنزیل ص ۳۷ ج ۴
۳۔ طبری ص ۹۹ ج ۲۲ و ابن کثیر ص ۵۶۹ ج ۳ (بیاض)

حضور علیہ السلام کے صحابی ہیں۔ آپ نے ان کے متعلق فرمایا کہ ان کی شکل و شباہت حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ جب یہ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے تو عرض کیا، حضور! مجھے اجازت دیں کہ میں واپس اپنے قبیلے میں جا کر ان کو تبلیغ اسلام کروں۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ تمہاری مخالفت کریں گے، تو وہ کہنے لگا کہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں اور وہ میرا بڑا احترام کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب میں سو رہا ہوتا ہوں تو کوئی آدمی مجھے جگانے کی جرأت نہیں کرتا۔ بہرحال وہ صحابی آپ سے اجازت لے کر قوم کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ لات و مناۃ وغیرہ کو چھوڑ کر حضور علیہ السلام کی رسالت کو تسلیم کرو اور وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آؤ۔ اتنی بات تھی کہ قوم دشمن ہو گئی حتیٰ کہ جب آپ نماز کے لیے اذان دیتے وقت شہادت کے کلمات ادا کر رہے تھے تو ایک بدبخت نے تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ بھی حبیب نجار کے ساتھ ملتا جلتا واقعہ ہے۔[1]

مومن آدمی کی حسرت

ان آیات میں مرد مومن کی حکایت کا ذکر تو نہیں کیا گیا بلکہ جن کی طرف سے قوم کو ہلاک کرنے کے ذکر کے بعد فرمایا قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ اس شخص سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ظاہر ہے کہ جنت کا داخلہ تو حشر کے بعد ہی ممکن ہے جنت میں داخلہ کی دو صورتیں ہیں۔ قیامت کے بعد حشر و نشر اور حساب کتاب ہونے کے بعد تو جنت کا داخلہ بالکل قابل فہم ہے۔ البتہ مرنے کے فوراً بعد جنت میں داخلہ بھی اس لحاظ سے قابل فہم ہے کہ انسان عالم برزخ میں تو پہنچ ہی جاتا ہے اور وہاں بھی ابتدائی سوال و جواب کے بعد اس کے لیے یا تو جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے اور اسے راحت محسوس ہونے لگتی ہے یا اگر وہ کفر و شرک یا معاصی کا مرتکب ہے تو اسے دوزخ کی تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے۔ تو بہرحال جنت سے مراد برزخ میں جنت کا احساس بھی ہو سکتا ہے۔

۱۔ ابن کثیر ص ۵۷۰ ج ۳ (فیاض)

اس شخص کی مرنے کے بعد بھی یہی حسرت تھی قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ
کاش کہ میری قوم کو علم ہو جاتا بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي کہ میرے پروردگار نے مجھے
بخش دیا ہے وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ اور مجھے باعزت لوگوں میں شامل
کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کے نزدیک عزت والے وہی لوگ ہیں جن کو اللہ
نے جنت کا مستحق ٹھہرایا ہے اور وہ کامیاب ہو گئے ہیں۔ کہنے لگا، کاش
میری قوم کے لوگوں کو میری کامیابی کا پتہ چل جاتا تو وہ بھی ایسا ہی کام کرتے اور کفر
اور شرک کو بجائے توحید کو اختیار کر لیتے۔ الغرض، اس اللہ کے بندے نے مرنے کے بعد
میں بھی قوم کے ساتھ خیر خواہی کا اظہار کیا۔

ظالم قوم کی ہلاکت

آگے اللہ تعالیٰ نے اُس ظالم قوم کی ہلاکت کا حال بیان کیا ہے۔ ارشاد
ہوتا ہے وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِن بَعْدِهِ مِن جُندٍ مِّنَ
السَّمَاءِ ہم نے اس کے بعد اُس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں بھیجا جو انہیں ہلاک کرتا وَمَا
كُنَّا مُنزِلِينَ اور نہ ہی ہم ایسا کوئی لشکر اتارنے والے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اس
نافرمان قوم کی ہلاکت کے لیے کسی فوج کی ضرورت نہ تھی، بلکہ اس کام کے لیے إِن
كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً ایک چیخ ہی کافی تھی جو ہم نے بھیج دی فَإِذَا هُمْ
خَامِدُونَ پس اچانک وہ بجھنے والے ہو گئے یعنی وہ اسی طرح صفحہ ہستی سے
ملیا میٹ ہو گئے جس طرح دہکتے ہوئے کوئلے پر پانی ڈال دیا جائے تو وہ بجھ جاتے
ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ نے ایک فرشتے کو بھیجا جس نے شہر کے دروازے
پر ہاتھ رکھ کر ایسی چیخ ماری کہ سب اہل بستی کے دل پھٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گئے
آگے فرمایا يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ بندوں کی حالت پر افسوس ہے مَا يَأْتِيهِم
مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ کہ جب بھی ان کے پاس اللہ
کا کوئی رسول آیا، انہوں نے اس کے ساتھ ٹھٹا ہی کیا۔ انہوں نے اللہ کے نبیوں

ل ابن کثیر ص ۵۶۹ ج ۳ (فیاض)

کی دعوت پر نہ تو غور کیا اور نہ انہیں تسلیم کیا۔

اگلی آیت میں روئے سخن نزولِ قرآن کے زمانے کے مشرکین کی طرف ہوتا ہے اور یہ بات ہر زمانے کے لوگوں کے لیے بھی باعثِ عبرت ہے۔ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی جماعتوں کو ہلاک کیا اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ بے شک وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے وہ تباہ و برباد ہو گئے، اس دنیا سے ختم ہو گئے۔

اب وہ کبھی واپس آئیں گے؟ نہیں، وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ اور نہیں کوئی مگر سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ہمارے سامنے پیش ہونا ہے۔ وہاں سب کے متعلق جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے اور مجرم بچ نہیں سکیں گے۔ یہ ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ کفر و شرک کو چھوڑ کر ایمان قبول کرلو، ورنہ تمہارا حشر بھی پہلی قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔

وَءَايَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا
مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ۝ وَجَعَلْنَا
فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا
فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ۝ لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ
وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ۝
سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا
تُنبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا
يَعْلَمُونَ ۝ وَءَايَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ
النَّهَارَ فَإِذَا هُم مُّظْلِمُونَ ۝ وَالشَّمْسُ
تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ
الْعَلِيمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ
عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝ لَا الشَّمْسُ
يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ
سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝

ترجمہ: ان لوگوں کے لیے ایک نشانی مردہ زمین ہے
جسے ہم نے زندہ کر دیا اور نکالا اس سے اناج ،

پس اس سے وہ کھاتے ہیں (۳۳) اور بنائے ہم نے اس
میں باغات کھجوروں اور انگوروں کے، اور چلائے ہم نے
اس میں چشمے (۳۴) تاکہ یہ کھائیں اُس کے پھل سے، اور
نہیں بنایا اُسے ان کے ہاتھوں نے کیا یہ لوگ شکر
ادا نہیں کرتے؟ (۳۵) پاک ہے وہ ذات جس نے پیدا
کیے جوڑے سب کے سب جن کو زمین اگاتی ہے، اور
خود ان میں سے اور ان چیزوں میں سے جن کو یہ نہیں
جانتے (۳۶) اور رات بھی ان کے لیے نشانی ہے، ہم
کھینچ لیتے ہیں اس کو دن سے، پس اچانک یہ اندھیرے
میں رہ جاتے ہیں (۳۷) اور سورج چلتا ہے اپنے مستقر
کے لیے، یہ ہے اندازہ ٹھہرایا ہوا زبردست اور علم والے
پروردگار کا (۳۸) اور چاند کو ہم نے مقرر کیں ہیں اس
کی مختلف منزلیں، یہاں تک کہ وہ لوٹ کر پرانی ٹہنی
کی طرح ہو جاتا ہے (۳۹) نہ تو سورج چاند کو پا سکتا
ہے اور نہ رات سبقت کرنے والی ہے دن سے، اور یہ
سب اپنے اپنے مدار کے اندر تیرتے ہیں (۴۰)

آیات کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کا حال بیان کیا کہ ان کے پاس تین رسول آئے تاکہ ان کو توحید کی دعوت دیں مگر ان اہلِ بستی نے ان رسولوں کو جھٹلا دیا، اور بہت بد سلوکی کی حتیٰ کہ ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ ان رسولوں کی تائید میں شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا اور قوم کو کہا کہ ان رسولوں کی اطاعت کرو جو ہدایت پر ہیں، شرک سے تائب ہو جاؤ، اور توحید کا اقرار کرو، مگر وہ لوگ اس مردِ مومن کے بھی مخالف ہو گئے اور اُسے قتل کر دیا۔ پھر ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ہولناک چیخ کی صورت خلاصۂ آیات

میں عذاب آیا جس سے وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید فرمائی اور توحید کا اثبات پیش کیا۔ حضرت عیسیٰؑ کا بیان بھی ہوا۔ اللہ نے فرمایا کہ جب بھی کسی قوم کے پاس اللہ کا نبی آیا تو قوم نے اس کے ساتھ ٹھٹھا ہی کیا اور اس کی دعوت کو ٹھکرا دیا۔ مشرکین مکہ نبی آخر الزمان کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے بہت سی قوموں کو اسی جرم کی پاداش میں ہلاک کیا۔ ان سب کو ایک دن ہمارے روبرو حاضر ہونا ہے جب ان کے عقائد و اعمال کے متعلق حتمی فیصلے ہوں گے۔

زمین کی حالت بدلی

اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعض دلائل بیان فرمائے ہیں جن سے وقوع قیامت اور توحید کا اثبات سمجھ میں آ سکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ ان لوگوں کے لیے مردہ زمین بھی بطور ایک نشانی کے ہے أَحْيَيْنَاهَا جس کو ہم نے زندہ کیا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا پھر اس سے اناج نکالا یعنی دانے پیدا کیے فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ پس یہ لوگ اسی اناج کو بطور خوراک کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی روئیدگی کا بہت سے مقامات پر ذکر کیا ہے کہ آسمان کی طرف سے پانی برسا کر پھر اس سے زمین کو روئیدگی بخشی اور پھر اس سے پھل پھول، اناج، سبزہ اور چارہ پیدا کیا۔

یہ آیت توحید خداوندی کی دلیل ہے کہ آسمان کی طرف سے جب اور جس قدر چاہے پانی برسا کر مردہ زمین کو زندہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اس میں کسی دوسری ذات کو کوئی دخل نہیں ہے۔ نیز یہی آیت وقوع قیامت کی دلیل اس طرح بنتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے، اسی طرح وہ قیامت والے دن تمام مردوں کو بھی زندہ کر کے اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا۔ بزرگان دین یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ خشک زمین کو تروتازہ کر دیتا ہے، اسی طرح وہ اپنی مہربانی کے ساتھ مردہ دلوں یعنی گمراہ

دلوں کو زندہ ہدایت، ایمان اور توحید کی تروتازگی بخش کرتی ہیں، روحانی زندگی پیدا کرتی ہے جب اس میں اطاعت کا بیج پڑتا ہے تو اس سے روحانی غذائیں حاصل ہو جاتی ہے۔

فرمایا ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر کے اس میں سے اناج اگایا، اس کے علاوہ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّاَعْنَابٍ ہم نے اس زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات لگائے۔ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ اور آبپاشی کے لیے زمین میں چشمے بھی جاری کر دیئے۔ دریاؤں، نہروں اور چشموں کے پانی سے جانوروں کی پینے اور دھونے کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور یہی پانی کھیتی باڑی کے کام آتا ہے جس سے تمام جانداروں کی غذائی ضروریات پوری ہوتی ہیں جس طرح زمین میں پانی بہنے سے خوبصورت باغات پیدا ہوتے ہیں اسی طرح ذوق وشوق کے ساتھ ذکر الٰہی کرنے والوں کے دلوں میں حکمت و دانائی کے چشمے جاری ہو گئے ہیں اور انسانوں کے دلوں میں باغ و بہار پیدا ہوتے ہیں۔

فرمایا اناج اور باغات پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ تاکہ انسان اور جانور ان کا پھل کھائیں جو کہ ان کی زندگی کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کا فیضان ہے وگرنہ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ان لوگوں کے ہاتھوں نے کچھ بھی نہیں بنایا یہ خود سوچیں کہ کیا بارش برسا کر دریا، نہریں اور چشمے انہوں نے جاری کیے ہیں؟ کیا پھل، پھول، اناج اور سبزہ انہوں نے پیدا کیا ہے، کیا کھجوروں اور انگوروں کی پیداوار ان کا کارنامہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہی پیدا کردہ ہے۔ جب یہ بات ہے تو اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے؟ ان لوگوں کا فرض تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لاتعداد نعمتوں کو استعمال کرنے کے بعد اس کا شکر بھی ادا کرتے مگر اللہ نے فرمایا کہ اس کے شکر گزار بندے بہت کم ہیں، اور اکثر لوگ ان نعمتوں کا کفران ہی کرتے ہیں۔

جوڑوں کی پیدائش

اگلی آیت میں اللہ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی بیان فرمائی ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا پاک ہے وہ ذات جس نے پیدا کیے
جوڑے سب کے سب۔ ان میں سے بعض جوڑے وہ ہیں مِمَّا تُنْۢبِتُ
الْاَرْضُ جنہیں زمین اُگاتی ہے۔ زمین سے اگنے والی چیزوں میں اناج، پھل، پھول اور درخت
پودے اور دیگر نباتات ہیں۔ اللہ نے ہر ایک کے جوڑے بنائے ہیں جن سے ان
کی نسل آگے چلتی ہے۔ ہر درخت، پودے اور سبزے کے نر و مادہ ہوتے ہیں جو مل کر
ہو کر جانداروں کے لیے خوراک مہیا کرتے ہیں۔ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ اور خود ان
کی جانوں میں بھی جوڑے پیدا کیے ہیں۔ اللہ کی مخلوق انسانوں، حیوانوں، چرندوں،
پرندوں وغیرہ سب کو اللہ نے جوڑے جوڑے پیدا کیا ہے اور پھر نر و مادہ کے ملاپ
سے ان کی نسل آگے چلتی ہے۔ اگر جوڑوں کی بجائے صرف نر یا صرف مادہ ہوتے
تو ان کی نسل ممکن نہ ہوتی۔ اور فرمایا ہم نے ان چیزوں کے بھی جوڑے بنائے
وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ جن کو یہ انسان جانتے ہی نہیں۔ اللہ کی کتنی ہی مخلوق
ہے جو زمین کی پشت پر ہمارے سامنے چلتی پھرتی ہے مگر اس کی تعداد مخلوق ایسی بھی
ہے جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور ہم اسے جانتے تک نہیں۔ زمین کی تہوں
اور سمندروں کی گہرائیوں میں رہنے والے کتنے کیڑے مکوڑے ہیں جن کے نام تک سے
ہم واقف نہیں۔ اللہ نے ان کو بھی جوڑوں کی شکل میں پیدا کر کے ان کی نسل کا
انتظام کر دیا ہے تو فرمایا ہم نے زمین میں ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے۔

ان معروف جوڑوں کے علاوہ بعض غیر مرئی جوڑے بھی اللہ نے بنائے ہیں
نیکی اور بدی، معروف اور منکر، اندھیرا اور اجالا سب جوڑے ہی تو ہیں۔ ہر چیز اپنی
ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ چنانچہ نیکی کی پہچان بدی سے اور روشنی کی پہچان اندھیرے
کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جس طرح اللہ نے
ان سب چیزوں کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے اسی طرح مرنے کے بعد انسانوں کو دوبارہ
بھی زندہ کرے گا۔ وہ ذات خداوندی ہر عیب، نقص اور شرک سے پاک ہے
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الطور-۴۳) اللہ تعالیٰ ہر کمزوری

سے منزہ ہے، وہ ذات ان تمام چیزوں سے بلند و برتر ہے۔

رات دن کا تغیر و تبدل

آگے اللہ نے اپنی قدرت کی ایک اور نشانی بیان فرمائی ہے وَاٰیَةٌ لَّھُمُ الَّیْلُ رات بھی ان لوگوں کے لیے بطور ایک نشانِ قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے رات اور دن کا ایسا نظام قائم کر رکھا ہے کہ جب انسان دن بھر کی مشقت سے تھک جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ رات کو لے آتے ہیں تاکہ وہ اس دوران میں آرام کر کے اپنی تحلیل شدہ قویٰ بحال کر سکیں۔ چنانچہ جب لوگ آرام کرنا چاہتے ہیں تو فرمایا نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ تو ہم اس رات کو دن سے کھینچ لیتے ہیں۔ جیسے دن کے بعد رات چھا جاتی ہے فَاِذَا ھُمْ مُّظْلِمُوْنَ تو اچانک لوگ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کا نظام خاص تناسب کے ساتھ قائم کر رکھا ہے۔ سورۃ الفرقان میں ہے وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً (آیت - ۶۲) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا بنایا ہے۔ اللہ کے شکر گزار بندے دونوں اوقات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اگر کوئی دن کے وقت غلطی ہو جاتی ہے۔ تو رات کو معافی مانگ لیتے ہیں، اور اگر رات میں کوئی کوتاہی ہوئی تو اس کی تلافی دن کے وقت کر لیتے ہیں۔ الغرض! رات اور دن اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جن میں غور و فکر کر کے انسان اللہ کی وحدانیت کو پہچان سکتے ہیں۔

سورج اور چاند کی گردش

جس طرح رات اور دن کا نہایت موزوں نظام قائم ہے، اسی طرح فرمایا، وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّھَا اور سورج بھی اپنے مستقر یعنی ٹھہرائے ہوئے راستے پر چل رہا ہے۔ اگر مستقر سے مراد مستقر زمانی ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ سورج اپنے مقررہ وقت تک محوِ سفر ہے اور قیامت کو اپنے مستقر پر پہنچ کر ختم ہو جائے گا۔ اللہ کا فرمان ہے اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ (التکویر - ۱) جب سورج بے نور کر دیا جائے گا، یہ اس وقت تک اپنی رفتار سے چلتا رہے گا۔ اور اگر مستقر سے مراد مستقر مکانی ہو تو معنی یہ ہوگا کہ سورج اپنے مدار میں مقررہ رفتار سے سفر کر رہا ہے

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سورج اپنی منزل کی طرف چلتا رہتا ہے اور ہر رات[1] عرش عظیم کے نیچے بارگاہِ رب العزت میں سجدہ ریز ہوتا ہے، اور اپنی رفتار کو جاری رکھنے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملتی ہے اور وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہتا ہے، پھر ایک دن آئے گا کہ حسب معمول سورج شرق [illegible] سے اپنے سفر کے تسلسل کی اجازت طلب کریگا تو حکم ہوگا کہ اپنی حرکت کو معکوس کرلو، چنانچہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا، اور دوپہر تک کا وقت [illegible] لگا۔ لوگوں میں دہشت پیدا ہو جائے گی اور خوف کے مارے ایمان کا اقرار کریں گے۔ مگر اس وقت کا ایمان قابلِ قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی کوئی نیکی قبول ہوگی۔

بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جب سورج اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی رفتار روک کر ہی ایسا کرتا ہوگا، جس کی وجہ سے اس کے معمول میں فرق آنا لازمی ہے مگر ایسا نہیں ہوتا اور آج تک سورج کی رفتار میں سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے برابر بھی فرق نہیں آیا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے جواب میں مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ سورج کی سجدہ ریزی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص خواب میں کوئی ایک سا کام انجام دیتا ہے مگر جسم میں اس کے دل کی حرکت اور اس کے ساتھ زندگی کا تعلق برابر قائم رہتا ہے اور اس میں سرِ مو فرق نہیں آتا۔ اسی طرح سورج بھی اپنے کام میں خلل ڈالے بغیر اللہ تعالیٰ کو ہر رات سجدہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور بعض دیگر صاحبِ علم و حکمت حضرات فرماتے ہیں کہ سورج اپنے[2] سفر کے دوران ہر لمحہ سفر کے تسلسل کی اجازت طلب کرتا ہے اور بغیر اجازت ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھتا۔ فرماتے ہیں کہ اسی عادتِ طلبی کا نام ہی سجدہ ہے جس کا ذکر

---

[1] ابن کثیر ص۵۱۹ ج۳ و معالم التنزیل ص۲۰۳ ج۳، و قرطبی ص۵۰ ج۱۵

[2] روح المعانی ص۱۳ ج۲۳ (فیاض)

مذکورہ حدیث میں آیا ہے۔

فلکی نظام پرانے یونانی ماہرین فلکیات سات سیارے سورج، چاند، مریخ، زہرہ، مشتری زحل اور عطارد دریافت کئے تھے مگر موجودہ زمانے کے سائنسدانوں نے دو مزید سیارے نیپچوں اور اورانوس بھی دریافت کر لیے ہیں جس سے ان کی تعداد بڑھ کر نو ہو گئی ہے ان سب کا تعلق نظام شمسی سے ہے اور یہ سارا نظام کہکشاں کا ایک حصہ ہے۔ باریک باریک ستاروں سے مل کر بننے والی سڑکیں کہکشاں کہلاتی ہیں۔ ہر کہکشاں میں کروڑوں بلکہ اربوں ستارے ہوتے ہیں اور پورا نظام شمسی کسی ایک کہکشاں کا جزو ہے۔ اس نظام میں سب سے بڑا سیارہ سورج ہے اور باقی سارے سیارے اس کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ ہماری زمین سے تو اس نظام کا صرف ایک ہی چاند نظر آتا ہے مگر حقیقت میں سورج کے گرد اکتیس چاند محو گردش ہیں۔ زمین سے قریب ترین سیارہ چاند ہے جو یہاں سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے۔ اگر ان دونوں کا درمیانی فاصلہ اس سے زیادہ ہوتا تو وہ فوائد حاصل نہ ہو سکتے جو اس وقت ہو رہے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر چاند اور زمین کا درمیانی فاصلہ صرف پچاس ہزار میل ہوتا تو سمندر سے پانی کی اتنی لہریں اٹھتیں کہ پوری زمین کا کاروبار درہم برہم ہو جاتا کیونکہ اس وقت سمندر میں جو مدو جزر پیدا ہو رہا ہے۔ وہ چاند کی دو لاکھ چالیس ہزار میل کی دوری کے اثرات سے پیدا ہو رہا ہے۔ اگر یہ فاصلہ کم ہو جائے تو چاند کے سمندر پر اثرات کی مقدار بڑھ جائے گی اور پانی پورے کرۂ ارض پر پھیل جائے گا۔

ہماری یہ زمین ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے حرکت کر رہی ہے۔ جس کی وجہ سے رات دن اور مختلف موسم پیدا ہوتے ہیں۔ یہ موزوں ترین رفتار ہے کہ زمین پر بسنے والے جانداروں کے مناسب حال ہے۔ اگر یہی رفتار دس ہزار میل فی گھنٹہ ہو جائے تو دن اور رات صرف سوا سوا گھنٹے کے رہ جائیں۔ اور ان حالات میں زمین کے باشندوں کا استقرار ختم ہو کر رہ جائے اور وہ کوئی کام نہ کر سکیں۔ اس کے برخلاف اگر زمین کی رفتار صرف ایک سو میل فی گھنٹہ تک کم

ہوجائے تو ایک سو بیس[120] گھنٹے کا دن اور اتنی لمبی ہی رات ہوجائے۔ ظاہر ہے کہ اتنا لمبا عرصہ سورج کی تپش سے زندگی گذارنا مشکل ہوجاتا۔ اور رات اتنی لمبی ہوتی کہ جانداروں کو منجمد کر کے رکھ دیتی اور زندگی کا سارا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے زمین اور دیگر سیاروں کی رفتار اس طریقے پر مقرر کی ہے۔ جو جانداروں کی زندگی کے لیے موزوں ترین ہے۔

فضا میں نظر آنے والے ستاروں کی تعداد اربوں اور کھربوں تک ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ مدار میں مقررہ رفتار سے چل رہے ہیں۔ اس زمین پر تو ٹریفک میں ذراسی بے قاعدگی ہوجائے تو بے شمار گاڑیاں آپس میں ٹکرا جاتی ہیں۔ مگر ستاروں اور سیاروں کا اتنا بہترین نظام اللہ نے قائم کیا ہے کہ ہر ستارہ اور سیارہ چل رہا ہے مگر آج تک کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ جب تک اللہ کو منظور ہے۔ یہ نظام چلتا رہے گا اور جب وہ چاہے گا اس کو ختم کر کے عالم بالا کا نظام لے آئے گا۔

فرمایا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ یہ غالب اور علم والے خدا کا ٹھہرایا ہوا اندازہ ہے جس کے مطابق یہ سارا نظام کام کر رہا ہے۔ فرمایا وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ سورج کی طرح ہم نے چاند کی بھی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں حتیٰ کہ وہ چلتے چلتے پرانی ٹہنی کی طرح دبلا پتلا ہوجاتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے پورا چاند ہوجاتا ہے اور اس کے بعد پھر گھٹتے گھٹتے باریک سی شاخ کے مانند ہوجاتا ہے۔ فرمایا سورج اور چاند کا یہ نظام اس طریقے سے مقرر کیا گیا ہے لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ کہ سورج چاند کو نہیں پہنچ سکتا وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے بلکہ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں چل رہا ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں[1] کہ

---

[1] موضح القرآن صفحہ ۵۳۰ (فیاض)

بطلیموس کا یہ نظریہ غلط ہے کہ چاند دوسرے آسمان پر ہے، اور سورج چوتھے آسمان پر، بلکہ یہ سارے سیارے آسمانوں سے نیچے فضا میں تیر رہے ہیں۔ یہاں پر فلک سے مراد آسمان نہیں بلکہ مدار مراد ہے جس میں یہ سارے گردش کر رہے ہیں۔

وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ
الْمَشْحُونِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا
يَرْكَبُونَ ﴿٤٢﴾ وَإِن نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ
لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنقَذُونَ ﴿٤٣﴾ إِلَّا رَحْمَةً
مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿٤٤﴾ وَإِذَا قِيلَ
لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا
خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٤٥﴾ وَمَا تَأْتِيهِم
مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا
مُعْرِضِينَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ
آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ
إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٤٧﴾ وَيَقُولُونَ
مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾
مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ
وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ

تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ۝٥٠ ع

ترجمہ:۔ اور ایک نشانی ان کے لیے یہ ہے کہ بیشک ہم نے اٹھایا ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں (۴۱) اور ہم نے پیدا کیں ان کے لیے اس جیسی چیزیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں (۴۲) اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں، پس کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہ ہو، اور نہ ہی یہ چھڑائے جائیں (۴۳) مگر مہربانی ہے ہماری طرف سے، اور فائدہ اٹھانے کا سامان ایک وقت تک (۴۴) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بچو اس چیز سے جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے، تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۴۵) اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر اس سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں (۴۶) اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خرچ کرو اس میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی ہے تو کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے، کیا ہم کھلائیں اس کو کہ اگر اللہ چاہتا تو اسے خود کھلاتا، نہیں ہو تم مگر کھلی گمراہی میں (۴۷) اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو (۴۸) نہیں انتظار کرتے یہ مگر ایک ہی چیخ کا جو پکڑ لے گی ان کو اور یہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے (۴۹) پس نہ طاقت رکھیں گے یہ وصیت کرنے کی، اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر آسکیں گے (۵۰)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں کو ذکر کیا۔ ان چیزوں سے وقوعِ قیامت پر بھی دلیل قائم ہوتی ہے اور اللہ کی وحدانیت بھی سمجھ میں آتی ہے۔ تمام شیئوں کو پیدا کرنے والا صرف اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے۔ اللہ نے سورج اور چاند کو ذکر کیا۔ ہر چیز کے جفت جفت جوڑے بنانے کا تذکرہ کیا جن میں انسان، جانور اور نباتات وغیرہ سب شامل ہیں۔ اور یہ ساری نشانیاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔

کشتی بطور نشانِ قدرت

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ نے کشتی کو اپنی قدرت کی نشانی کے طور پر شمار کیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اور ان کے لیے ایک نشانی یہ بھی ہے اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اس کشتی سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے جو آپ نے اللہ کے اس حکم کی تعمیل میں بنائی وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا (ھود - ۳۷) ہمارے حکم اور ہماری وحی سے کشتی بناؤ۔ چنانچہ اللہ کے حکم کے مطابق نوح علیہ السلام نے بہت بڑی تین منزلہ کشتی تیار کی جس میں انسان اور جانور سوار ہوئے اور اس طرح یہ کشتی بھری گئی جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ ذریت کا لفظ عربی زبان میں اولاد و نسل کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ تاہم بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ لفظ ذریت اضداد میں سے ہے اور اس کا معنی اولاد بھی ہے اور آباؤ اجداد بھی۔ اگر یہ دوسرا معنی کیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان کے آباؤ اجداد کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ یہ معنی بھی درست ہے کہ اس وقت زمین پر آباد تمام لوگ انہی کشتی والوں کی اولاد ہیں۔ اور موجودہ نسل انسانی کے آباؤ اجداد وہی کشتی والے لوگ ہیں۔ کشتی نوح اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے کہ اسی کے ذریعے اللہ نے نسل انسانی کا انتظام کیا۔

لہ روح المعانی ص ۳۶ ج ۲۳ و تفسیر ابن کثیر ص ۵۷۰ ج ۳ و تفسیر کبیر ص ۲۲۰ ج ۲۶ (فیاض)

ذرائع نقل و حمل کی ترقی

فرمایا ایک تو یہ کہ کشتی بنائی وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ
اور ہم نے ان کے لیے اس جیسی دیگر چیزیں بھی تخلیق کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔
کشتی اور دیگر سواری کی چیزوں کی تخلیق کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اگرچہ
بظاہر ہر مصنوع انسانی ہاتھوں کی تیار کردہ ہے، مگر فی الحقیقت یہ اللہ تعالیٰ ہی
کا فعل ہے جس نے انسان کو عقل، فہم اور غور و فکر کی صلاحیت بخشی اور پھر ہر مصنوع کی
صنعت کے لیے وسائل مہیا کیے ہیں۔ اس کی مثال سورۃ النحل میں بھی ملتی ہے۔
جہاں اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر جیسی سواریوں کا ذکر کر کے فرمایا وَيَخْلُقُ
مَا لَا تَعْلَمُونَ (آیت - ۸) اللہ تعالیٰ ایسی ایسی سواریاں پیدا کرتا ہے۔
آئندہ زمانے میں کرے گا جنہیں تم نہیں جانتے۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ کہ
ذریعہ نقل و حمل کا ابتدا میں کشتی سے ہوئی، وہ کشتی ترقی کر چکی ہے۔ پہلے عام کشتیاں
سمندروں اور دریاؤں میں چلتی تھیں، پھر بادبانی کشتیاں معرض وجود میں آئیں۔ پھر
بھاپ سے چلنے والے سٹیمر بنے اور آج تیل سے چلنے والے لاکھوں ٹن وزنی
جہاز سمندر کی سطح پر رواں دواں ہیں۔ انہی جہازوں کی بدولت ہر روز مسافر اور
لاکھوں ٹن وزنی سامان ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ یہی
نہیں بلکہ جنگی نقطہ نظر سے طیارہ بردار جہاز تک معرض وجود میں آ چکے ہیں جن پر سینکڑوں
طیارے اتر سکتے اور پرواز کر سکتے ہیں۔ سمندر کی تہہ میں چلنے والی آبدوزیں بھی بنائی
جا چکی ہیں مگر اب قریباً ایٹمی طاقت سے چلنے لگی ہیں۔ یہ سب کچھ کشتی کی ترقی یافتہ
صورتیں ہیں جس کا بیان ذکر ہو رہا ہے۔

سمندروں کے علاوہ خشکی پر چلنے والی لاتعداد سواریاں بھی ایجاد ہو چکی ہیں۔ ان میں جانوروں
سے کھینچی جانے والی سواریوں کے علاوہ خود کار سائیکل، موٹر سائیکل، اریل کار، ٹرک، ریل
اور بجلی سے چلنے والی گاڑیاں وغیرہ اس وقت انسانی استعمال میں ہیں۔ ہوا میں اڑنے والے
ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر ہیں جو ہم فضا میں اڑتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ یہ نقل و حمل کے
ذرائع میں سے تیز ترین ذریعہ ہیں اور ان کی وجہ سے پوری دنیا سمٹ کر رہ گئی ہے۔

علاوہ ازیں اب تو زمین کی فضائی حدود سے پرے راکٹ سیاروں تک کے سفر کی پروازیں ہو رہی ہیں، بڑے بڑے راکٹوں اور فضائی طیاروں کی مدد سے سامان چاند تک پہنچ چکے ہیں اور آگے مریخ تک پہنچنے کے پروگرام بن رہے ہیں۔ علاوہ گذشتہ ایک صدی میں دیگر صنعت و تجارت کی طرح ذرائع نقل و حمل میں بھی بے تحاشا ترقی ہوئی ہے۔ یہ سب کچھ نوح علیہ السلام کی اولین کشتی کی ترقی یافتہ صورتیں ہیں۔

زمین پر بڑھتی ہوئی ٹریفک اور اس سے خارج ہونے والے دھوئیں اور اسی طرح کارخانوں کی چمنیوں سے نکلنے والے زہریلے مادہ نے ماحول کی آلودگی کا نیا مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ ابھی دو سال کی بات ہے کہ بھوپال کی ایک فیکٹری میں گیس کا منبع پھٹنے سے ہزاروں آدمی متاثر ہوئے اور سینکڑوں کی تعداد میں موت کی آغوش میں چلے گئے۔ روس میں ایٹمی تابکاری کے اسٹیشن پھٹنے سے سینکڑوں آدمی ہلاک ہو گئے۔ اسی وجہ سے اب سائنس دان یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ماحول میں آلودگی پیدا کرنے والی صنعت کو زمین سے اٹھا کر خلا میں قائم کر دیا جائے۔ تاکہ لوگ کیمیائی مادوں کے نقصان سے بچ سکیں۔ بہرحال یہ ساری سواریاں اللہ کی قدرت کے نمونے ہیں جن کی طرف اس آیت میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

حفاظت خداوندی بحکمت الٰہی

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ "اگر ہم چاہیں تو کشتیوں کو ان کے سواروں کے سمیت دریاؤں میں غرق کر دیں۔ دنیا میں آئے دن بحری سفر کے حادثات پیش آتے رہتے ہیں۔ چھوٹی کشتیوں کے علاوہ بعض بڑے بڑے جہاز بھی کسی حادثہ کا شکار ہو کر ڈوب جاتے ہیں۔ کبھی کسی چٹان سے ٹکرا جاتا ہے، کبھی طوفان ہوتا ہے اور کبھی دو جہاز آپس میں ٹکرا گئے۔ بعض اوقات آگ لگ جاتی ہے اور کشتی یا جہاز ڈوب جاتا ہے۔ فرمایا اگر ہم کسی کو غرق کرنا چاہیں فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ تو ان کی فریاد کو پہنچنے والا کوئی نہ ہو۔ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ اور نہ ہی وہ چھڑائے جا سکیں۔ بھلا اللہ کی مشیت کے بغیر کون کسی کی مدد کر سکتا ہے اور مصیبت سے نجات دلا سکتا ہے؟ اس سے توحید کا مسئلہ بھی سمجھ میں آتا ہے، تم مصیبت کے وقت اللہ کو ہی پکارو۔

کسی جن، فرشتے، زندہ یا مردہ انسان کو پکارو، کوئی بھی تمھیں موت کے منہ سے نہیں بچا سکتا۔ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا ہماری مہربانی کے سوا کوئی نہیں بچ سکتا۔ جب ہم کسی کو بچانا چاہتے ہیں تو پھر اُس کے لیے مافوق الاسباب سامان بھی مہیا کر دیتے ہیں۔ فرمایا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ پھر ہم ایک مقررہ وقت تک فائدہ اٹھانے کی مہلت دے دیتے ہیں۔ اللہ نے ہر مخلوق کو ایک مقررہ وقت تک زندگی عطا کی ہے جس کے دوران وہ اس دنیا کی نعمتوں سے مستفید ہوتی رہتی ہے۔ پھر جب وہ وقت آجاتا ہے تو تمام اسباب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں اور انسان ختم ہو جاتے ہیں۔ بہرحال ہر جاندار کی زندگی اللہ کی رحمت کی محتاج ہے۔

جرم کی کا ازالہ

ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ڈرو اس چیز سے مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ جو تمھارے آگے ہے اور جو تمھارے پیچھے ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے آگے سے مراد یہ ہے کہ تمھاری آخرت آنے والی ہے۔ پھر قیامت برپا ہوگی، اور حشر کا میدان قائم ہوگا۔ پھر وہاں حساب کتاب کی منزل آئے گی اور ہر ایک کے متعلق فیصلے ہوں گے، اس سانحے عظیم سے ذرا جاؤ اور آنے والے وقت کے لیے تیاری کر لو۔ پیچھے رہ جانے والی دنیا ہے، یہاں پر جو اعمال چھوڑے ہیں ان کو بھی وصیات میں لاؤ کہ اس دنیا میں رہ کر کیا کرتے رہے اور پھر سوچ کر ان عقائد و اعمال کا کیا نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اگر پیچھے بُرے اعمال چھوڑے ہیں تو ظاہر ہے کہ آخرت میں ان کا وبال بھی پڑے گا، لہٰذا اب وقت ہے، کہ آنے والے وقت سے ڈر جاؤ۔

لوگوں کی اکثریت پر افسوس ہے کہ وہ نہ تو نشانات قدرت میں غور و فکر کرتے ہیں اور نہ ہی نجات کے لیے کوئی حیلہ کرتے ہیں۔ بلکہ فرمایا وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے مگر وہ اس سے

کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ جو بھی کوئی دلیل، معجزہ یا حکم اللہ کی طرف سے آتا ہے یہ اس میں غور و فکر کرنے کی بجائے اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ظاہر ہے ان فرائض میں توحید و رسالت کی بات ہوتی ہے، وقوع قیامت اور محاسبہ اعمال کی بات بھی ہوتی ہے مگر یہ سب چیزیں ان کے مزاج کے خلاف پڑتی ہیں، لہٰذا یہ ان سے کنی کتراجاتے ہیں۔ اللہ نے ان کی غفلت کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

اللہ نے ان نابکاروں کی ایک یہ خصلت بھی بیان فرمائی ہے وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی عطا کردہ روزی میں سے خرچ کرو، یعنی غریبوں، محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں کا حق ادا کرو قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ کیا ہم ایسے شخص کو کھلائیں جس کو اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو محتاج رکھنا ہی پسند کیا ہے، تو ہم ان پر خرچ کر کے اللہ کی منشاء کے خلاف کام کیوں کریں؟ مشرکین مکہ بھی یہی فلسفہ بیان کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضہ جب محتاجوں کی اعانت کرتے تو بعض مشرک کہتے کہ تم ان محتاجوں پر کیوں خرچ کرتے ہو؟ آپ جواب دیتے کہ میرے مال میں اللہ نے ان کا حق بھی رکھا ہے، لہٰذا میں خرچ کرتا رہوں گا۔ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (المعارج ۲۴-۲۵) اللہ نے نیک لوگوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ انہیں اپنے مال میں سائلین اور محتاجوں کے حقوق معلوم ہیں لہٰذا وہ ان پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔ کہتے تھے إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ تم تو صریح گمراہی میں ہو، جو اپنا مال ان ناداروں پر خرچ کرتے ہو جنہیں اللہ بھوکا رکھنا چاہتا ہے۔

تقسیم رزق کی حکمت

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں رزق کی تقسیم ایک خاص حکمت کے تحت کرتا ہے، کسی کو کم دیتا ہے، کسی کو مناسب حال اور کسی کو ضرورت سے زیادہ البتہ

وہ کسی کو بالواسطہ عطا کرتا ہے اور کسی کو بلاواسطہ ۔ اغنیاء کو بلاواسطے کر حکم دیتا ہے کہ اس میں سے محتاجوں کی مدد بھی کرو ۔ اب امیر آدمی کے مال میں سے زکوٰۃ صدقات کی صورت میں جو غریب آدمی کو پہنچے وہ بالواسطہ ہوگیا ۔ اور یہ سب بھی اللہ ہی کی عطا ۔ البتہ مال میں کمی بیشی میں ، اللہ کی حکمت یہ ہے کہ وہ مال سے کر بھی آزماتا ہے اور اس سے محروم کر کے بھی آزمائش میں ڈالتا ہے ۔ سورۃ الانبیاء میں ہے ۔ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (آیت ٣٥) ہم تمہیں برائی اور بھلائی ہر دو طریقوں سے آزماتے ہیں ۔ وہ اغنیاء کو مال دے کر آزماتا ہے کہ وہ اس کے حقوق کس حد تک پورے کرتے ہیں ۔ اور غرباء کو محروم کر کے آزماتا ہے کہ وہ کس حد تک صبر کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کیا وہ رزق حلال کی تلاش میں نکلتے ہیں یا چوری ، ڈاکہ اور دھوکہ دہی کا پیشہ اختیار کرتے ہیں ۔ بعض لوگوں کو امیر اور بعض کو غریب بنانے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مخلوق کی معیشت کا دارومدار اسی قسم کی تقسیم پر ہے ۔ اگر سب کے سب امیر ہی ہوتے تو پھر مزدوری کون کرتا ، کاشتکاری کون کرتا اور کارخانے کیسے چلتے ۔ اسی طرح اگر سارے کے سارے محتاج ہی ہوتے تو وہ اپنی احتیاج کس سے پوری کرتے ؟ اس طرح بھی تمدن کا نظام قائم نہیں رہ سکتا ۔ چنانچہ اللہ نے کسی کو کارخانے دار ، اور کسی کو مزدور بنایا ، کسی کو زمین کا مالک اور کسی کو کسان بنایا ، اور اس طرح دنیا کے تمدن کی گاڑی چل رہی ہے ۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ کے الفاظ مشرکین کا نظریہ نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے بندوں پر واضح کرنا چاہتا ہے کہ تم کیسی گمراہی کی باتیں کرتے ہو ۔ حقیقت میں رازق تو ہر مخلوق کا اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے روزی رسانی کے مختلف ذرائع مقرر کر رکھے ہیں جن کے واسطے سے ہر ایک کو اس کے حصے کا رزق پہنچا رہا ہے ۔ تم اس کی حکمت کو نہیں جانتے ۔

۱ـ روح المعانی ص ۳۳ ج ۲۳ والسراج المنیر ص ۳۵۲ ج ۳ وکبیر ص ۹۶ ج ۲۶ (فیاض)

وقوعِ قیامت کا وعدہ

بعض لوگ ازراہِ تعصب اور عناد کہتے تھے وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو بتلاؤ کہ قیامت اور محاسبۂ اعمال کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی حماقت کی وجہ سے اس قسم کے سوال کر رہے ہیں۔ جب ہمارا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا، تو ان کو گھڑی بھر بھی مہلت نہیں دی جائے گی۔ فرمایا مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر ایک ہی چیخ کا تَاْخُذُهُمْ جو ان کو پکڑ لے گی وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ اس حالت میں کہ یہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔ فرمایا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دلائل میں غور و فکر کرنے کی بجائے تعصب اور عناد کی بنا پر غرور و تکبر کی بات کرتے ہیں اور اس طرح یعنی سوال کرتے ہیں۔ جب ہماری گرفت آئے گی، تو پھر کسی لمبے چوڑے لشکر کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ ان کے لیے ایک چیخ ہی کافی ہے جو ان کا کام تمام کر دے گی۔ گزشتہ آیات میں حبیب نجار کا واقعہ بھی بیان ہو چکا ہے اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ (آیت ۲۹) فرشتے نے ایک ہی چیخ ماری تو وہ نافرمان اس طرح ملیامیٹ ہو گئے جس طرح جلتے ہوئے کوئلے پانی ڈالنے سے بجھ جاتے ہیں۔

فرمایا جب خدا تعالیٰ کی گرفت آئے گی تو پھر کسی کو سنبھلنے کا موقع نہیں فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً پھر نہ تو وہ کوئی وصیت ہی کر سکتے ہیں کہ میرے بعد فلاں کام اس طرح کر لینا یا میرے مال کو اس طرح صرف کرنا بلکہ اتنا تو موقع نہیں ملے گا وَلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ اور نہ ہی دوڑ کر اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آ سکتے ہیں کہاں سے کوئی بات ہی کریں کوئی شخص بازار میں ہو یا مکان میں، کھیت میں ہو یا کارخانے میں، دفتر میں ہو یا سفر کر رہا ہو، جہاں کہیں بھی ہوتا ہے، اللہ کی گرفت وہیں آجاتی ہے۔ اور انہیں ذرہ بھر بھی مہلت نہیں ملتی۔ فرمایا قیامت کے متعلق پوچھ کر یہ لوگ ایسے اچانک وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ
اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿٥١﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا
مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ
الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٢﴾ اِنْ كَانَتْ
اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا
مُحْضَرُوْنَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا
وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٤﴾
اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ
فٰكِهُوْنَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ
ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيْهَا
فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿٥٧﴾ سَلٰمٌ ۣ قَوْلًا
مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا
الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٩﴾

ترجمہ: اور پھونکا جائے گا صور میں، پس اچانک وہ
لوگ قبروں سے اٹھ کر اپنے پروردگار کی طرف دوڑیں
گے ﴿٥١﴾ کہیں گے، افسوس ہمارا، کس نے اٹھایا ہمیں

ہماری خواب گاہوں سے ۔ یہ وہ چیز ہے جو وعدہ لیا ہے
خدائے رحمان نے اور سچ کہا ہے اس کے رسولوں نے (۵۲)
نہیں ہے مگر ایک ہی چیخ اچانک وہ سب کے سب
ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے (۵۳) پس آج نہیں
ظلم کیا جائے گا کسی نفس پر کچھ بھی ۔ اور نہیں بدلہ
دیا جائے گا تم کو مگر وہ جو تم عمل کرتے تھے (۵۴) بیشک
جنت والے لوگ آج کے دن مشغلے میں ہوں گے ، اور آپس
میں باتیں کر رہے ہونگے (۵۵) وہ اور اُن کی بیویاں سایوں
میں تختوں پر تکیے لگانے والے ہوں گے (۵۶) اُن کے
لیے اُن میں پھل ہوں گے اور اُن کے لیے ہر وہ چیز
ہو گی جو وہ طلب کریں گے (۵۷) اور سلام ہو گا ، ایک
بات رب رحیم کی طرف سے (۵۸) اور حکم ہو گا الگ
ہو جاؤ آج کے دن اے گنہگارو! (۵۹)

ربطِ آیات

اپنی آیاتِ قدرت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی مذمت بیان فرمائی اور یہ بھی کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آگے پیش آنے والے حالات کے لیے کچھ تیاری کر لو ، اور جو اعمال پیچھے چھوڑ آئے ہو اُن کے متعلق بھی غور و فکر کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے تو یہ لوگ نشاناتِ قدرت دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے بلکہ الٹا اعتراض کرنے لگتے ہیں ۔ پھر اللہ نے اُن میں سے مالداروں کی حالت کا ذکر بھی کیا کہ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی عطا کردہ روزی میں سے غرباء اور مساکین پر بھی خرچ کرو تو کہتے ہیں کہ جن کو خود خدا تعالیٰ محروم رکھنا چاہتا ہے یعنی ان کو نادار بنایا ہے ، بھلا ہم اُن کی اعانت کریں ۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ تو نہایت ہی گمراہی کی بات ہے ، بلاشبہ ہر جاندار کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہی ہے ۔ مگر یہ اُس کا طریقِ کار ہے کہ کسی کو بلاواسطہ روزی پہنچاتا ہے اور کسی کو بالواسطہ وہ ان محتاجوں

کو مالداروں کے واسطے سے روزی پہنچانا چاہتا ہے مگر یہ ملنے والے اس کا حق ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ نیز اللہ نے یہ فرمایا کہ وہ ہر ایک کی آزمائش کرتا ہے، کسی کو مال و دولت دے کر آزماتا ہے اور کسی کو محروم رکھ کر آزمائش میں ڈالتا ہے۔ پھر اللہ نے قیامت کا ذکر بھی کیا کہ کافر لوگ جس کا تمسخر اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر واقعی قیامت آنے والی ہے اور محاسبہ اعمال ہونے والا ہے تو وہ قیامت آ کیوں نہیں جاتی۔ اللہ نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ قیامت بھی اپنے مقررہ وقت پر ہی آئے گی۔ جب وہ وارد ہو جائیگی تو پھر کسی کو ایک گھڑی بھر بھی مہلت نہیں ملے گی۔ نہ کوئی شخص کوئی وصیت کر سکے گا اور نہ ہی اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ سکے گا کہ ان کے ساتھ کوئی بات چیت ہی کر لے۔ بلکہ جس مقام پر جو ہوگا وہیں اس کو ختم کر دیا جائے گا۔

وقوع قیامت اور بعث

ب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے وقوع قیامت اور لوگوں کی بعث کے متعلق بعض حالات ذکر کیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ اور صور میں پھونکا جائے گا۔ وقوع قیامت کا عمل صور پھونکنے سے ہوگا۔ اللہ کا ایک فرشتہ اسرافیل سینگ کی شکل کا ایک بگل تھامے کھڑا ہے اور منتظر ہے کہ کب اللہ کا حکم ہو تو وہ اس صور میں پھونک مارے۔ جب یہ صور پھونکا جائے گا تو اس سے سارے جاندار ہلاک ہو جائیں گے۔ قرآن پاک میں یہ بھی موجود ہے کہ صور دو دفعہ پھونکا جائے گا۔ اور دونوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔ جب پہلی دفعہ صور پھونکا جائے گا تو ہر چیز فنا ہو جائیگی، پھر چالیس سال کے بعد جب دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو تمام لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور میدان حشر میں اپنے رب کے حضور پیش ہو جائیں گے۔ اس مقام پر اسی دوسرے صور پھونکنے کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ

ل ترمذی ص۴۹۸ ۲ ۔ مسلم ص۴۰۶ ج۲ و بخاری ص۷۳۵ ج۲ (فیاض)

بالفت، یَنْسِلُوْنَ تو ایک سب لوگ قبروں سے اٹھ کر اپنے رب کی طرف دوڑتے ہوئے جائیں گے، جس طرف سے آواز آ رہی ہوگی۔ کسی طرف دوڑتے چلے جائیں گے۔ سورۃ المعارج میں ہے کہ اس تیزی کے ساتھ دوڑیں گے کَاَنَّهُمْ اِلٰی نُصُبٍ یُّوْفِضُوْنَ (آیت ۴۳) جیسے شکاری شکار کے جال کی طرف یا تیر نشانے کی طرف تیزی سے جاتا ہے۔ اس وقت ساری مخلوق سخت پریشانی میں مبتلا ہوگی۔ قرآن میں اس کی تفصیلات موجود ہیں کہ سخت دھوپ، اس کی تپش، ننگے پن کا شدید احتیاج اور بھوک پیاس کی شدت ہوگی، لوگ سخت گھبراہٹ کے عالم میں ہوں گے۔

اور اس وقت قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا کہیں گے، اے افسوس! ہماری خواب گاہوں سے ہمیں کس نے اٹھا دیا۔ مرقد لیٹنے یا آرام کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ صور پھونکے جانے کے بعد سب لوگ اچانک اٹھ کھڑے ہوں گے گویا وہ اپنے آرام میں خلل تصور کریں گے۔ یہاں پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ قبر کی زندگی برزخی زندگی ہے جس میں ہر نیک و بد کو جزا اور سزا کا احساس بھی ہوتا رہتا ہے مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب لوگ مکمل آرام کی حالت میں ہوں گے اور دوسرے صور پھونکے سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ مرنے کے بعد برزخ کی جزا یا سزا آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کے عقیدے میں داخل ہے۔ یہ جزا یا سزا محض تمہید کے طور پر ہوگی جب کہ حقیقی جزا یا سزا میدان حشر میں حساب عمل کا فیصلہ ہونے کے بعد شروع ہوگی۔ مفسرین کرام اس اشکال کو دو طریقے سے رفع کرتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ فرماتے ہیں کہ پہلے صور پھونکے جانے کے بعد دوسرے صور تک چالیس سال کے عرصہ میں کوئی ثواب یا عذاب نہیں ہوگا۔ گویا اس دوران سزا موقوف رہے گی پھر جب لوگ دوبارہ اٹھیں

لہ روح المعانی ص ۳۳ ج ۲۳ و مظہری ص ۹۸ ج ۸ (فیاض)

گے تو محسوس کریں گے کہ وہ تو آرام سے سوئے ہوئے تھے۔ یہ کس نے ہلا کر ان کے آرام میں خلل ڈالا۔

مفسرین کرام اس کی دوسری توجیہہ یہ بیان کرتے ہیں کہ برزخ کی سزا تو معمولی حیثیت کی ہوگی، پھر جب وہ دوبارہ اٹھ کر حشر کی تلخی کو دیکھیں گے تو وہ برزخ کی سزا کو بھول جائیں گے۔ گویا انہیں کوئی سزا ہی نہیں تھی، لہٰذا وہ کہیں گے کہ ہمیں خواب گاہوں سے کس نے جگا دیا، ہم تو آرام سے سوئے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ یہی وہ چیز ہے جس کا وعدہ خدائے رحمان نے کیا تھا اور جس کے متعلق خدا کے رسولوں نے سچ فرمایا تھا کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جب تم سب قبروں سے دوبارہ اٹھائے جاؤ گے، پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی اور ہر ایک کو اپنے اپنے کیے کا بدلہ چکھنا پڑے گا۔ پھر یہ ہوگا اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً ایک ہی آواز آئے گی فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ پس اچانک سارے کے سب ہمارے پاس حاضر کر دیے جائیں گے صور پھونکنے کی دیر ہے کہ ہر شخص سرپٹ بھاگ اللہ کے سامنے پیش ہوگا پھر ہر عمل کا حساب ہوگا اور جزا یا سزا کے فیصلے ہوں گے۔ کوئی شخص ادھر ادھر بھاگ نہیں سکے گا۔ دنیا میں تو مجرم روپوش یا مفرور بھی ہو جاتے ہیں مگر وہاں کوئی ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکے گا جب تک کہ اس کا فیصلہ نہ ہو جائے۔

جزائے عمل

فرمایا فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا اس دن کسی جان پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں ہوگی، بلکہ ہر فرد کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ اس دن کسی کی ذرہ برابر بھی کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی، اور نہ ہی کسی برائی کی چھوٹ ہوگی بلکہ سب کو مکمل جزا یا سزا مل کر رہے گی۔ وَلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

اور تمہیں صرف تمہارے کردہ اعمال کا ہی بدلہ دیا جائے گا۔

گنہگار کی سزا کے بعد نیکوکاروں کی جزا کے متعلق فرمایا اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِىْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ جب مومن اور کافر دونوں گروہوں کے حق میں جنت کا فیصلہ ہوگا۔ وہ شغلے میں ہوں گے اور آپس میں خوشی خوشی باتیں کریں گے انہیں ہر قسم کا اطمینان حاصل ہوگا، اور تمام ناگوار اور ناپسندیدہ چیزیں ان سے ہٹا دی جائیں گی۔ پھر ان کو نہ کوئی جسمانی اذیت پہنچے گی اور نہ روحانی کوفت ہوگی۔ هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِىْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ وہ اور ان کی بیویاں تختوں پر ٹیک لگائے سایوں میں بیٹھے ہوں گے۔ اریکہ کا معنی تخت، پلنگ، مسہری یا آج کی اصطلاح میں صوفہ سیٹ بھی کہہ سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جنتی لوگ جنت میں نہایت آرام و سکون کے ساتھ اپنی پسند کی اعلیٰ جگہوں پر بیٹھیں گے۔ بڑا خوشگوار ماحول ہوگا اور وہ آپس میں خوشی خوشی باتیں کریں گے، انہیں ہر قسم کی تفریح میسر ہوگی۔ اور کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وہاں ان کے لیے مختلف الانواع پھل ہوں گے، جن کو وہ استعمال کریں گے۔ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ اور اس کے علاوہ انہیں ہر وہ چیز حاصل ہوگی جس کا مطالبہ کریں گے۔ ان کی خواہشات اور مطالبات بھی نہایت پاکیزہ قسم کے ہوں گے۔ اور کوئی کمزور اور ردی خواہش پیدا ہی نہیں ہوگی۔ بہرحال انہیں منہ مانگی مراد ملے گی ان کو ظاہری و جسمانی لذتوں کے علاوہ ہر قسم کی نفسانی اور روحانی آسائش بھی حاصل ہوگی۔ سورۃ حم سجدہ میں ہے۔ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِىْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (آیت - ۳۱) وہاں ہر وہ چیز ملے گی جس کو دل چاہے گا اور ہر وہ چیز جس کا مطالبہ کیا جائے گا۔

پروردگار کا سلام

ان مادی نعمتوں کے علاوہ فرمایا سَلٰمٌ سلامتی ہوگی قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ یہ پروردگار کی طرف سے قول ہوگا جو کہ نہایت ہی مہربان ہے

اللہ فرمائے گا کہ اے جنت والو! میری طرف سے تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سلامتی نصیب ہو۔ سورۃ النحل میں فرشتوں سے سلام کا ذکر یوں آتا ہے۔ جب فرشتے نیک لوگوں کی روح قبض کرتے ہیں یَقُولُونَ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمُ ادۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ (آیت ۳۲) تو کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو جنت میں داخل ہو جاؤ ان اعمال کے بدلے میں جو تم انجام دیا کرتے تھے پھر جنتی آپس میں بھی ایک دوسرے کے لیے سلامتی کی دعائیں کریں گے۔ سورۃ یونس میں ہے دَعۡوٰىهُمۡ فِيۡهَا سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا سَلٰمٌ (آیت ۱۰) جب جنتی جنت کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے سبحان اللہ اور اُن کی آپس میں دعا السلام علیکم ہوگی۔ لیکن جنت والوں کو سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہوگی کہ اللہ فرمائے گا، میرے بندو! میری طرف سے تم پر ہمیشہ کے لیے سلامتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنتیو! اُحِلُّ عَلَیۡکُمۡ رِضۡوَانِیۡ فَلَا اَسۡخَطُ عَلَیۡکُمۡ بَعۡدَہٗ اَبَدًا میں اپنی رضا اور خوشنودی تم پر اتارتا ہوں، اس کے بعد تم پر کبھی ناراض نہیں ہونگا ہمیشہ خوش ہی رہوں گا۔ یہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہوگی۔[١]

مجرموں کی علیحدگی

پھر حکم ہوگا وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ اَيُّهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ اے گنہگارو! شرک، کفر، بدعات، اور معاصی کا ارتکاب کرنے والو اپنی صف علیحدہ بنالو۔ دنیا میں تو نیک و بد سب ملے جلے تھے مگر آج تم علیحدہ ہو جاؤ کیونکہ تمہارا راستہ نیکوکاروں سے الگ ہے اور تمہارا ٹھکانا بھی مختلف ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے حساب کرے گا۔ یہ نہایت مشکل گھڑی اور پریشانی کا عالم ہوگا۔ اور مجرموں کے لیے بڑی کٹھن منزل ہوگی۔

---

[١]

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا۟
ٱلشَّيْطَٰنَ ۖ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ٦٠ وَأَنِ
ٱعْبُدُونِى ۚ هَٰذَا صِرَٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ ٦١ وَلَقَدْ
أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا۟
تَعْقِلُونَ ٦٢ هَٰذِهِۦ جَهَنَّمُ ٱلَّتِى كُنتُمْ
تُوعَدُونَ ٦٣ ٱصْلَوْهَا ٱلْيَوْمَ بِمَا كُنتُمْ
تَكْفُرُونَ ٦٤ ٱلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰٓ أَفْوَٰهِهِمْ
وَتُكَلِّمُنَآ أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم
بِمَا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ ٦٥ وَلَوْ نَشَآءُ
لَطَمَسْنَا عَلَىٰٓ أَعْيُنِهِمْ فَٱسْتَبَقُوا۟ ٱلصِّرَٰطَ
فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ٦٦ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنَٰهُمْ
عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا ٱسْتَطَٰعُوا۟ مُضِيًّا
وَلَا يَرْجِعُونَ ٦٧ وَمَن نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى
ٱلْخَلْقِ ۚ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ٦٨

ترجمہ:۔ کیا میں نے تم کو نہیں کہہ رکھا تھا اے بنی آدم! کہ نہ عبادت کرنا شیطان کی، بیشک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے (۶۰) اور یہ کہ تم صرف میری عبادت کرنا، یہی سیدھی راہ ہے (۶۱) اور اس نے تحقیق گمراہ کیا تم میں سے بہت سی مخلوق کو، کیا تم اتنی بھی عقل نہیں رکھتے (۶۲) یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا (۶۳) داخل ہو جاؤ اس میں آج کے دن اس کے بدلے میں جو تم کفر کیا کرتے تھے (۶۴) آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے مونہوں پر اور کلام کریں گے ہمارے ساتھ ان کے ہاتھ، اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے (۶۵) اور اگر ہم چاہیں تو مٹا دیں ان کی آنکھوں کو، پس وہ دوڑیں گے راستے کی طرف، پھر کہاں دیکھ سکیں گے؟ (۶۶) اور اگر ہم چاہیں تو مسخ کر دیں ان کی شکلوں کو ان کے ٹھکانے پر ہی، پس نہ طاقت رکھیں وہ چلنے کی اور نہ واپس لوٹ سکیں (۶۷) اور جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں اس کو الٹا کر دیتے ہیں پیدائش میں، کیا یہ لوگ سمجھ نہیں سکتے؟ (۶۸)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی سزا اور روز محشر کا کچھ حال بیان فرمایا تھا۔ جب صور ثانی پھونکا جائے گا تو لوگ اپنی قبروں سے حساب کتاب کے لیے نکلیں گے۔ پھر ہر ایک کا محاسبہ ہوگا۔ ہر شخص کے لیے اس کے عقیدے اور عمل کے مطابق جزا یا سزا کا فیصلہ ہوگا اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ پھر جن لوگوں کے لیے جنت کا فیصلہ ہوگا، وہ نہایت ہی آرام و راحت میں ہوں گے اور انہیں ان کی ہر مطلوبہ چیز

مہیا کی جائے گی۔ اس کے علاوہ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے سلام ہوگا۔ برخلاف اس کے اس روز مجرموں اور گنہگاروں کو حکم ہوگا کہ تم الگ ہو جاؤ اور اپنی علیحدہ صف بناؤ۔ پھر ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

شیطان کی اطاعت

مجرموں کی علیحدہ صف بندی کر دینے کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہو کر فرمائے گا اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اے اولادِ آدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا یعنی تمہیں یہ بات نہیں سمجھائی تھی اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، کیونکہ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ سو اللہ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد پوری اولادِ آدم سے یہ کہہ دیا تھا کہ شیطان سے خبردار رہنا اور اس کے بہکانے میں نہ آنا، یہ تمہیں ورغلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے اللہ نے خصوصی طور پر فرمایا فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى (طٰہٰ) آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ یہ کہیں تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے۔ پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ پھر ساری اولادِ آدم کو اللہ نے اپنے انبیاء کے ذریعے خبردار کر دیا کہ شیطان سے بچتے رہنا اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (الاعراف ۲۷) وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ وہ غیر مرئی مخلوق ہے وہ چھپ کر وار کرتا ہے، لہٰذا اس کے بہکاوے میں نہ آنا۔ یہ شیطان نے بھی روزِ اول سے قسم کھا رکھی ہے کہ میں تیرے صراطِ مستقیم پر بیٹھوں گا۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ (الاعراف ۔) میں تیرے بندوں کے آگے سے بھی آؤں گا اور پیچھے سے بھی، دائیں سے بھی آؤں گا اور بائیں طرف سے بھی اور پھر ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ پھر دنیا کی

طرف سے کبھی ان کو گمراہ کروں گا، دین کی طرف سے بھی اور خواہشات کے راستے سے بھی۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اس سے بچ کر رہنا۔

صراط مستقیم

اللہ نے دوبارہ ایک آیت میں نے تمہیں شیطان کے اغواء سے خبردار کیا تھا اور دوسری بات یہ کہی تھی وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ صرف میری ہی عبادت کرنا، اور شیطان کی عبادت نہ کرنے کی تلقین کی اور وہ تمہیں جہنم میں پہنچائے بغیر نہیں چھوڑے گا اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (فاطر ۶) وہ اپنے گروہ کو بلا رہا ہے تاکہ سب کو ساتھ لے کر جہنم میں جائے، وہ بڑی جماعت کو بلانا چاہتا ہے تاکہ جہنم میں اس کے ساتھی زیادہ سے زیادہ ہوں۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں آگاہ کر دیا تھا کہ شیطان کی دشمنی سے بچتے رہنا اور عبادت صرف میری کرنا، هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ یہی سیدھا راستہ ہے اسی پر چل کر تم دائمی نجات پا سکتے ہو۔ اگر اس راستے سے بھٹک گئے تو پھر تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

شیطان کا اغوا

آگے اللہ نے شیطان کے اغواء سے مزید خبردار کیا ہے وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا تحقیق اس شیطان نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو بہکا رکھا ہے۔ جِبِلًّا کا معنی مخلوق ہے اس کا مفرد جِبِلَّۃ اور جَبْلٌ بھی آتا ہے فرمایا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ کیا تم اتنی بھی عقل نہیں رکھتے کہ اس کو اپنا دشمن سمجھتے ہوئے اس سے بچنے کی کوشش کرو۔ یہ کافر اور مشرک سب شیطان کے راستے پر چل رہے ہیں۔ آج بھی دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں سے چار ارب لوگ شیطان کے پجاری ہیں جب کہ بمشکل پانچواں حصہ توحید کو مانتا ہے جب جزائے عمل کی منزل آئے گی تو شیطان کے ان پجاریوں سے کہا جائے گا۔ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ یہ ہے وہ جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اللہ کے راستے کو چھوڑ کر شیطان کے

راستے پر چل گئے، تو جہنم تھا، یہی ٹھکانا ہوگا۔ اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا
كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ آج اس میں داخل ہو جاؤ اس کفر کے بدلے میں
جس کا ارتکاب تم کرتے رہے، تم نے دنیا میں نصیحت کی بات نہ مانی، اور
شیطان کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ دنیا کے امور میں تو بہت ہوشیار اور سمجھدار
تھے، لیکن دین کے بارے میں اتنے کمزور تھے کہ شیطان کے پیچھے لگ گئے۔ اب
اس کفر کا نتیجہ جہنم کی صورت میں بھگتو۔

زبانی انکار کی شہادت

بعض لوگ محاسبۂ اعمال کے وقت کفر، شرک اور معاصی سے انکار کر دیں گے
جیسے مشرکوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ وہ کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا
مُشْرِكِيْنَ (الانعام - ۲۳) اللہ کی قسم، ہم نے تو دنیا میں رہ کر شرک نہیں
کیا۔ مگر ہر انسان کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، لوح محفوظ میں بھی درج ہے
اور فرشتوں کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا ہوا ہے۔ گویا انسان کا ہر عمل محفوظ رہتا ہے۔
پھر اللہ تعالیٰ اتمام حجت کے لیے فرشتوں یا دیگر چیزوں کو بطور گواہ پیش کریں
گے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ بعض لوگ کہیں گے کہ ہم اپنے وجود کے سوا کسی
دوسرے گواہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس وقت اللہ فرمائے گا۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى
اَفْوَاهِهِمْ اس دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے۔ وَتُكَلِّمُنَآ
اَيْدِيْهِمْ ان کے ہاتھ ہمارے ساتھ کلام کریں گے وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ
اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ جو کچھ وہ کرتے
تھے۔ مطلب یہ ہے کہ مجرموں کی زبان تو بند ہو جائے گی اور ان کے جسم کے اعضاء
ہاتھ، پاؤں وغیرہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ کسی اچھے بُرے کام کے کرنے
میں سب سے زیادہ دخل ہاتھوں کا ہوتا ہے چنانچہ آدمی کے ہاتھ کہیں گے کہ
اس شخص نے ہمارے ذریعہ فلاں بڑا کام کیا تھا اور پاؤں گواہی دیں گے کہ ہمارے ساتھ چل کر گیا تھا

---

۱ ابن کثیر ص ۵۷۹ ج ۳، مظہری ص ۴۳ ج ۸ (وغیرہ)

فلاں غلط مقام پر گیا تھا۔ اس وقت گنہگار آدمی حیرت میں مبتلا ہو جائے گا کہ خود اس کے اعضاء و جوارح ہی اس کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ پھر وہ جسم کے اعضاء سے مخاطب ہو کر کہے گا، کہ میں تو تمہیں ہی سزا سے بچانے کے لیے جھگڑا کر رہا تھا، مگر تم خود ہی میرے خلاف گواہی دے رہے ہو۔ اب تو بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہ سکتی۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ انسانوں کے اعمال کی حفاظت خود اللہ تعالیٰ نے مستقل طور پر کر رکھی ہے، اور اس کا ہر قول اور فعل اس کے اعمالنامے میں درج ہو رہا ہے۔ یہ اعمالنامہ موت کے وقت انسان کے گلے میں لٹکا دیا جاتا ہے اور قیامت والے دن متعلقہ شخص کے سامنے پیش کر کے اللہ تعالیٰ فرمائے گا

اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا (بنی اسرائیل-۱۴)

یہ تیرا اعمالنامہ ہے اسے خود ہی پڑھ لو، حساب کتاب کے لیے آج کے دن یہی تحریر کافی ہے۔ چنانچہ خواہ دنیا میں کوئی شخص پڑھا لکھا تھا یا ان پڑھ، اپنا اعمال نامہ خود پڑھ سکے گا۔ اس وقت انسان خیال کرے گا کہ میرے اعمال تو میرے اعضاء کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں، اس کے علاوہ ابھی اور بہت سی گواہیاں دیں گے جیسا کہ میں نے بیان کر دیا۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس خطہ زمین پر انسان نے کوئی اچھا یا برا کام کیا ہوگا زمین کا وہ ٹکڑا بھی اس کے حق میں یا اس کے خلاف گواہی دے گا، وہاں کے ارد گرد کی چیزیں بھی شہادت دیں گی۔ چنانچہ اذان والی حدیث میں آتا ہے کہ اذان کہنے والے شخص کے حق میں اس کے دائیں بائیں کے تمام شجر و حجر گواہی دیں گے۔ اسی طرح حج کا تلبیہ پکارنے والے کے حق میں زمین کے آخری حصے تک کی تمام چیزیں گواہی دیں گی کہ مولا کریم! اس شخص نے تیرا نام احترام کے ساتھ

دیگر اشیاء کی گواہی

ے ۔۔۔ ـه

جو کہا ہے۔

سورۂ حم سجدہ میں آیت حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾

جب مجرم لوگ اس مقام پر آ جائیں گے تو ان کے کان آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی اس کام کے متعلق جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم ہمارے خلاف کیسے گواہی دے رہی ہو، اور آج یہ قوتِ گویائی تمہیں کہاں سے حاصل ہو گئی تو وہ جواب دیں گی قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾۔ ہمیں اس اللہ نے قوت گویائی عطا کی ہے جس نے ہر چیز کو یہ قوت بخشی ہے۔ یہ وہی ذات ہے جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہو۔ بہر حال قیامت والے دن انکار کرنے والوں کے مونہوں پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے اعضاء و جوارح بول کر ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

خدا کی طرف سے ممکنہ سزا

فرمایا اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے وہ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے سزا دے۔ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ اور اگر ہم چاہیں تو ان لوگوں کی آنکھیں ہی ضائع کر دیں فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ پھر وہ راستے کی طرف دوڑیں، جائیں گے مگر انہیں کچھ نظر نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے پر بھی قادر ہے۔ جب لوط علیہ السلام کی قوم پر سزا کا وقت آیا تو فرشتے کو حکم ہوا کہ ان پر پر مارو، جب ایسا کیا فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ (القمر۔ ۳۷) تو ہم نے ان کی آنکھیں ہی ضائع کر دیں، اور وہ سب اندھے ہو گئے۔ یہاں بھی فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ہم ان کو اندھا کر دیں۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ اور اگر ہم چاہیں تو ان کے ٹھکانوں پر ہی ان کی شکلیں مسخ کر دیں ایسے واقعات پہلے بھی پیش آ چکے ہیں۔ اللہ نے کئی افراد اور قوموں کی شکلیں بگاڑ کر بندر اور خنزیر بنا دیے۔ سورۂ مائدہ میں اہل کتاب کے متعلق فرمایا

وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ (آیت۔ ۶۰) کہ ان کو بندروں اور خنزیروں کی شکلوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

فرمایا ہم اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ یہ لوگ جہاں بھی کھڑے یا بیٹھے ہوں وہیں ان کی شکلیں مسخ کر دیں۔ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ پھر وہ آگے چلنے کی طاقت رکھیں اور نہ واپس گھر جا سکیں۔ انہیں اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ اگلی منزل تک پہنچ جائیں یا گھر والوں کو ہی بتا سکیں کہ ہم مبتلائے عذاب ہو چکے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے متعلق بائبل کا بیان ہے کہ اللہ نے اسے پتھر کی شکل میں مسخ کر دیا تھا۔ اسی طرح آساف اور ناگر مرد اور زن نے حرم کعبہ میں زنا کا ارتکاب کیا تو اللہ نے ان کو پتھر بنا دیا اور وہ کافی عرصہ تک صفا اور مروہ پر عبرت کے لیے پڑے رہے۔ بعد میں شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے ان کی پرستش شروع کر دی۔ بہرحال فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کی شکلیں مسخ کر دیں۔ کیا یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ خدا قادر مطلق ہے۔

بڑھاپے کی حالت

فرمایا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں اس کو پیدائش میں الٹا کر دیتے ہیں۔ أَفَلَا يَعْقِلُونَ کیا یہ لوگ اس بات میں غور و فکر نہیں کرتے؟ ابتدا میں انسان بچہ ہوتا ہے۔ پھر جوان ہوتا ہے، طاقت آتی ہے مگر جب بڑھاپے کا دور شروع ہوتا ہے تو رفتہ رفتہ، آہستہ آہستہ مضمحل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی بات کے متعلق فرمایا ہے کہ جس کو ہم زیادہ عمر دیتے ہیں اسے پھر پیدائش کی حالت میں الٹ دیتے ہیں۔ سورۃ روم میں اللہ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً (آیت۔ ۵۴) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری کی حالت میں پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد قوت عطا کی۔ اور قوت کے بعد دوبارہ کمزوری اور بڑھاپا طاری کر دیا۔ یہ حالت

لوگوں کے لیے نشانِ عبرت ہیں۔ اگر انسان اپنی جسمانی میں غور کرے تو لطفِ شرک اور ہواہی
کا ارتکاب نہ کرے۔ جگر مراد آبادی نے کیا ہی کہا ہے ۔

رخصت ہوئی شباب کے ہمراہ زندگی
کہنے کی بات ہے کہ جیے جا رہا ہوں میں

بہر حال، اللہ نے زندگی کے مختلف مراحل کو اپنی قدرت کی نشانی بیان فرمایا ہے۔
اگر لوگ پھر بھی اس کی توحید کو تسلیم نہ کریں تو وہ سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ
هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ
كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٠﴾
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ
اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿٧١﴾
وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا
يَاْكُلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ
اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾
فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا
يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٦﴾

ترجمہ :- اور نہیں سکھایا ہم نے اس (پیغمبر) کو شعر کہنا، اور نہ ہی لائق ہے اس کے لیے۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت اور قرآن کھول کر بیان کرنے والا ﴿٦٩﴾ تاکہ ڈر سنائے اس کو جو جان رکھتا ہے، اور ثابت ہو جائے

بات کفر کرنے والوں پر (٧٠) کیا نہیں دیکھا ان لوگوں
نے کہ بیشک ہم نے پیدا کیا ہے ان کے لیے جو ہمارے
ہاتھوں نے بنایا ہے مویشیوں کو۔ اور وہ ان کے مالک
ہیں (٧١) اور ہم نے تابع کر دیا ہے ان کو ان کے
لیے۔ پھر ان میں سے بعض وہ ہیں جو ان کی سواری
ہے، اور بعض وہ ہیں جن سے وہ کھاتے ہیں (٧٢)
اور ان کے لیے ان مویشیوں میں بہت سے فائدے
ہیں، اور پینے کے گھاٹ ہیں۔ کیا یہ لوگ شکر ادا نہیں
کرتے ؟ (٧٣) اور بنا لیے ہیں انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے
معبود تاکہ وہ ان کی مدد کریں (٧٤) وہ طاقت نہیں
رکھتے ان کی مدد کی، اور یہ ان کے لیے لشکر ہوں گے جو
دیکھ کر حاضر کیے جائیں گے (٧٥) پس نہ غم میں ڈالے
آپ کو ان کی بات۔ بیشک ہم جانتے ہیں جو کچھ
یہ چھپاتے ہیں اور جس کو یہ ظاہر کرتے ہیں (٧٦)

ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ نے میدان حشر کے کچھ واقعات بیان فرمائے۔ قیامت والے دن گمراہ لوگ اپنے برے اعمال و افعال اور برے عقائد سے انکار کریں گے تو ان کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور ان کے ہاتھ اور پاؤں بول کر ان کے خلاف گواہی دیں گے اور ان کے کرتوت ثابت ہو جائیں گے۔ اب آخر سورۃ میں اللہ نے توحید، قرآن کی حقانیت اور جزائے عمل کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اور ساتھ رسالت کا ذکر بھی آگیا ہے۔ الغرض سورۃ کے اس آخری حصے میں چاروں بنیادی مسائل کو اختصار کے ساتھ دہرایا جا رہا ہے۔

شعر گوئی کی نفی

کافر اور مشرک لوگ قرآن پاک کو اللہ کا کلام تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اسے شاعری، کہانت یا سحر سے تعبیر کرتے تھے کبھی کہتے دلیل، افتراء گزرت

کے دعویدار نے اسے افترا کیا ہے یعنی خود بنا کر لے آیا ہے اور پھر اُسے خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے کلام شاعر ہونے کی مؤثر انداز میں تردید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ اور ہم نے اپنے پیغمبر کو شعر گوئی سکھائی ہی نہیں۔ بھلا جس کو کسی کام کی تربیت ہی نہ ہو وہ کیسے اس کام کو انجام دے گا۔ حقیقت یہ ہے وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ کہ شعر و شاعری تو ہمارے نبی کے شایانِ شان ہی نہیں ہے۔ بھلا وہ اپنی طرف سے کس طرح شعر بنا کر پیش کرے گا۔ فرمایا یہ قرآن کریم اشعار کا مجموعہ نہیں۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ بلکہ یہ تو سراسر نصیحت کی بات ہے وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ اور کھول کر بیان کرنے والا قرآن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شاعری کی بنیاد تو وہم اور تخیل پر ہوتی ہے۔ اللہ نے سورۃ الشعراء میں فرمایا ہے وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (آیت ۲۲۴) کہ شعراء کے پیچھے لگنے والے اکثر گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ (آیت - ۲۲۵) کیا تم نے دیکھا نہیں کہ شاعر کس طرح ہر وادی میں خیالی گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ کسی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں اور اگر کسی کی مذمت کی ہے تو فحش گوئی تک پہنچ گیے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کسی شعر میں جس قدر جھوٹ ہوگا اور خیالی پلاؤ پکایا گیا ہوگا، اسی قدر وہ پسندیدہ ہوگا اور اس پر واہ واہ کے ڈونگرے برسائے جائیں گے۔ ؎

در شعر و در فن او
چو اکذب اوست احسن او

شعر جتنا جھوٹا ہوگا، اتنا ہی مزیدار ہوگا لہٰذا اس فن میں زیادہ دلچسپی نہ لو۔ یہی وجہ ہے شعر و شاعری نبوت و رسالت کے منافی ہے۔

شعر گوئی میں استثنا

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر ہر زمانہ میں شعر و شاعری ہوتی رہی ہے۔ مگر اکثر و بیشتر لوگ غلط کار، جھوٹے اور شیخی بگھارتے ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ تاہم استثنٰی یہاں بھی ہے۔ خود سورۃ الشعراء میں موجود ہے کہ اکثر شعراء کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (آیت ۲۲۷) مگر بعض یا نادر شاعر اچھا کلام بھی کہتے ہیں جس سے لوگوں کو کچھ نہ کچھ فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ شاعری بذاتِ خود تو بری چیز نہیں مگر اس کا جھوٹ اور مبالغہ آرائی اس کو بُرا بنا دیتی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رض کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شعر و شاعری بھی ایک کلام ہے اس کا اچھا حصہ اچھا ہے اور بُرا حصہ بُرا ہے۔ تاہم اس میں برائی کا عنصر زیادہ ہوتا ہے جس کی سب سے بڑی وجہ شعراء کی دروغ گوئی اور قول و فعل کا تضاد ہوتا ہے اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ (الشعراء ۲۲۶) شاعر لوگ زیادہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو عمل میں مفقود ہوتے ہیں

تاہم دنیا میں اچھے شاعر بھی ہوئے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے اپنے زمانہ مبارک کے مشہور شاعر حسان بن ثابت رض اپنے اشعار کے ذریعے اسلام کا دفاع کیا کرتے تھے۔ جب کفار اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف شعر گوئی کرتے تھے تو حضور علیہ السلام حضرت حسان رض کو جواب دینے کے لیے کہتے۔ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے حضرت حسان رض سے فرمایا کہ ان کافروں کو جواب دو جبرئیل امین تمہارے مددگار ہوں گے۔ اسی طرح مولانا روم کی مثنوی میں بڑی کام کی باتیں ہیں۔ ہمارے قومی شاعر ڈاکٹر محمد اقبال کا کلام بھی بہت اچھا ہے۔ انہوں نے قوم و ملت کے ضمیر کو جھنجھوڑا ہے۔ اسی طرح شیخ سعدی رح کی گلستان اور بوستان کے تراجم دنیا بھر کی زبانوں میں

ہو چکے ہیں۔ ان میں بڑے تجربے اور نصیحت کی باتیں ہیں۔ یہ کتابیں دینی مدرسوں میں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔

کسی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا، کیا حضور علیہ السلام کبھی بطور مثال کسی شعر کا ذکر بھی فرماتے تھے؟ فرمایا ہاں! بعض اوقات ایک آدھ شعر یا مصرعہ اپنی زبان سے ادا فرماتے تھے بمثلاً آپ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار پڑھ لیا کرتے تھے۔

لَوْ لَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

(اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت سے نہ نوازتا تو نہ صدقہ کر سکتے نہ نماز ادا کر پاتے) اسی طرح زمانۂ جاہلیت کے ایک شاعر کا شعر بھی آپ بعض دفعہ زبان پر لے آتے تھے۔

ویاتیک بالاخبار من لم تزود
ستبدی لک الایام ما کنت جاھلاً

(زمانہ تیرے سامنے وہ باتیں ظاہر کر دے گا جس سے تو ناواقف ہے اور تیرے پاس خبریں وہ لوگ لائیں گے جنہیں تو نے کوئی توشہ نہیں دیا ہوگا۔) زمانہ جاہلیت میں کوئی خبر معلوم کرنے کے لیے بڑا اہتمام کرنا پڑتا تھا۔ اس کام کے لیے کوئی آدمی بھیجنا پڑتا، اس کے لیے سواری کا انتظام کرنا ہوتا اور اُسے زادِ راہ کے علاوہ کچھ نہ کچھ معاوضہ بھی ادا کرنا پڑتا تھا۔ مگر آج مادی ترقی کے زمانہ میں دنیا بھر کی خبریں گھر بیٹھے بلا معاوضہ حاصل ہو جاتی ہیں۔ یہی مطلب ہے کہ بغیر توشے کے خبریں معلوم ہو جایا کریں گی۔ اس شعر میں خود پیغمبر علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ کی

لہ خازن ص ۱۵ ج ۳ وطبری ص ۳۷ ج ۲۲ ومعالم التنزیل ص ۲۰۶ ج ۳ واحکام القرآن للجصاص ص ۲۴۶ ج ۳
ٹہ ابن کثیر ص ۵۷۹ ج ۳ وروح المعانی ص ۴۸ ج ۲۳ وخازن ص ۱۵ ج ۳ (فیاض)

طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ کا نبی دنیا اور آخرت کی ساری خبریں بلا معاوضہ تم تک پہنچائے گا۔ بہر حال حضور علیہ السلام کسی شاعر کا اچھا شعر گنگنا... پڑھ لیتے تھے مگر خود شعر نہیں کہتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے شعر گوئی کا علم نہیں سکھایا ہے اور نہ ہی یہ منصب نبوت کے شایانِ شان ہے۔ اس سے پرے آپ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ سراسر نصیحت پر مشتمل ہے۔ آپ حقیقت کے ترجمان ہیں اور آپ کی ہر بات... جو دنیا کو اعلیٰ حقائق سے روشناس کراتی ہے۔

قرآن بمقابلہ اشعار

چنانچہ شعر و شاعری کے برخلاف پیغمبر اسلام نے اللہ کا کلام قرآن پاک پیش کیا اور اس کو پڑھ کر جو لوگ تیار ہوئے انہوں نے دنیا میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ شعر و شاعری تو نزولِ قرآن کے زمانہ میں بامِ عروج پر تھی مگر اس کا ماحصل کیا تھا؟ کسی کی تعریف کے پل باندھ دیئے تو کسی کی توہین کر دی۔ الفاظ کے تانے بانے میں حقائق کو مسخ کیا اور جھوٹ کو سچ بنانے کی کوشش کی۔ مگر اس سے دنیا میں کوئی انقلاب تو نہیں آگیا تھا بلکہ لوگ مزید لہو و لعب میں پڑ گئے۔ قرآن نے انسانی زندگی کا مکمل پروگرام پیش کیا، فلاح کے اصول، اجتماعیت کا طور، نظمِ حکومت، تجارت کے اصول، سفر و حضر اور صلح و جنگ کے قوانین بتلائے، بد اخلاقی کی بجائے اخلاقِ حسنہ دیئے، برائی کی بجائے نیکی کو رواج دیا، دنیا کی بجائے آخرت کی طرف رخ پھیرا اور انسانی زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی فرمائی۔ تو ایسے اعلیٰ اقدار کے حامل قرآن پاک کو شعر و شاعری جیسے جھوٹے اور مبالغہ آمیز کلام سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ یہ قرآن شعر و شاعری نہیں بلکہ سراسر نصیحت اور کھول کر بیان کرنے والا کلام ہے۔ اور اس کا مقصد یہ ہے لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا تاکہ یہ ڈر سنائے اس شخص کو جو زندہ ہے۔ زندہ تو کافر، مشرک، منافق سب ہیں مگر شاہ عبد القادر فرماتے ہیں کہ زندہ

لے مرشع القرآن صفحہ ۵۳۲ (فیاض)

کا مطلب یہ ہے کہ جس میں جان ہے یعنی وہ اپنے فائدے کے لیے نیکی کا اثر قبول کر سکتا ہے۔ جو شخص نصیحت کا اثر ہی قبول نہیں کرتا اُس کو ڈرانا کچھ مفید نہیں ہو سکتا جیسے سورۃ البقرہ کی ابتداء میں کافروں کے متعلق فرمایا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (آیت - ۶) ایسے لوگوں کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بہرحال زندہ سے مراد وہ قوم، جماعت یا فرد ہے جس میں نیکی کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے فرمایا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اور تاکہ یہ بات کافروں پر ثابت ہو جائے۔ اللہ نے کفار پر اتمامِ حجت کے لیے اس کتاب قرآن پاک کو نازل فرمایا ہے تاکہ کوئی شخص کل کو یہ نہ کہہ سکے کہ میرے پاس تو کوئی کتاب نہیں آئی، نہ کسی سمجھانے والے نے سمجھایا اور کسی نبی، رسول یا اُس کے نائب نے ڈرایا ان دو آیات میں قرآن پاک کی حقانیت و صداقت اور حضور نبی کریم علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی گواہی بھی آگئی۔

مویشیوں کی پیدائش

آگے اللہ نے اپنی قدرت کے کچھ دلائل بیان فرمائے ہیں ارشاد ہوتا ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اُن کے لیے پیدا کیے ہیں مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ جن کو ہمارے ہاتھوں نے بنایا ہے مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی تخلیق کا ذکر ہو رہا ہے اس میں انسانی ہاتھوں کا دخل نہیں بلکہ اللہ کی قدرت کا کام ہے اگر اس کو دستِ قدرت بھی مانیں تو اس سے مراد ایسے ہاتھ نہیں جیسے ہمارے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے وہ ہاتھ مراد ہیں جو اُس کی شان کے لائق ہیں۔ اللہ کے ہاتھوں کا ذکر بعض دوسرے مقامات پر بھی آیا ہے۔ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ (المائدہ - ۶۴) اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ حدیبیہ کے واقعہ میں جب صحابہ کرامؓ حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو اللہ نے فرمایا يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح - ۱۰) اُن کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ تھا۔ غرضیکہ اللہ نے ہاتھوں کی نسبت اپنی طرف

کی ہے مگر یہ انسانی ملکیت کی طرح دائمی (ہمیشہ) نہیں بلکہ جیسا اس کی شان کے لائق ہو تو (ر)
کیا انسانوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے لیے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے مویشی پیدا کیے ہیں جن کے ساتھ تمہیں شب و روز واسطہ پڑتا ہے اور وہ تمہاری خدمت پر مامور ہیں۔

فرمایا یہ مویشی پیدا تو ہم نے کیے ہیں یہ دستِ قدرت سے ہے کہ ہے فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ مگر کس کے مالک یہ لوگ ہیں، ہم نے حقِ ملکیت ان کو دے دیا ہے
حقیقت یہ ہے کہ پیدا کرنے والا بھی خدا تعالیٰ اور حقیقی مالک بھی وہی ہے کیونکہ
مالک وہی ہو سکتا ہے جو کسی چیز کا خالق ہو، مگر اس نے اپنی مہربانی سے ان کا
عارضی مالک انسانوں کو بنا دیا ہے کہ وہ جس طرح چاہیں ان سے خدمت لیں، اگرچہ

در حقیقت مالکِ ہر شے خدا است
این امانت چند روزے نزد ما است

اس حقیقت کو قرآن پاک میں جگہ جگہ واضح کیا گیا ہے لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (البقرہ - ۲۸۴) ارض و سما کی ہر چیز اللہ ہی کے لیے ہے
یعنی ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

آج کل سرمایہ داروں اور محنت کشوں کے درمیان یہ بحث چل رہی ہے کہ
اصل چیز سرمایہ ہے یا محنت۔ سرمایہ دار اور ذہنیت کے لوگ کہتے ہیں کہ اصل
چیز سرمایہ ہے، سرمایہ ہوگا تو محنت کے مواقع پیدا ہوں گے لہٰذا سرمایہ مقدم ہے
دوسری طرف سوشلزم اور کمیونزم والے کہتے ہیں کہ سرمایہ محنت سے پیدا ہوتا ہے
اگر محنت ہی نہیں ہے تو سرمایہ کہاں سے آئے گا۔ لہٰذا وہ مزدوروں کے حقوق
کو مقدم سمجھتے ہیں۔ مگر قرآن کہتا ہے کہ کسی چیز کا مالک نہ سرمایہ دار ہے اور
نہ محنت کش، بلکہ مالک حقیقی خدا تعالیٰ کی ذات ہے جو ہر چیز کا خالق ہے۔
انسانی ملکیت عارضی ہے اور اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اللہ نے آزمائش کے لیے
ملکیت ان کو عطا کی ہے۔ ان سے پہلے بھی لوگ مالک تھے اور ان کے بعد

بھی وہی مالک ہوگا۔ لہٰذا اُس کے مقرر کردہ ضابطے کے مطابق عمل کرنا چاہیے
تاکہ دنیا میں امن قائم رہے۔

فرمایا ہم نے مویشی پیدا کیے کہ انسانوں کی ملکیت میں دیئے۔ فَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ اور پھر ان مویشیوں کو انسانوں کے تابع کر دیا۔ اُونٹ، گھوڑا، گائے بھینس کتنے بڑے بڑے جانور ہیں۔ جو انسانوں سے کہیں گنا زیادہ طاقتور ہیں مگر اللہ نے ان کے طبائع میں یہ بات ڈال دی ہے کہ تمہیں انسان کی خدمت کرنا ہے۔ چنانچہ وہ اتنے طاقتور ہونے کے باوجود انسان کے اشارے پر چلتے ہیں اور بوجھ اُٹھا کر سفر کرتے ہیں جو انسان کو مطلوب ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ بعض ان میں سے وہ ہیں جو انسانوں کے لیے سواری کا کام دیتے ہیں۔ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ اور ان میں سے بعض کا گوشت کھاتے ہیں۔ دیکھو میں گدھا، خچر، گھوڑا، اونٹ وغیرہ سواری کا کام دیتے ہیں اور گائے، بھینس، بھیڑ، بکری کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

فرمایا وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ ان جانوروں میں انسانوں کے لیے دیگر فوائد بھی ہیں۔ ان کے بال، کھال، ہڈیاں، چربی، گھی، سینگ اور چیزیں تک انسانی ضروریات کا حصہ ہیں۔ جانوروں کا گوبر بھی ضائع نہیں جاتا۔ اس کو کمپوسٹ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اس کی گیس استعمال میں لائی جاتی ہے اب تو توانائی پیدا کرنے کے لیے گوبر کے پلانٹ بھی لگ رہے ہیں۔ وَمَشَارِبُ اور جانور انسانوں کے لیے پینے کے گھاٹ بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تھنوں میں وافر دودھ پیدا کر دیا ہے جو انسانی خوراک کا ایک اہم حصہ ہے۔ فرمایا أَفَلَا يَشْكُرُونَ اتنے فوائد حاصل کرنے کے باوجود بھی کیا یہ لوگ شکر ادا نہیں کرتے؟ امام بیہقیؒ اور امام ترمذیؒ نے حضرت ابو درداءؓ سے حدیث بیان

لہ مظہری صفحہ ۹۸ ج ۸ (فیاض)

کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ انسانوں اور جنوں کی حالت عجیب ہے۔ میں ان کو پیدا کرتا ہوں مگر یہ عبادت دوسروں کی کرتے ہیں، نیز فرمایا۔ میں رزق دیتا ہوں مگر یہ شکریہ غیروں کا ادا کرتے ہیں۔ انسانوں کی طرح جن بھی مختلف مذاہب و عقائد میں تقسیم ہیں اور وہ ناشکر گزاری کرتے ہیں، اقوام متحدہ، کفر و شرک، بدعقیدگی، ناشکری، یہ سب کا نتیجہ ہے۔ ظلم و تعدی، معصیت، یہ سب ناشکر گزاری کا حصہ ہیں۔ اگر انسان ان نعمتوں کی قدر کرتے تو ناشکر گزار نہ بنتے۔

شرک کا ترد آگے اللہ نے شرک کی مذمت بیان فرمائی ہے وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ [illegible] اٰلِهَةً انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ جن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں، ان سے مرادیں مانگتے ہیں، ان کو نذر و نیاز پیش کرتے ہیں، ان کو فوق الاسباب پکارتے ہیں۔ انکے نام کی دھائی دیتے ہیں۔ یہ سب مشرکانہ باتیں ہیں۔ ——— حالانکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور معبود وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہو لہٰذا یہ غیروں کو معبود تسلیم کرتے ہیں اور ایسا کرنے سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے لَعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ شاید کہ وہ مدد کیے جائیں۔ یہ معبود مشکل وقت میں ان کی مدد کریں گے۔ فرمایا وہ بیچارے ان کی کیا مدد کریں گے لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وہ تو ان کی مدد کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔ ان کی حالت تو یہ ہوگی وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ یہ لوگ ان معبودوں کے لشکر ہوں گے۔ ان سب کو اکٹھا کر کے حاضر کیا جائے گا۔ سب عابد اور معبود اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو جائیں گے تو اللہ پوچھے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے رہے۔ مگر کسی سے کوئی جواب بن نہیں آئے گا۔ اور پھر عابد اور معبود ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ اس کی وضاحت اگلی سورۃ میں آ رہی ہے۔

تسلی کا مضمون کافر اور مشرک لوگ پیغمبر اسلام اور آپ کے پیروکاروں کو سخت ذہنی اور جسمانی اذیت پہنچاتے تھے۔ اللہ نے تسلی کے طور پر فرمایا فَلَا يَحْزُنْكَ

فَلَا يَحْزُنْكَ ان کی باتیں آپ کو غم میں نہ ڈالیں **إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ** ہم خوب جانتے ہیں جس چیز کو یہ چھپاتے ہیں اور جس کو ظاہر کرتے ہیں۔ ہمارے علم سے ان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ہم ان کی نیت اور ارادے سے بھی واقف ہیں اور ظاہری حرکات کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ ان کی خفیہ منصوبہ بندیاں بھی ہمارے سامنے ہیں اور ان کے نفاق کو ہم جانتے ہیں۔ نافرمانوں نے پہلے انبیاء کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا۔ آپ غم نہ کریں بلکہ اپنا کام جاری رکھیں، ہم خود ان سے نپٹ لیں گے۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ
فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٧٧﴾ وَضَرَبَ لَنَا
مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي
الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي
أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ
عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ
الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾
أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ
بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ
وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨١﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا
أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾
فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ
شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾ ع

ترجمہ:- کیا نہیں دیکھا انسان نے کہ بیشک ہم نے پیدا
کیا ہے اُس کو ایک قطرہ آب سے ۔ پس اچانک
وہ بڑا جھگڑنے والا ہے (۷۷) اور وہ بیان کرتا ہے

ہمارے لیے مثالیں ، اور بھول گیا ہے اپنی پیدائش کو ۔ کہتا ہے
کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو حالانکہ وہ بوسیدہ ہو چکی
ہوں گی (۷۸) آپ کہہ دیجیے ، زندہ کرے گا ان کو وہ
جس نے پیدا کیا ہے ان کو پہلی مرتبہ ، اور وہ ہر پیدائش
کو خوب جاننے والا ہے (۷۹) وہ جس نے بنائی ہے
تمہارے لیے سبز درخت سے آگ ۔ پس اچانک تم اس
سے سلگاتے ہو (۸۰) کیا نہیں ہے وہ ذات جس نے
پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو ، قادر اس پر کہ پیدا کر
دے ان جیسے ۔ کیوں نہیں ، وہ تو بہت بڑا پیدا کرنے
والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (۸۱) بیشک اس
کا حکم جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی چیز کے بارے میں
تو کہتا ہے اس کو ہو جا ، پس وہ چیز ہو جاتی
ہے (۸۲) پس پاک ہے وہ ذات جس کے دست
قدرت میں ہے حکومت ہر چیز کی اور اسی کی طرف
تم لوٹائے جاؤ گے (۸۳)

ربط آیات

گزشتہ دروس میں قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر ہوا ۔ پھر اللہ نے توحید کے عقلی دلائل دیے جن میں غور و فکر کر کے انسان اللہ کی وحدانیت اور اس کی قدرت کو سمجھ سکتے ہیں ۔ یہی دلائل وقوع قیامت کے لیے بھی کافی ہیں ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ کفار و مشرکین کی بیہودہ باتوں سے غمگین نہ ہوں ، ہم ان کے ظاہر و باطن کو جانتے ہیں اور ان کے عقائد و اعمال کا ضرور بدلہ دیں گے ۔ اب آج کے درس میں بھی اللہ نے اپنی وحدانیت اور اپنی قدرت پر دلائل پیش کیے ہیں اور ساتھ ساتھ مشرکین کا رد فرمایا ہے ۔

انسان کی پیدائش

ارشاد ہوا ہے اَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ کیا انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اُسے ایک قطرۂ آب سے پیدا کیا۔ نطفہ شفاف پانی کو کہتے ہیں اور اس سے مراد انسان کا مادۂ تولید ہے جو انسان کی پیدائش کا ذریعہ بنتا ہے۔ سورۂ سجدہ میں فرمایا ہے ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ (آیت ۔ ۸) ہم نے انسان کی تخلیق مٹی سے کی اور پھر اس کی نسل کو حقیر پانی سے چلایا جو پیشاب کی طرح ناپاک ہے اور اگر کسی کپڑے پر لگ جائے تو دھوئے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔ سورۂ الطارق میں ہے فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ انسان غور کرے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ اُسے اچھلنے والے پانی سے تخلیق کیا گیا ہے يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ جو پیٹھ اور پسلی کی ہڈیوں کے درمیان سے خارج ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر انسان اپنی پیدائش میں ہی غور کرے تو اُس کا تمام غرور و تکبر ختم ہو جائے اور وہ اللہ کے معاملات میں حجت بازی نہ کرے۔

دوبارہ زندگی پر حجت بازی

فرمایا کہ ہم نے تو انسان کو ایک حقیر قطرۂ آب سے پیدا کیا فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ مگر اچانک وہ بڑا جھگڑالو بنا ہوا ہے۔ اسے تو اپنی پیدائش کو دیکھ کر ہی وحدانیت کا قائل ہو جانا چاہیئے تھا مگر وہ وقوع قیامت اور دلائل قدرت کے انکار میں طرح طرح کی حجت بازی کرتا ہے وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا اور ہمارے سامنے طرح طرح کی مثالیں بیان کرتا ہے وَنَسِيَ خَلْقَهُ اور اپنی تخلیق کو بھول جاتا ہے کہ وہ کس حقیر ذریعے سے ہوئی۔ فرمایا انسان اپنی عاقبت اندیشی سے کہ وہ دوبارہ زندگی کے متعلق یہ دلیل پیش کرتا ہے قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ اور کہتا ہے کہ ان ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرے گا جب کہ یہ بھر بھری ہو جائیں گی۔ بعض مشرکین بوسیدہ ہڈیوں کو ہاتھ سے مسل کر کہتے تھے کہ کیا یہ ہڈیاں دوبارہ زندگی سے آشنا ہوں گی جو چورہ چورہ ہو کر خاک میں مل جاتی ہیں؟ سورۂ سجدہ میں اللہ نے مشرکین کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

وَقَالُوا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ (آیت ۱۰) کیا جب ہم گل سڑ کر مٹی میں مل جائیں گے تو پھر دوبارہ پیدائش میں ظاہر ہوں گے؟ سورۃ النزعت میں بھی ہے ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً (آیت ۱۱) جب ہماری ہڈیاں بھربھری ہو جائیں گی گل گئی ہیں دوبارہ حیات نصیب ہوگی؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اللہ نے انسان کو قوت گویائی بخشی ہے مگر وہ اسی قوت کو بجائے کہ ذکر اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے اور اس کی توحید کا اقرار کرنے کی بجائے اس کے معاملات میں جھگڑا کرتا ہے۔

اللہ نے فرمایا اے پیغمبر! قُلْ آپ ان سے کہہ دیں کہ تم ان بوسیدہ ہڈیوں میں حیات کے عود کر آنے کو بعید خیال کرتے ہو مگر یاد رکھو! يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا جب کہ ان کا کوئی وجود بھی موجود نہ تھا جب کہ ایک چیز وجود میں آ چکی ہو تم تسلیم کرتے ہو کہ اللہ نے نطفہ کو خون میں تبدیل کیا پھر اس کا گوشت بنایا، اس میں ہڈیاں پیدا کیں ان کے اوپر گوشت چڑھایا اور پھر پورے جسم کی حفاظت کے لیے اس کے اوپر کھال پیدا کی۔ اس کا ہر ہر عضو نہایت موزوں طریقے سے اپنی اپنی جگہ پر فٹ کیا اور فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنسَانَ فِي اَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین ۴) ہم نے انسان کو بہترین شکل و صورت میں تخلیق کیا۔ تو فرمایا کہ جس خدا نے سب کچھ پہلی مرتبہ کیا، کیا وہ اس کا اعادہ کرنے پر قادر نہیں؟ حقیقت یہ ہے وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ کہ وہ ہر پیدائش کو خوب جانتا ہے، اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

درختوں سے آگ کی مثال

اللہ نے یہی بات ایک مثال کے ذریعے بھی سمجھائی ہے الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا اللہ کی ذات وہ ہے جس نے تمہارے لیے سبز درختوں سے آگ پیدا فرما دی۔ مطلب یہ ہے کہ ہرے بھرے درخت ہوتے ہیں جن کے تنے، شاخوں اور پتوں میں کافی مقدار میں

معلوم ہوتی ہے مگر یہ درخت خشک ہو کر جلانے کے کام آتے ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ سبز درخت سے مراد مَرخ و عَفار ہیں۔ عرب میں دو قسم کے درخت ہوتے تھے، ایک کا نام مرخ اور دوسرے کا عفار تھا، ان دونوں درختوں کی ٹہنیاں رگڑ کر آپس میں رگڑنے سے بالکل اسی طرح آگ نکلتی تھی جس طرح چقماق کے دو پتھر رگڑنے سے آگ نکلتی ہے یا گھوڑے کے سُم پتھروں سے ٹکرانے سے چنگاریاں نکلتی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سبز درختوں سے آگ پیدا کر سکتا ہے وہ بوسیدہ ہڈیوں میں حیات بھی پیدا کر سکتا ہے۔ جب سبز درختوں سے آگ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ تو جب تم اس سے سلگاتے ہو اور یہی آگ کھانا پکانے کے لیے استعمال میں لاتے ہو۔

مصر کے جدید علوم کے ماہر مفسر قرآن طنطاوی[1] اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ نے درخت کے سبز رنگ کو عجیب حکمت کے تحت تخلیق کیا ہے۔ سورج کی روشنی کے دوران درختوں کے پتے آکسیجن یعنی زندگی بخش گیس اپنے اندر جذب کرتے رہتے ہیں۔ پھر سانس کے ذریعے انسانی جسم میں یہی آکسیجن جاتی ہے جس سے اس کا خون صاف ہوتا رہتا ہے اور اس کی زندگی قائم رہتی ہے۔ اگر یہی سانس تھوڑی دیر کے لیے رک جائے تو انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب کوئی مریض سخت لاغر ہو جاتا ہے اور وہ عمل کے مطابق سانس لینے کی قوت بھی نہیں رکھتا تو پھر اس کے جسم میں مصنوعی طریقے سے سلنڈر کے ذریعے آکسیجن پہنچائی جاتی ہے۔ بہرحال درخت دن کے وقت آکسیجن اپنے پتوں کے ذریعے اندر کھینچتے ہیں اور رات کو کاربن ڈائی آکسائڈ جیسی زہریلی گیس باہر نکالتے ہیں اسی لیے تجربہ کار لوگ رات کو درختوں کے نیچے سونے سے منع کرتے ہیں۔

---

[1] تفسیر الجواہر طنطاوی صفحہ ۱۵۷ جلد ۱۷ (ملخص)

آکسیجن ایک تیز گیس ہے جس میں آتشیں مادہ بھی پایا جاتا ہے اور آکسیجن کے بغیر آگ بھی نہیں جل سکتی، تو گویا اللہ نے درختوں میں آکسیجن کا ذخیرہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ آگ پکڑ لیتے ہیں۔ اسی طرح پانی میں بھی دو گیسیں پائی جاتی ہیں یعنی ہائیڈروجن اور آکسیجن گویا قدرت نے پانی میں بھی آگ کا مادہ رکھا ہے۔ تو اللہ نے درخت کی مثال بیان فرمائی ہے اور اپنی قدرت کا شاہکار ذکر کیا ہے کہ وہ سبز درختوں سے آگ پیدا کر سکتا ہے تو کیا بوسیدہ ہڈیوں میں دوبارہ زندگی نہیں لا سکتا؟ ضرور لا سکتا ہے اور وہ ایسا کر کے رہے گا۔

آسمان و زمین کی مثال

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا بیان اس انداز میں کیا ہے۔ اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ کیا آسمان و زمین کو پیدا کرنے والی ذات، ان جیسے اور پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے؟ خدا نے تو آسمان، زمین اور پہاڑوں جیسی بڑی بڑی چیزیں پیدا کر دی ہیں تو وہ انہی لوگوں جیسی شکل و صورت کے دوسرے لوگ کیوں نہیں پیدا کر سکتا۔ کسی چیز کو پہلی دفعہ پیدا کرنا تو ذرا مشکل ہوتا ہے جب کہ پہلے سے اُس کا نمونہ بھی موجود نہ ہو مگر جب ایک انسان کو پیدا کر دیا اور پھر اس نے پچاس سو سال عمر بھی گزاری ہو تو اس کا دوبارہ پیدا کرنا کچھ مشکل نہیں ہو سکتا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ تم ہر روز مشاہدہ کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ مختلف رنگ و نسل کے لوگ پیدا کرتا ہے، نباتات، حیوانات اور جمادات کو پیدا کرتا ہے، لہٰذا وہ انہی لوگوں کو انہی اجسام اور انہی شکل و صورت کے ساتھ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی یقیناً قادر ہے۔ فرمایا ایسا کیوں نہیں وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ وہ تو سب سے بڑا پیدا کرنے والا اور علیم ہے، اس کے لیے یہ کام کون سا مشکل ہے۔ علیم سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ انسانی جسم میں پائے جانے والے تمام عناصر کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، لہٰذا وہ ان سب کو دوبارہ جمع کر کے انسان کو اپنے سامنے لا کھڑا کرے گا۔ قیامت کا انکار تو بیوقوفی کی بات ہے، البتہ کوئی یہ کہے کہ

اللہ تعالیٰ ابھی قیامت برپا کیوں نہیں کر دیتا اور پھر اگر کر دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر دیتا، تو یہ اس کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہے۔ اس نے ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ ہر فرد کی زندگی کا ایک وقت مقرر ہے اور اسی طرح ساری کائنات کے لیے بحیثیت مجموعی بھی ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ آئے گا، تو یہ سارا نظام تبدیل کر کے نیا نظام قائم کیا جائے گا۔ پھر حساب کتاب ہو گا اور جزائے عمل کی منزل آئے گی۔ اس وقت تمام انسان دوبارہ اپنی اجسام کے ساتھ اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ

فرمایا، اللہ تعالیٰ قدرت تامہ کا مالک ہے إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے یعنی کسی کام کو انجام دینے کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا فَيَكُونُ پس وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ میں قدرت، بے تکلف صورت میں موجود ہے اور جب وہ کسی چیز کو تخلیق کرنا چاہتا ہے وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے۔ پھر تاخیر نہیں ہوتی۔

پھر آخر میں فرمایا فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اقتدار ہے۔ ملکوت ملک کا مبالغہ ہے اور مطلب ہے مکمل اقتدار، اختیار یا بادشاہی۔ تو ہر چیز کا اقتدار اسی ذات کے پاس ہے، جو ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ اور ہر اس شرک سے منزہ ہے جس کو مشرک لوگ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے گویا تمام امور کی انتہا بھی اللہ ہی کی طرف ہے پہلے سورۃ فاطر کی ابتداء میں بھی گزر چکا ہے وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ (آیت - ۴) تمام کام لوٹ کر اسی اللہ کی طرف ہی جاتے ہیں۔ انسانوں کو بھی اسی عدالت میں پہنچنا ہے، جہاں محاسبہ ہو گا۔ اور اگر ایمان اور توحید کو اختیار نہ کیا تو سخت گرفت آئے گی کیونکہ کوئی چیز اللہ کے دستِ قدرت سے باہر نہیں ہے، وہ ہر عیب

اور نقص سے پاک ہے۔

سورۃ کے آخری حصہ میں اس کا خلاصہ دوبارہ آگیا ہے۔ قرآن پاک کی حقانیت و صداقت، توحید اور قرب قیامت کے دلائل اور رسالت کا کچھ حصہ بھی شامل کیا گیا ہے۔

سورة الصّٰفّٰت

مكية

درس اول ۱ آیت ۱ تا ۱۰

سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَتَانِ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ صٰفّٰت مکی ہے۔ اس کی ایک سو بیاسی آیات اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۭ﴿۴﴾

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۭ﴿۵﴾ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا

بِزِيْنَةِۨ الْكَوَاكِبِ ۙ﴿۶﴾ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ

شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ

الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ڰ﴿۸﴾

دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ﴿۹﴾ اِلَّا مَنْ

خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ

ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

ترجمہ:۔ قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار
بنا کر ۱ اور ڈانٹ پلانے والوں کی جھڑک کر ۲
اور تلاوت کرنے والوں کی ذکر ۳ بیشک تمہارا معبود

ایک ہی معبود ہے (۴) جو پروردگار ہے آسمانوں اور
زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اور پروردگار
ہے مشرقوں کا (۵) بے شک ہم نے مزین کیا ہے
آسمانِ دنیا کو ستاروں کی رونق سے (۶) اور ان کے
ذریعے حفاظت کی جاتی ہے ہر سرکش شیطان سے (۷)
نہیں سن سکتے یہ ملاءِ اعلیٰ کی بات کو، اور پھینکے جاتے
ہیں وہ ہر جانب سے (۸) دھکیلنے کے لئے، اور ان کے
لیے عذاب ہے ہمیشہ کے لیے (۹) ہاں! مگر جس
نے اچک لیا کسی بات کو اچکنا، پس اس کے پیچھے
لگتا ہے چمکتا ہوا شہاب (۱۰)

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الصّٰفّٰت ہے جو کہ اس کے پہلے لفظ سے ماخوذ ہے۔ یہ سورۃ مکی دور میں سورۃ انعام کے بعد نازل ہوئی۔ یہ مکی زندگی کا درمیانی عرصہ ہے۔ اس سورۃ کی ایک سو بیاسی ۱۸۲ آیات اور پانچ رکوع ہیں اور یہ سورۃ آٹھ سو ساٹھ الفاظ اور تین ہزار آٹھ سو انتیس ۳۸۲۹ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد توحید و رسالت، معاد اور قرآن پاک کی صداقت وحقانیت کا ہی ذکر ہے، تاہم توحید کا بیان سب سے زیادہ ہے۔ اس سورۃ میں بعض ایسے دلائل قدرت بیان کیے گئے ہیں، جو دلائل توحید اور دلائل قیامت بھی ہیں۔ رسالت کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، الیاس علیہ السلام اور یونس علیہ السلام اور بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ ہے۔ مذکورہ مضامین کے علاوہ بعض ضمنی مضامین بھی آ گئے ہیں۔ فرشتوں کا خاص طور پر تذکرہ ہے۔ عرب کے مشرک فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے اور بعض انہیں معبود سمجھتے تھے، ہر زمانے میں مشرک لوگ فرشتوں

سے غائبانہ امداد طلب کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ کی ابتداء میں جو قسم اٹھائی گئی ہے اس کے مصداق بھی فرشتے ہیں۔ اللہ نے فرشتوں کی اطاعت و فرمانبرداری کا ذکر بھی کیا ہے کہ وہ تو خود اللہ کے حکم کے تابع ہیں، پھر تم ان کو کس طرح معبود سمجھتے ہو۔

فرشتوں کی صف بندی

اس سورۃ کی ابتداء قسم سے ہوتی ہے وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا قسم ہے قطار در قطار برابر کر صف باندھنے والوں کی۔ اس سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لیے ہر وقت صف بستہ منتظر رہتے ہیں۔ یہی بات سورۃ کے آخر میں بھی آئے گی۔ وہاں اللہ نے فرشتوں کی زبان سے کہلوایا ہے وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ (آیت - ١٦٥) ہم تو ہر وقت صف باندھے کھڑے رہتے ہیں کہ اللہ کا حکم ملے تو اس کی تعمیل کریں۔ بہرحال اللہ کے فرشتے اس کے حضور صف بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے عبادت الٰہی کے لیے صف بستہ رہتے ہیں۔ اسی طرح صف بندی سے مراد اہل ایمان انسانوں کی صفت بھی مراد ہو سکتی ہے ان کو بھی اعلیٰ ترین عبادت نماز کے لیے صف بندی کی سخت تاکید کی گئی ہے۔

صف بندی کی اہمیت

اہل ایمان سے صف بندی دو مقامات پر مطلوب ہے، ایک نماز کے لیے اور دوسرے میدان جنگ میں جہاد کے لیے۔ سورۃ الصف میں جہاد کے لیے ہی صف بندی کی ترغیب دی گئی ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (آیت - ٤) اللہ تعالیٰ اس کے راستے (جہاد) میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف بندی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے اَلَا تَصُفُّوْنَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلٰٓئِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا لوگو! تم نماز کے لیے اس طرح صفیں کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے

---

١ ابن کثیر ص ٢ ج ٤ و مظہری ص ٨٨ ج ٨ و خازن ص ٣٣ ج ٦ (فیاض)

پروردگار کے ہاں صف بندی کرتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کی حضور! فرشتے کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟ فرمایا یُتِمُّونَ الصُّفُوفَ الْأُوَلَ وَيَتَرَاصُّونَ فِي الصَّفِّ کہ وہ پہلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں، بیچ درمیان میں خلا نہیں چھوڑتے۔ بعض روایت کے الفاظ ہیں وَلَا يَدَعُونَ فُرُجَاتِ الشَّيْطٰنِ کہ وہ شیطان کے لیے رخنے نہیں چھوڑتے نمازیوں کے درمیان جتنا فاصلہ زیادہ ہوگا، اسی قدر شیطان کی آمد ورفت بھی زیادہ ہوگی، اور وہ نماز میں مخل ہوگا۔ اس کے لیے صفوں کی تاکید ہے، حکم ہے پہلی صف میں بالغ اور عمر رسیدہ لوگ کھڑے ہوں، اس کے بعد بچوں کی صف ہو اور پھر آخر میں عورتیں صف بنائیں۔ حضور علیہ السلام نماز کے لیے خود صفوں کی درستگی فرمایا کرتے تھے۔ صحابہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو اس طرح سیدھا فرمایا کرتے تھے كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ (مسلم) گویا صف سے تیر سیدھا کیا جاتا ہو۔ اس طرح جب حضور علیہ السلام عبادت کے لیے صف بندی کرتے تو اس میں کوئی رخنہ نہیں چھوڑتے تھے۔

صف کے لفظ سے نظم وضبط اور باقاعدگی کی تعلیم ملتی ہے ہر کام پورے طریقے کے ساتھ انجام دینا چاہیے۔ بدنظمی اللہ تعالیٰ کو قطعاً پسند نہیں، چنانچہ بدنظمی دنیا کے نظام میں بھی خرابی کا باعث بنتی ہے۔ بہرحال صف بندی ہماری امت کی خصوصیت ہے۔ دیگر خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ اللہ نے ساری زمین کو امت محمدیہ کے لیے مسجد قرار دیا ہے، اور طہارت کے لیے مٹی کو پاک قرار دیا ہے جس سے تیمم روا ہے۔

زجر کی ضرورت

پہلے فرشتوں یا انسانوں کی صف بندی کی قسم اٹھائی پھر فرمایا

له ... مسلم ص ... (فیاض)

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا قسم ہے زجر کرنے والوں یعنی ڈانٹ پلانے والوں کی جو جھڑک کر ڈانٹ پلاتے ہیں۔ اس زجر کے دو مصداق ہو سکتے ہیں۔ فرشتے یا تو شیاطین کو ڈانٹ پلاتے ہیں اور ان کو بھگاتے ہیں، تاکہ وہ اوپر جا کر عالم بالا کی بات نہ سن سکیں۔ اور یا بادلوں کو زجر کرتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت[1] میں آتا ہے کہ فرشتے بادلوں کو کوڑے مارتے ہیں۔ اور جدھر اللہ کو برسانا مقصود ہوتی ہے، ادھر ہانک کر لے جاتے ہیں۔ زجر سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ مجرموں کو گناہ سے باز رکھنے کے لیے ان کو ڈانٹ پلائی جائے۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ برائی سے منع کرنے کے لیے ڈانٹنا درست ہے۔ نیک انسان ہمیشہ اپنے نفس کو برائی سے ڈانٹ پلاتے ہیں تاکہ وہ کسی معصیت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس طرح میدان جہاد میں کافروں کو ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی ہے۔ یہ تمام مواقع زجر میں داخل ہیں اور اس آیت کا مصداق بنتے ہیں۔

ذکر الٰہی

آگے فرمایا فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا قسم ہے ذکر کی تلاوت کرنے والوں کی۔ اس سے مراد یا تو اللہ کے فرشتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کی تلاوت کرتے ہیں یعنی اس طرف ہمہ تن گوش رہتے ہیں، اور یا اس سے انسان بھی مراد ہو سکتے ہیں جو ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں ذکر کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ مثلاً سورۃ الجمعہ میں ہے وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (آیت۔۱۰) اللہ کو کثرت سے ذکر کیا کرو، تاکہ تمہیں کامیابی نصیب ہو۔ سورۃ العنکبوت میں ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (آیت ۴۵) یقین جانو کہ اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر ہے۔ بخاری شریف کی روایت[2] میں حدیث قدسی کے الفاظ ہیں اَنَا مَعَ عَبْدِيْ اِذَا ذَكَرَنِيْ وَتَحَرَّكَتْ بِيْ شَفَتَاهُ جب میرا بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور اس

---

[1] ترمذی شریف ص

[2] مظہری ص ۴۸ وروح المعانی ص ۲۲ بخاری ص (فیاض)

کے لیے اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ صحیحین کی حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ میرا معاملہ بندے کے ساتھ اُس کے یقین کے مطابق ہے جب وہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر دوسروں کے سامنے کرتا ہے، تو میں ان سے بہتر بندوں کی جماعت یعنی فرشتوں کے سامنے اس کا ذکر کرتا ہوں۔

بہرحال ذکر دو طرح سے ہوتا ہے۔ اگر زبان سے کلام پاک پڑھا جائے، درود شریف پڑھا جائے یا دیگر وظائف کئے جائیں تو یہ انسان کے اپنے فائدے کے لیے ہوتا ہے جس سے اُسے اجر و ثواب حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ فرشتے بھی اپنے پروردگار کا ذکر اُس کی رضا اور خوشنودی کے لیے کرتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دوسروں کو تعلیم دینے کے لیے ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہے تاکہ یہ سلسلہ آگے چلتا ہے۔ اس سے پڑھنے اور پڑھانے والے دونوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

وحدانیت کی گواہی

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ تین قسمیں اٹھا کر یہی تاکید فرمائی إِنَّ إِلَٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ بیشک تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ ہر نیک انسان، جن اور فرشتہ صرف خدائے وحدہٗ لاشریک ہی کی عبادت کرتا ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر انسانوں، جنوں یا فرشتوں کو معبود بنانا تو بڑی بے وقوفی کی بات ہے۔ وہ تو خود اس فکر میں رہتے ہیں کہ کسی طریقے سے اللہ ہم سے راضی ہو جائے اور ہم سے کوئی نافرمانی کی بات سرزد نہ ہو جائے۔ ان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اللہ کے ہر حکم کی تعمیل اُس کے منشاء کے مطابق ٹھیک طریقے سے ہو۔ فرشتے بھی اللہ کی اطاعت میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ پھر انہی کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے؟ لہٰذا مشرکین کو کسی طرح بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ خدا کے علاوہ کسی دوسری ہستی کو معبود مان کر اُس کی عبادت کریں یا اُس کی دہائی دیں یا اُس کے سامنے نذر و نیاز پیش کریں، حالانکہ معبود برحق تو ایک ہی ہے جو سب جہانوں کا خالق، مالک

صفّت اور مرتّی ہے ۔ بہرحال فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں یا انسان سب
منکشف ہوتے ہیں کہ معبودِ حقیقی صرف ایک ہی ہے ۔

ربّ المشارق

اور وہ کون ہے ؟ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا ۔ اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب
کا ۔ وہی پرورش کرنے والا یعنی ہر چیز کی اس طرح نشوونما کرنا کہ وہ بتدریج حدِ کمال
تک پہنچ جائے ، صرف اللہ تعالیٰ ، انسانوں ، جانوروں ، نباتات ، جمادات
سب کا پروردگار ہے اور اس کام میں اس کا کوئی شریک نہیں ۔ ہر چیز کی
پرورش ، نگرانی اور حفاظت اسی کے ذمہ ہے ۔

وَرَبُّ الْمَشَارِقِ اور مشرقوں کا رب بھی وہی ہے ۔ سورۃ الرحمٰن
میں رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (آیت ۔ ۱۷) بھی آیا ہے
یعنی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب بھی وہی ہے ۔ اس کے علاوہ رَبُّ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (المزمل ۔ ۹) بھی آیا ہے کہ تمام مشرقوں اور مغربوں کا
وہی پروردگار ہے ۔ غرضیکہ مشرق اور مغرب ، واحد ، تثنیہ اور جمع تینوں صیغوں میں
استعمال ہوئے ہیں ۔ جہاں واحد کا صیغہ ہے وہاں پر عام فہم معنی ہے کہ مشرق
اور مغرب کا پروردگار اللہ ہے ۔ جہاں تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے وہاں مطلب
یہ ہے کہ سردی اور گرمی ہر دو موسموں کے مشرق اور مغرب کا رب اللہ ہے ۔
ظاہر ہے کہ گرمی کے موسم میں سورج ایک جگہ سے طلوع اور دوسری جگہ غروب
ہوتا ہے ۔ جب کہ موسم سرما میں اس کا مشرق و مغرب قدرے مختلف ہوتے ہیں
اسی طرح جمع کا صیغہ استعمال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بر حقیقت ہر روز
سورج کا مشرق و مغرب مختلف ہوتا ہے ۔ چونکہ ہر روز کچھ نہ کچھ فرق پڑتا
ہے لہٰذا ان تمام مشارق و مغارب کو جمع کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے ۔ البتہ اس
مقام میں صرف مشارق کا لفظ آیا ہے اور مغارب نہیں لایا گیا ۔ مطلب یہ ہے کہ
مشرق ذکر کرنے سے مغرب خود بخود ذہن میں آ جاتا ہے کہ جب سورج نے طلوع کیا ہے

ہے ۔ وہ مغرب بھی ہوگا ۔ لہٰذا یہاں پر مغرب کا ذکر نہیں کیا گیا ۔ تو فرمایا مشرق و مغرب کا رب بھی اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے ۔

آسمانِ دنیا کی زینت

آگے ارشاد ہوتا ہے اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَةِ الْکَوَاکِبِ بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کے ساتھ زینت بخشی ہے ۔ اللہ اور اس کے رسول کے منشا کے مطابق آسمان تو سات ہیں مگر ہمیں صرف ایک ہی نظر آتا ہے جسے آسمانِ دنیا کا نام دیا گیا ہے ۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اس آسمان پر ستارے بکھیر کر اس کو خوشنما بنا دیا ہے ۔ رات کے وقت چاند اور ستارے نظر آتے ہیں ان کروڑوں ستاروں کے مختلف سائز اور مختلف رنگ ہیں ، کوئی سفیدی مائل اور کوئی سرخی مائل ، کوئی نیلگوں اور کوئی زردی مائل ہیں ۔ اللہ نے ان میں ایسی چمک پیدا کر دی ہے جیسے قندیلیں روشن ہوں ۔ فرمایا ستارے ایک تو آسمانِ دنیا کی زینت ہیں اور ان کا دوسرا کام یہ ہے وَحِفْظًا مِّنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ کہ یہ ہر سرکش شیطان سے حفاظت کا ذریعہ ہیں ۔ یہ شیطان اوپر جا کر فرشتوں کی گفتگو سننے کی کوشش کرتے تھے ۔ ان کے کان میں کوئی ایک آدھ بات پڑ گئی تو وہ آگے اپنے کاہنوں کو بتلاتے جو اس میں سو جھوٹ ملا کر اپنے سائلوں کو بتاتے اور اس طرح ان کا کام چلتا رہتا ۔ جب قرآن پاک کا نزول شروع ہوا تو شیاطین کا آسمان پر داخلہ بند ہو گیا ، چنانچہ اللہ کے فرشتے ان کو اوپر جانے سے روک دیتے ہیں اسی بات کے متعلق فرمایا لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی یہ شیطان عالمِ بالا یعنی بڑے فرشتوں کی جماعت کی باتیں نہیں سن سکتے وَیُقْذَفُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا اور یہ پھینکے جاتے ہیں وہ ہر جانب سے ، دھکیلے ہوئے ۔ جدھر بھی کوئی شیطان اوپر جانے کی کوشش کرتا ہے ، فرشتے اسے دھکیل کر پیچھے ہٹا دیتے ہیں ۔ اور ان کا طریقہ یہ ہے جیسا کہ آگے ذکر آ رہا ہے کہ ان پر شہاب پھینکے جاتے ہیں جس کی وجہ سے کوئی مر جاتا ہے اور کوئی زخمی ہو جاتا ہے ۔ اس طرح وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ان کے لیے دائمی عذاب ہوتا ہے ۔ شیاطین خود خدا کے نافرمان ہیں اور دوسروں

کو بعض ناظرین پر آمادہ کرتے ہیں۔ انسانوں کے دلوں میں بُرے وسوسے ڈالتے ہیں۔
لہٰذا انہیں ہمیشہ مار پڑتی رہتی ہے۔

فرمایا إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ پھر شیاطین میں سے کسی نے اگر چوری کرنے کے باوجود فرشتوں سے کوئی بات اچک لی، اس نے کوئی بات سن لی فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ جلتا ہوا شہاب گر جاتا ہے

اور وہ دیکھیے جو مانے، شیاطین کی یہ کوشش جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گی اگر وہ انسانوں کو حتی الامکان گمراہ کر سکیں، تاہم شہاب ثاقب بھی ان کا پیچھا کرکے ان کو بھگاتے رہیں گے۔ ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ کسی پہاڑ کو سر کرنے کے لیے کتنی محنت اور کوشش کرتے ہیں۔ اکثر ناکام رہتے ہیں اور کبھی کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی بلند ترین چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ کو سر کرنے میں ڈیڑھ سو سال صرف ہوئے تھے اور تب جاکر اس میں کامیابی ہوئی تھی۔ اس طرح شیاطین بھی اوپر جاکر معلومات حاصل کرتے رہتے تھے اور اسی کوشش میں وہ مرتے بھی رہتے ہیں۔
مگر ان کے جانشین بھی جاری رکھتے ہیں اور پٹتے رہتے ہیں۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۚ
إِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝ بَلْ عَجِبْتَ
وَيَسْخَرُوْنَ ﴿١٢﴾ وَإِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿١٣﴾
وَإِذَا رَأَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿١٤﴾ وَقَالُوْٓا إِنْ هٰذَآ
إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾ ءَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّ
عِظَامًا ءَإِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿١٦﴾ أَوَاٰبَآؤُنَا الْأَوَّلُوْنَ ﴿١٧﴾
قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿١٨﴾ فَإِنَّمَا هِيَ
زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿١٩﴾
وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿٢٠﴾ هٰذَا
يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢١﴾ ع
اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا
يَعْبُدُوْنَ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ إِلٰى
صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿٢٣﴾ وَقِفُوْهُمْ إِنَّهُمْ
مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ بَلْ
هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ
عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ قَالُوْٓا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ

تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿٢٨﴾ قَالُوا بَل لَّمْ تَكُونُوا
مُؤْمِنِينَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُم مِّن
سُلْطَانٍ ۖ بَلْ كُنتُمْ قَوْمًا طَاغِينَ ﴿٣٠﴾ فَحَقَّ
عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۖ إِنَّا لَذَائِقُونَ ﴿٣١﴾ فَأَغْوَيْنَاكُمْ
إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ﴿٣٢﴾ فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي
الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ
بِالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ
لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ:۔ پس آپ ان سے پوچھیں کہ کیا یہ زیادہ
سخت ہیں بنانے میں یا وہ جن کو ہم نے پیدا کیا ہے
بیشک ہم نے ان کو پیدا کیا ہے چپکنے والی مٹی
سے (۱۱) بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں اور یہ ٹھٹھا کرتے
ہیں (۱۲) اور جب ان کو یاد دلایا جائے تو نصیحت
نہیں پکڑتے (۱۳) اور جب یہ دیکھتے ہیں کوئی نشانی
تو ہنسی اڑاتے ہیں (۱۴) اور کہتے ہیں ،نہیں ہے یہ
مگر کھلا جادو (۱۵) کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہو جائیں
گے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے (۱۶)
کیا ہمارے آباؤاجداد بھی جو پہلے گزر چکے ہیں (۱۷)
آپ کہہ دیجئے ہاں ، اور تم ذلیل ہو گے (۱۸) اور بیشک
وہ ایک ہی ڈانٹ ہوگی ، پس اچانک وہ دیکھ رہے

ہوں گے (۱۹) اور کہیں گے وہ ہائے ہماری خرابی
یہ تو جزا کا دن ہے (۲۰) ہاں یہ فیصلے کا دن ہے
جس کو تم جھٹلاتے تھے (۲۱) (حکم ہوگا) اکٹھا کرو
ان کو جنہوں نے ظلم کیا، اور ان کے جوڑوں کو، اور
جن کی وہ پوجا کرتے تھے (۲۲) اللہ کے سوا، پس
چلاؤ ان کو جہنم کے راستے کی طرف (۲۳) اور کھڑا
کرو ان کو، بیشک ان سے پوچھا جانے گا (۲۴) کیا ہوا
ہے، تم کو، ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے (۲۵)
بلکہ وہ آج کے دن (ایک دوسرے کو) پکڑوانے والے
ہوں گے (۲۶) اور متوجہ ہوں گے بعض ان میں سے
بعض پر اور پوچھیں گے (۲۷) کہیں گے، تحقیق تم آتے
تھے ہمارے پاس داہنی طرف سے (۲۸) وہ کہیں گے
بلکہ نہیں تھے تم ایمان لانے والے (۲۹) اور نہیں تھا
ہمارے لیے تم پر کوئی غلبہ، بلکہ تم خود سرکشی کرنے
والے تھے (۳۰) پس ثابت ہو گئی ہے ہم پر بات
ہمارے پروردگار کی، بیشک ہم چکھنے والے ہیں عذاب
کا مزا (۳۱) پھر ہم نے گمراہ کیا تمہیں کیونکہ بیشک
ہم بھی گمراہ تھے (۳۲) پس یہ لوگ اس دن عذاب
میں شریک ہوں گے (۳۳) ہم اسی طرح کرتے ہیں
مجرموں کے ساتھ (۳۴) بیشک یہ لوگ کہ جب ان
کے سامنے کہا جاتا تھا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو تکبر
کرتے تھے (۳۵)

ربط آیات اس سورۃ کی ابتداء میں صف بندی کرنے والے فرشتوں کا ذکر کیا گیا اور

جن کو آج مرجانا کہہ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان کیا گیا۔ ملائکہ کی صف بندی یا انسانوں کی نماز اور عبادت کے لیے صف بندی خود اللہ کی توحید پر دلالت کرتی ہے۔ جب تمام ملائکہ اور انبیاء اور صلحائے امت اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اُسی کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں تو پھر مشرک لوگ دیویوں کو معبود مان کر ان کی نذر و نیاز کیوں پیش کرتے ہیں اور انہی سے حاجت براری کی کیسے توقع رکھتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، مالک، مربی اور متصرف ہے لہٰذا معبود حقیقی بھی وہی ہے

تخلیقِ انسانی بطور دلیل

ارشاد ہوتا ہے اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فَاسْتَفْتِهِمْ ذرا ان سے پوچھیں کہ یہ لوگ کس بنا پر اکڑ رہے ہیں اور قیامت کا انکار کرتے ہیں أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَّنْ خَلَقْنَا کیا یہ پیدائش میں زیادہ دشوار ہیں یا وہ چیزیں جن کو ہم نے پیدا کیا ہے۔ یہ انسان جیسی چھوٹی سی چیز کی دوبارہ تخلیق محال سمجھتے ہیں حالانکہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (آیت ۔۵) یعنی آسمانوں اور زمین جیسی بڑی بڑی چیزوں کے خالق و مالک اور مربی بھی ہم ہیں۔ منکرین اور مشرکین معاد سے استفسار یہ ہے کہ کیا زمین و آسمان اور ان کے درمیان والے تمام کروں کی تخلیق مشکل ہے یا تمہاری۔ مطلب یہ ہے کہ جو قادر مطلق اتنی بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کر سکتا ہے، وہ تمہیں دوبارہ کیوں نہیں پیدا کر سکتا۔ فرمایا تمہارا تو وہ تخلیق بھی زیادہ دقت نہیں۔ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ہم نے ہی نوع انسان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو چپکنے والی مٹی سے پیدا کیا اور پھر آگے نسل انسانی کو قطرہ آب سے چلایا۔ بھلا یہ کون سا کام ہے جس کا تم انکار کرتے ہو۔ فرمایا بَلْ عَجِبْتَ بلکہ آپ تعجب کرتے ہیں ان لوگوں کی حماقت پر کہ انسان کی تخلیق کو محال تصور کرتے ہیں۔ مگر ان کا حال یہ ہے وَيَسْخَرُوْنَ کہ یہ آپ کی باتوں کا تمسخر اڑا رہے ہیں کہ یہ شخص کیسی عجیب و غریب باتیں کر رہا ہے۔

منکرین کی حجت بازی

فرمایا حقیقت یہ ہے وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ جب
ان کو نصیحت کی جاتی ہے اور سمجھایا جاتا ہے کہ یہ دنیا عارضی ہے، اس
زندگی کا حساب کتاب آگے چل کر دینا پڑے گا۔ تمام مردے دوبارہ زندہ
ہوں گے اور جزا اور سزا کے فیصلے ہوں گے تو یہ لوگ کوئی نصیحت نہیں
پکڑتے۔ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً اور جب یہ لوگ کوئی نشانی دیکھتے ہیں یعنی پیغمبر علیہ السلام
کے ہاتھ پر معجزہ دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شق القمر اور دوسرے معجزات
ظاہر فرمائے۔ تو ایسی چیزیں دیکھ کر يَّسْتَسْخِرُوْنَ ہنسی مذاق کرنے لگتے ہیں
ایمان نہیں لاتے۔ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ اور کہتے ہیں
نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو۔ دوسری جگہ فرمایا کہ معجزہ دیکھ کر یہ لوگ کہتے ہیں اِنَّ هٰذَا
لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ (یونس ۲) یہ تو کھلا جادوگر ہے۔ یہ نبوت کا دعویدار شخص کہتا
ہے کہ یہ نشانی اللہ نے ظاہر کی ہے حالانکہ اس قسم کی چیزیں عام جادوگر پیش کرتے
رہتے ہیں، یہ کوئی انوکھی بات ہے۔

فرمایا یہ اتنے بد مذاق لوگ ہیں جو کہتے ہیں ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا
کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے، گوشت گل سڑ جائے گا اور مٹی میں رل
مل جائے گا اور صرف بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں گی ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ تو کیا
دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ اور کیا پہلے گزرے ہوئے
ہمارے آباؤ اجداد بھی دوبارہ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے؟ کہتے تھے یہ بات
ہماری عقل میں نہیں آتی کہ جب ہمارے ذرات مٹی میں منتشر ہو جائیں گے، تو وہ
پھر جمع ہو کر ہماری زندگی کا باعث بن جائیں گے۔

اللہ نے جواب فرمایا قُلْ نَعَمْ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں نَعَمْ ہاں
وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ تم بھی اور تمہارے آباؤ اجداد سب اولین اور
آخرین دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور تم اس انکار کی وجہ سے ذلیل ہو کر رہو گے
فرمایا جب قیامت کا دن آئے گا فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ
تو ایک ہی ڈانٹ آئے گی یعنی ایک ہی دفعہ بگل بجے گا فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ

اور وہ سب اکٹھے ہوں گے، وقوعِ قیامت کے بگل کے ساتھ ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور ذلیل و خوار ہو کر سزا کی طرف جائیں گے، اُس وقت اُن کا سارا غرور و تکبر ہوا ہو جائے گا، بڑے بڑے چوہدری، رئیس، کارخانہ دار، روپے اور جاگیر دار ذلت کی حالت میں فرشتوں کے آگے آگے چل رہے ہوں گے۔ اُس وقت اُن کو حقیقت کا پتہ چلے گا، اور پھر کفِ افسوس ملتے ہوئے کہیں گے وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ لئے افسوس ہمارے یہ تو بدلے کا دن آ گیا ہے۔ اللہ کے نبی اسی دن سے ہمیں ڈرایا کرتے تھے، مگر ہم اس سے انکار کرتے اور نبیوں کا مذاق اڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ یہ وہ فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اور کہتے تھے، کہ کوئی قیامت نہیں آئے گی، نہ کوئی دوبارہ زندہ ہوگا، نہ حساب کتاب ہوگا اور نہ جزا و سزا کے فیصلے ہوں گے۔ فرمایا دیکھو یہ فیصلے کا دن آ چکا ہے۔ آج تمہیں پوری زندگی کے اعتقاد و اعمال کا حساب دینا ہوگا اور تمہیں اس کا بدلہ ملے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ ان ظالموں اور ان کے جوڑوں کو اکٹھا کرو۔ جو نزاع بھی کفر، شرک، تجاوز، قتلِ ناحق، زنا، چوری، ڈاکہ، حق تلفی اور دیگر جرائم میں ملوث ہے، اُن کو اکٹھا کر لو اور ان کی بیویاں بھی اگر شریک جرم تھیں تو ان کو بھی ساتھ ملا لو۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جوڑوں کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر مجرم کو اُس کے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ ٹولیوں میں جمع کرو جیسا فارسی کہتے ہیں۔ دوزخ کی طرف ہانکو

"کند ہم جنس باہم جنس پرواز"

سب کو علیحدہ علیحدہ قطاروں میں بنا دو اور ساتھ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اُن مجبوروں باطلہ کو بھی اکٹھا کر لو جن کی یہ اللہ کے سوا پرستش کیا کرتے تھے۔ یہ مجبر وہ جن ہستیوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے تھے اور جن

کے سامنے خود دنیا کو پیش کرتے تھے۔ ان کو بھی ان کے ساتھ یہاں جمع کرو۔
فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ پھر انہیں ہانک کر جہنم کے
کے راستے کی طرف لے چلو۔

پھر فرمایا وَقِفُوهُمْ ان کو ذرا کھڑا کرو، روکو کیونکہ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ ان سے پوچھا جائے گا۔ ان کو ذرا روکو کہ ان سے ان کی کارکردگی کے متعلق باز پرس ہوگی۔ سورۃ النحل میں ہے کہ اس دن ہر شخص سے اس کے ہر عمل کے متعلق پوچھا جائے گا۔ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَن نَّفْسِهَا (آیت-۱۱۱) اس دن ہر شخص کو اپنی جوابدہی خود کرنا ہوگی۔ وہاں کسی کو وکیل مقرر نہیں کیا جاسکے گا اور نہ کسی کو مختار نامہ دینے کی اجازت ہوگی۔ ہر ایک کو بلا ترجمان اللہ کے حضور ہر عمل کا جواب اصالتاً دینا پڑے گا۔ اور جب تک کوئی شخص جواب نہیں دے گا۔ اسے قدم تک نہیں اٹھانے دیا جائے گا۔ پھر اللہ فرمائے گا دنیا میں تو ایک دوسرے کے بڑے حمایتی بنے پھرتے تھے، بڑے نعرے مارا کرتے تھے۔ اور اکٹھے جینے اور مرنے کی قسمیں کھاتے تھے مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ تمہیں کیا ہے کہ آج ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ مگر ان کی حالت یہ ہو گی بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ اس دن تو سب ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش کریں گے تاکہ وہ خود کسی طرح بچ جائیں اس وقت تو کہتے تھے نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ (القمر ۴۴) کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے اب کیوں مدد نہیں کرتے بلکہ عجیب تماشہ ہے۔ اس دن سب بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔

اور آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کریں گے کہ تو نے ہمیں مروا دیا۔

تابع اور متبوع کا مکالمہ

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ان میں سے بعض بعض پر متوجہ ہوں گے اور پوچھیں گے قَالُوا إِنَّكُمْ كُنتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ کہیں گے کہ تم ہمارے دائیں طرف سے آتے تھے مطلب یہ کہ تم بڑی قوت کے ساتھ اپنے پروپیگنڈا کا شکار ہمیں بناتے

تھے وہیں اپنا ہم خیال بنانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے تھے کبھی لالچ دیتے اور کبھی خوفزدہ کرتے ہیں مگر آج کیا ہو گیا ہے ہمارا اور ہماری مدد کیوں نہیں کرتے؟ قَالُوْا وہ جواب دیں گے بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ بلکہ تم خود ہی ایمان سے خالی تھے۔ اگر تم ایماندار ہوتے تو ہمارے بہکاوے میں نہ آتے۔ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ہمارا تم پر کوئی زور تو نہیں تھا کہ ہم نے تمہیں زبردستی غلط رستے پر ڈال دیا ہو۔ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ بلکہ تم خود ہی حد سے بڑھنے والے سرکش لوگ تھے جبکی وجہ سے آج تمہیں یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے۔ تم اپنا ہی روز جیسے انسانوں کا مکالمہ ہو رہا ہے، تو یہ ہی حال ان شیطانوں کا بھی ہے کہ قرآن کو انکار کرے گا اور اس کے پیچھے چلنے والے ہمراہ ہو کر رہ جائیں گے یہ لوگ شیطان سے کہیں گے کہ تم دیا ہیں ہمیں بڑے سبز باغ دکھاتے تھے، ہماری نظروں میں دنیا کی زیب و زینت اور رسم و رواج کو مزین کر کے دکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ آگے کچھ نہیں ہے، سب آج ہماری مدد کیوں نہیں کرتے؟ تو اس وقت شیطان بھی یہی جواب دے گا وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ (ابراہیم ۲۲) مجھے تم پر کوئی غلبہ تو حاصل نہیں تھا کہ میں نے تمہیں زبردستی اپنے پیچھے لگا لیا ہو بلکہ میں نے تمہیں ایک دعوت دی تھی ہے تم نے بخوشی قبول کر لیا، لہٰذا فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (ابراہیم ۲۲) آج مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو جو غلط رستے پر چل نکلے۔ تمہیں اللہ کے نبیوں اور مبلغین کی بات پر تو یقین نہ آیا مگر میرے جھوٹے وعدے کو سچا مان لیا، لہٰذا اس بدعملی کے ذمہ دار تم خود ہو۔ تو یہ متبوعین بھی اپنے تابعین سے کہیں گے کہ تم نے ناصحین کی نصیحت پر عمل نہ کیا بلکہ ان کی خیر خواہی کو محض مذاق میں اڑاتے رہے۔ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا آج ہم پر ہمارے رب کی بات سچی ہو گئی۔ اس کا اعلان تھا کہ جو کوئی سیدھا رستہ چھوڑ کر غلط رستہ اختیار کرے گا، کفر، شرک اور معاصی کا ارتکاب کرے گا

تو وہ عذاب کا مستحق ہونا لازم۔ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ۔ تحقیق ہم اس عذاب کا مزہ چکھنے والے ہیں، اور تم بھی ہمارے ساتھ شامل ہو۔

پھر متبوعین اپنے تابعین کے سامنے اقرار کریں گے فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ کہ ہم نے ہی تمہیں گمراہ کیا کیونکہ ہم خود گمراہی کے راستے پر چل رہے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی گمراہ آدمی سے گمراہی کی توقع ہی کی جاسکتی ہے وہ ہدایت کا راستہ کیسے دکھا سکتا ہے؟

عذاب میں اشتراک

جب دونوں گروہوں کی گمراہی ثابت ہو جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ کہ تابع اور متبوع لیڈر اور پیچھے لگنے والے سب مشترکہ طور پر عذاب کا شکار ہوں گے، اور ان میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکے گا۔ اللہ کا فرمان ہے اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ہم گنہگار لوگوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں۔ جو ہماری آیات پر ایمان نہیں لاتے۔ ہمارے نبیوں کی تکذیب کرتے ہیں اور ہماری کتابوں کی تحقیر کرتے ہیں۔ وہ عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ ان مجرموں کا حال یہ ہے اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ مالک، نہ عالم الغیب ہے اور نہ مختار کل، نہ حاجت روا اور مشکل کشا تو یہ لوگ يَسْتَكْبِرُوْنَ تکبر کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم بڑے لیڈر، جاگیردار اور کارخانہ دار ہیں، سینکڑوں ہزاروں آدمی ہمارے ماتحت ہیں۔ اگر ہم نے ایک معبود کو تسلیم کر لیا، تو ہماری چودھراہٹ کدھر جائے گی، اور لوگ ہماری پوجا کیسے کریں گے، لہٰذا وہ کلمہ توحید کا انکار کر دیتے ہیں۔ فرعون، ہامان، نمرود یہ سب اسی غرور و تکبر کا شکار ہو کر ہلاک ہوئے۔ ابوجہل، ابی ابن خلف سب بھی اسی مرض میں مبتلا ہو کر جہنم واصل ہوئے۔ ابلیس بھی تکبر کی وجہ سے ہی راندہ ہوا۔ ایسے تمام لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے جرم کی نوعیت کے مطابق درجہ بدرجہ عذاب میں مبتلا کرے گا۔

وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ﴿٣٦﴾
بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٧﴾ إِنَّكُمْ
لَذَائِقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ﴿٣٨﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا
مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٩﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾
أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ وَهُم
مُّكْرَمُونَ ﴿٤٢﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٤٣﴾ عَلَىٰ
سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٤٤﴾ يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ
مِّن مَّعِينٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ﴿٤٦﴾ لَا
فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ ﴿٤٧﴾
وَعِندَهُمْ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿٤٨﴾
كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ ﴿٤٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ
عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٥٠﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ
إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿٥١﴾ يَقُولُ أَئِنَّكَ لَمِنَ
الْمُصَدِّقِينَ ﴿٥٢﴾ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَ
عِظَامًا أَئِنَّا لَمَدِينُونَ ﴿٥٣﴾ قَالَ هَلْ أَنتُم
مُّطَّلِعُونَ ﴿٥٤﴾ فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٥٥﴾

قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿٥٦﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ
رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَمَا نَحْنُ
بِمَيِّتِيْنَ ﴿٥٨﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ
بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيْمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ
الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾

ترجمہ:- اور وہ کہتے ہیں کیا ہم چھوڑنے والے ہیں
اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی وجہ سے (۳۶)
نہیں بلکہ وہ لایا ہے حق کو اور اس نے تصدیق کی ہے
اللہ کے رسولوں کی (۳۷) بیشک تم چکھنے والے ہو دردناک
عذاب (۳۸) اور تم کو نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر وہ جو
تم کیا کرتے تھے (۳۹) لیکن اللہ کے مخلص بندے (۴۰)
وہ ہیں جن کے لیے روزی ہے مقرر (۴۱) پھل ہوں گے
اور ان کی عزت کی جائے گی (۴۲) نعمتوں کے باغوں
میں (۴۳) تختوں میں آمنے سامنے بیٹھنے والے ہوں گے (۴۴)
پھیرے جائیں گے ان پر پیالے صاف شراب کے (۴۵)
سفید رنگ اور لذت آمیز ہوگی پینے والوں کے لیے (۴۶)
نہ اس کے اندر سرگرانی ہوگی اور نہ اس کی وجہ سے وہ
بدمست ہوں گے (۴۷) اور ان کے پاس نیچی نگاہوں اور
خوبصورت آنکھوں والی عورتیں ہوں گی (۴۸) جیسا کہ وہ
انڈے ہیں پوشیدہ، محفوظ رکھے ہوئے (۴۹) پس متوجہ

ہوں گے بعض ان میں سے بعض کی طرف اور ایک دوسرے سے پوچھیں گے (۵۰) ایک کہنے والا اُن میں سے کہے گا، بیشک تھا میرے لیے ایک ساتھی (۵۱) جو کہتا تھا، کیا تم تصدیق کرنے والوں میں سے ہے (۵۲) کہ جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی اور ہڈیاں، تو کیا ہم بدلہ دیے جائیں گے (۵۳) کہے گا کیا تم جھانک کر دیکھنے والے ہو (۵۴) پس وہ جھانکے گا اور دیکھے گا اُس کو دوزخ کے درمیان (۵۵) اور کہے گا اللہ کی قسم قریب تھا کہ تو مجھ کو بھی ہلاک کر دیتا (۵۶) اور اگر نہ ہوتی میرے پروردگار کی نعمت تو ہوتا میں بھی پکڑ کر حاضر کیے ہوئے مجرموں میں (۵۷) پس کیا ہم نہیں ہیں مرنے والے (۵۸) مگر وہی پہلی موت، اور نہیں ہم کو سزا دی جائیگی (۵۹) بیشک یہ البتہ بڑی کامیابی ہے (۶۰) اس جیسی کامیابی کے لیے پس چاہیے کہ عمل کریں عمل کرنے والے (۶۱)

ربطِ آیات اسلام کے بنیادی عقائد میں سے گزشتہ آیات میں اللہ نے توحید کے دلائل پیش کیے اور مشرکوں کا رد کیا۔ اُن کے تکبر و غرور اور قیامت کو ہونے والے انجام کو بیان کیا۔ اللہ نے حشر میں پیش آنے والے واقعات کا بھی کچھ نقشہ کھینچا اور آخر میں مجرموں کی سزا کا ذکر کیا کہ تابع اور متبوع سب جہنم واصل ہوں گے۔ فرمایا ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جب ان سے توحیدِ خداوندی کا اقرار کرنے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اُلٹا تکبر کرتے ہیں۔

شرک پر اصرار تمام تر عقلی اور نقلی دلائل پیش کرنے کے باوجود مشرکین اپنے شرک پر اصرار کرتے تھے وَيَقُولُونَ اور کہتے تھے اَئِنَّا لَتَارِكُوٓا اٰلِهَتِنَا

لَشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں؟ (العیاذ باللہ) مشرک لوگ نبی علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے کی بجائے آپ کو شاعر اور مجنون کہہ کر انکار کر دیتے تھے کہتے تھے کہ اس کا دماغ چل گیا ہے (العیاذ باللہ) یہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ سورۃ ص میں ہے کہ کفار و مشرکین دعوت توحید کے جواب میں کہتے أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (آیت-۵) کیا ہم سب معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک ہی معبود پر اکتفا کریں، یہ تو بڑی عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ کائنات کا سارا انتظام صرف ایک ہی خدا چلا سکے گا۔ مشرک لوگ یہ بھی کہتے مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هَٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ (ص-۷) ہم نے یہ بات پہلے لوگوں سے تو نہیں سنی، یہ تو خود ساختہ بات ہے۔ لہٰذا ہم اس شخص کی بات سننے کے لیے تیار نہیں اور اپنے معبودوں کو کسی صورت میں نہیں چھوڑ سکتے۔

اللہ نے فرمایا کہ اس کا نبی نہ تو شاعر ہے، نہ مجنون اور نہ کاہن بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ بلکہ وہ تو سچی بات لے کر آیا ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ اور اس نے اللہ کے تمام رسولوں کی تصدیق کی ہے۔ اللہ کے ہر نبی اور رسول نے ہمیشہ یہی تعلیم دی ہے يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (الاعراف-۵۹) اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ غرضیکہ اللہ کا رسول نہ تو شاعر ہے اور نہ دیوانہ بلکہ سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہے اور اس سارے سلسلے کی تصدیق کرنے والا ہے۔

شرک کا وبال

فرمایا اگر پھر بھی کفر اور شرک سے باز نہیں آؤ گے إِنَّكُمْ لَذَائِقُو الْعَذَابِ الْأَلِيمِ تو پھر تمہیں المناک عذاب کا مزا چکھنا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ قیامت والے دن کسی شخص کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی کہ اسے بن کئے گناہ کی سزا دی جائے بلکہ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ

تصدیق صرف اسی بات کا بدلہ ہے گا جو تم کرتے تھے۔ یہ دردناک عذاب تمہاری گستاخی، بے ادبی، انکار توحید، تکذیب رسل اور انکار معاد کا نتیجہ ہے۔ انسان کا ہر عمل اس کے نفس سے پھوٹتا ہے۔ خدا نے ہر نفس میں اس کا بیج اور استعداد رکھی ہے۔ یہ عمل انسان کے نفس میں ہی پھلتا پھولتا ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی چمٹ کر محفوظ ہو جاتا ہے۔ جو کہ قیامت کو ظاہر ہو جائے گا اور پھر اس کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ ہو گا۔

مخلصین کے لیے انعامات

فرمایا اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ البتہ اللہ کے مخلص بندے اس عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ اور یہ وہی خوش قسمت لوگ ہیں جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں، صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ وقوع قیامت اور جزائے عمل پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں اور اس کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ایسے لوگوں کے لیے مقررہ روزی ہو گی اور یہ وہی انعامات ہیں جن کا ذکر اللہ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے۔ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ (واقعہ - ۳۳) یہ روزی نہ کم ہو گی۔ اور نہ ہی اہل جنت سے روک لی جائے گی۔ بلکہ ان کو ان کی ہر پسندیدہ چیز وافر میسر ہو گی۔ اور ہر چیز حسب ضرورت بُكْرَةً وَّعَشِيًّا (مریم - ۶۲) صبح شام ملے گی وہاں پر ہر چیز قرینے کے ساتھ رکھی ہو گی اور مقررہ پروگرام کے مطابق ہر چیز باعزت طریقے سے مہیا کی جائے گی۔

اللہ نے فرمایا فَوَاكِهُ وہاں پر طرح طرح کے پھل ہوں۔ جنت میں بھوک پیاس تو نہیں ہو گی، البتہ پھل لطف اندوزی کے لیے مہیا کیے جائیں گے۔ وہاں پر کھانا پینا بھی بھوک اور پیاس کے لیے نہیں بلکہ محض لطف حاصل کرنے کے لیے ہو گا۔ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ اور وہ باعزت ہوں گے یعنی ہر چیز نکل باعزت طریقے سے پیش کی جائے گی اور کسی جنتی کے عزت نفس کے خلاف کوئی چیز نہیں ہو گی۔ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ یہ سب چیزیں نعمتوں کے

با فراغت بیٹھیں گے۔ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ وہ وہاں پر تختوں پر آمنے سامنے بیٹھنے والے ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی طرف پشت نہیں ہوگی بلکہ آمنا سامنا ہوگا۔ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ان پر صاف ستھری شراب کے پیالے پھیرے جائیں گے۔ معین دراصل ابلنے والے چشمے کو کہتے ہیں۔ جو بالکل صاف شفاف ہوتا ہے۔ اس کا اطلاق جنت کی پاکیزہ شراب پر کیا جاتا ہے جس کی نہریں چل رہی ہوں گی۔ جو کہ بَيْضَاۤءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ان کی رنگت سفید ہوگی اور پینے والوں کے لیے نہایت لذت آور ہوں گی۔ سورۃ محمد میں بھی جنت کی نہروں کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہاں پر بغیر بُو کے پانی کی نہریں ہوں گی۔ دودھ کی نہریں ہوں گی جن کا مزہ تبدیل نہیں ہوگا شراب کی نہریں ہوں گی جو سراسر لذت کا باعث ہوں گی اور شہد مصفّٰی کی نہریں جاری ہوں گی۔

فرمایا، ایسے مشروب ہوں گے لَا فِيْهَا غَوْلٌ کہ اس میں کوئی سرگرانی نہیں ہوگی یعنی پی کر سر بوجھل نہیں ہوگا وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ اور نہ ہی وہ اس سے بدمست ہوں گے۔ اس دنیا کی شراب میں تو نشہ اور بہت سی خرابیاں ہوتی ہیں جو انسان کو بدحواس کر دیتی ہیں اور پھر بعض لوگ گالیاں بکنے لگتے ہیں اور شور شرابہ کرتے ہیں مگر جنت کی شراب کے متعلق فرمایا وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (الدھر) اللہ تعالیٰ جنتیوں کو پاکیزہ شراب پلائے گا جس سے لذت و سرور تو حاصل ہوگا مگر پینے والا بدمست نہیں ہوگا۔ یہاں پر يُنْزَفُوْنَ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ دراصل نزف کنوئیں سے پانی کھینچنے کو کہتے ہیں۔ جس طرح پانی کنوئیں سے کھینچا جاتا ہے اسی طرح دنیا کی شراب شرابی کی عقل کو کھینچ باہر کرتی ہے اور آدمی بدمست ہو جاتا ہے۔ بہرحال جنت میں ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ بلکہ پاکیزہ شراب کے جام چلیں گے جو کہ نہایت ہی پُرکیف ہوں گے۔

خوب سیرت و خوبصورت حوریں

لطف و سرور کے لیے عورت کا ہونا بھی ضروری ہے اور جنتی اس سے

بھی محروم نہیں رہیں گے۔ فرمایا وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ
(ان کے پاس ہوں گی) نیچی نگاہوں والی اور نگاہیں نیچی رکھنے والی عورتیں۔ وہ صرف
اپنے خاوندوں کو [illegible] گی اور اُن کی نظروں میں حسین وجمیل دکھائی دیں گے
نگاہیں نیچی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جنت کی عورتیں نہایت ہی حیادار ہوں گی کہ
حیا عورت کا زیور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے کہ آپ نے مدین کے
کنوئیں پر دو لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ پھر گھر جا کر انہوں نے اس بات کا ذکر
اپنے باپ شعیب علیہ السلام سے کیا۔ پھر جب باپ کی اجازت سے ایک لڑکی
موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے آئی تو قرآن کا بیان ہے فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا
تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ (القصص - ۲۵) اُن دو میں سے ایک لڑکی
نہایت حیاداری کے ساتھ چلتی ہوئی آئی۔ حیا صرف عورتوں ہی کا حصہ نہیں بلکہ مردوں
کے لیے بھی ضروری ہے۔ سورۃ نور میں اللہ نے مردوں اور عورتوں دونوں صنفوں
کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا
مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (آیت - ۳۰)
وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ
فُرُوْجَهُنَّ (آیت - ۳۱) مرد بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی
حفاظت کریں اور عورتیں بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت
کریں اور اپنے محرموں کے علاوہ کسی کے سامنے اپنی زینت کا اظہار نہ کریں۔ یعنی
غیر محرموں سے پردہ کریں۔ اسلام نے تمدنی زندگی کے سارے اصول بیان کیے
ہیں جنہیں اپنا کر دنیا میں امن قائم کیا جا سکتا ہے۔ مگر آج جدید دور میں پورے
معاشرے کو تباہ کر دیا گیا ہے۔ انگریزی تہذیب میں عورتوں کی عزت اس
بات میں ہے کہ وہ غیر مردوں کے ساتھ اختلاط رکھیں، بے پردہ نکلیں، مصافحے
کریں اور گپیں ہانکیں۔ حقیقت میں یہ تو عورت کی تذلیل ہے جسے شمع محفل
بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔

اسی مغربی تہذیب کے متعلق مجھے مصر کا ڈاکٹر جیسر لکھتا ہے کہ یورپ کی پینتالیس فیصد کی آبادی میں سے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ صرف پینتالیس افراد بھی حلال کے ہوں گے۔ بے حیائی اس قدر عام ہے کہ حلال اور حرام کی تمیز ہی ختم ہو گئی ہے۔ اب عورت دفتروں، فیکٹریوں، ہسپتالوں حتی کہ گھروں میں ہر دوسرے کے شانہ بشانہ چل رہی ہے۔ فوج، پولیس اور فضائی کمپنیوں میں موجود ہے۔ جہاں مردوں سے عام خلط ملط ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ فلموں، ڈراموں اور ناچ گانے کے پروگراموں میں عورت کو اولیت حاصل ہے۔ ان حالات میں حیاداری کیسے قائم رہ سکتی ہے؟ عورتوں کی غیر ضروری آزادی ترقی نہیں بلکہ تنزل کی علامت ہے۔

فرمایا جنت کی حوریں اس قدر خوبصورت ہوں گی كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ گویا کہ چھپے ہوئے انڈے ہیں۔ عرب لوگ عام طور پر خوبصورت عورت کو شتر مرغ کے انڈے سے تشبیہ دیتے ہیں جو کہ بالکل شفاف اور اوپر سے ڈھانپا ہوا اور شتر مرغ کے پروں کے نیچے چھپایا ہوا ہو۔ سورۃ الواقعہ میں حُورٌ عِينٌ ۝ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ (آیت ۲۲،۲۳) بھی آیا ہے یعنی بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں جیسے حفاظت سے رکھے ہوئے آب دار موتی ہوں۔ مطلب یہ کہ جنت کی حوریں نہایت ہی خوبصورت ہوں گی۔ جن کے ساتھ جنتی لوگ دل بہلائیں گے۔

جنتی اور دوزخی کی ملاقات

جنتیوں کے بعض انعامات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ پھر ان میں سے بعض ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے۔ جب جنت میں پہنچ گئے، تمام انعامات مل گئے، پھر کچھ پرانی یادیں بھی آئیں گی۔ جن کے متعلق جنتی آپس میں گفتگو کریں گے قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ دنیا میں میرا ایک ساتھی، رفیق یا دوست ہوا کرتا تھا۔ جس کے ساتھ اکثر گفتگو و شنید ہوتی رہتی تھی۔ يَقُولُ أَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ وہ کہتا تھا کہ کیا تو اس بات کی تصدیق کرتا ہے یعنی تیرا

جنت میں پہنچائے اس کے لیے اس سے بڑی کامیابی کیا ہو سکتی ہے۔

پھر فرمایا لِمِثْلِ هٰذَا اس جیسی کامیابی حاصل کرنے کے لیے فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ پس چاہیئے کہ عمل کریں عمل کرنے والے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص مذکورہ شخص کی طرح عظیم کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ [illegible] کے احکام کے مطابق اعمال انجام دے، کفر، شرک اور معصیت سے باز رہے۔ بندوں کے حقوق ادا کرے اور پھر دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی ایسی ہی کامیابی عطا فرمائے۔

اس مقام پر یہ نقطہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جنت کی ہر نعمت خواہ وہ پانی ہو یا پھل ہوں یا حورت، ہر قابلِ قدر ہے اور کسی بھی نعمت کو حقیر سمجھ کر ٹھکرانا نہیں چاہیئے بعض لوگ ان مادی نعمتوں کو حقیر سمجھتے ہیں کہ صرف روحانی نعمتوں کی خواہش کرتے ہیں مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر بیان لکھتے ہیں کہ جنت کی ہر نعمت مقصود ہے کیونکہ اللہ نے ان چیزوں کو فوزِ عظیم سے تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ہمیں ان چیزوں کی ضرورت نہیں، کفرانِ نعمت کے زمرہ میں آتا ہے۔ ہر انسان کو ان چیزوں کی خواہش ہونی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں پہنچائے اور تمام مادی اور روحانی نعمتوں سے سرفراز فرمائے، تو فرمایا ان نعمتوں کے حصول کے لیے لوگوں کو سخت مشقت کرنی چاہیئے اور عبادت اور ریاضت کے ذریعے اپنے مولا کو راضی کرنا چاہیئے تاکہ انہیں یہ بہت بڑی کامیابی حاصل ہو جائے۔

---

[1] بیان القرآن ص۔۔۔ (فیاض)

قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ۔ آواز آئے گی کیا تم اپنے اس ساتھی کا حال معلوم کرنا چاہتے ہو جو حشر نے عمل کا انکار کیا کرتا تھا یہ سوال خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا یا کوئی فرشتہ کہیگا کہ تم اپنے ساتھی کے حالات سے مطلع ہونا پسند کرتے ہو یا مومن اس بات کی خواہش کرے گا ۔ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ پس وہ جھانک کر دیکھے گا تو اپنے ساتھی کو دوزخ کے درمیان میں پائے گا ۔ اللہ تعالیٰ ایسا انتظام کرے گا کہ جنتی آدمی جنت میں بیٹھے ہوئے کئی میل دور جہنم میں اپنے ساتھی کو دیکھ سکے گا ۔ پھر وہ دونوں آپس میں مکالمہ کریں گے ۔ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ مومن آدمی اپنے سابقہ ساتھی سے کہے گا کہ قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتا ۔ مطلب یہ کہ تم مجھے بھی کہتے تھے کہ قیامت وغیرہ کچھ نہیں ہے جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے ۔ اگر میں بھی تمہارے کہنے میں آکر ایمان گنوا بیٹھتا تو آج تمہارے ساتھ میں بھی جہنم میں ہوتا ۔ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ اور اگر میرے رب کا فضل مجھ پر نہ ہوتا تو میں بھی گرفتار شدہ مجرموں میں شمار ہوتا ۔ بلکہ حضور نے مجھ پر کرم فرمائی کی اور مجھے ایمان کی دولت سے مالا مال کیا جس کی وجہ سے میں آج جنت کی نعمتوں میں ہوں اور تم یہاں دوزخ میں جل رہے ہو ۔

بہت بڑی کامیابی

پھر وہ مومن آدمی اپنے انجام پر بہت خوش ہوگا اور یہ کہے گا ۔ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ کیا ہم نہیں ہیں مرنے والے یعنی اب ہم پر موت نہیں آئے گی ، اور ہم جنت کے مقام میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے ۔ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی مگر یہی موت جو ہمیں دنیا میں ایک دفعہ آ چکی ہے ۔ اب اس کے بعد کوئی موت نہیں آئے گی ، نہ ہماری یہ زندگی ختم ہوگی اور نہ یہ نعمتیں ہم سے چھینی جائیں گی ۔ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ اور نہ ہی اب ہمیں کوئی سزا دی جائے گی ۔ اللہ نے ہمیں ہر قسم کی تکلیف اور پریشانی سے بری کر دیا ہے ۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ اور یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہے ۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ سعادت کے

شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں ۶۵ پس بیشک یہ لوگ البتہ کھانے والے ہیں اس سے ۔ پس بھرنے والے ہیں اس سے اپنے پیٹ ۶۶ پھر بیشک ان کے لیے اس پر البتہ ملاوٹ ہوگی کھولتے ہوئے پانی سے ۶۷ پھر بیشک ان کو لے جانا جہنم کی طرف ہوگا ۶۸ بیشک انہوں نے پایا اپنے آباؤ اجداد کو گمراہ ۶۹ پس وہ ان کے نقشِ قدم پر دوڑے جاتے ہیں ۷۰ اور البتہ تحقیق گمراہ ہوئے ان سے پہلے بہت سے لوگ ۷۱ اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجے ان میں ڈر سنانے والے ۷۲ پس دیکھو کیسا ہوا انجام ڈر سنائے ہوئے لوگوں کا ۷۳ لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ۷۴

ربط آیات

توحید کے بیان کے بعد جزائے عمل کے سلسلے میں اللہ نے اپنے مخلص بندوں کا ذکر فرمایا اور ان کو جنت میں ملنے والے انعامات کی ایک جھلک پیش کی ۔ اللہ نے ان کے سکون و راحت والی بیویوں اور ان کے عزت کے مقام کا ذکر کیا ۔ اس عیش و آرام کی زندگی میں انہیں دنیا کے بعض ساتھیوں کی یاد بھی آئے گی اور وہ انہیں جہنم میں پاکر ان سے بات چیت کریں گے ۔ انعاماتِ الٰہیہ کا شکر ادا کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو آج ہم بھی تمہارے ساتھ جہنم میں ہوتے ۔ اللہ کی رحمت سے ہم نے ایمان قبول کیا اور ہدایت کے راستے پر گامزن ہوئے تو اللہ نے ہمیں راحت کے اس مقام تک پہنچایا ، جہاں ہم ہمیشہ کی زندگی گزاریں گے ۔ موت جو آنی تھی وہ دنیا میں آچکی ۔ اب ہم پر کبھی موت طاری نہیں ہوگی ۔ اور نہ کوئی تکلیف پہنچے گی ۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے جس کے لیے ہر شخص کو کوشش اور محنت کرنی چاہیئے ۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝۶۲ اِنَّا
جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝۶۳ اِنَّهَا شَجَرَةٌ
تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝۶۴ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ
رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝۶۵ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا
فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝۶۶ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ
عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝۶۷ ثُمَّ اِنَّ
مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ۝۶۸ اِنَّهُمْ
اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝۶۹ فَهُمْ عَلٰٓى
اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ۝۷۰ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ
اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۷۱ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ
مُّنْذِرِيْنَ ۝۷۲ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُنْذَرِيْنَ ۝۷۳ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۷۴ ع ۲

ترجمہ: بھلا کیا یہ بات بہتر ہے باعتبار مہمانی کے یا تھوہر
کا درخت (۶۲) بیشک ہم نے بنایا ہے اس کو آزمائش
ظلم کرنے والوں کے لیے (۶۳) تحقیق وہ ایک درخت
ہے جو نکلتا ہے جہنم کی جڑ سے (۶۴) اس کے خوشے

بر خلاف اہل ایمان جانتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے تو وہ آگ میں بھی درخت پیدا کر سکتا ہے جیسا کہ معراج کا غیر معمولی واقعہ پیش کیا۔ علاوہ ازیں کافر لوگ اس واقعہ کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے، مگر یہ حقیقت ہے۔ بہرحال تھوہر کو دو وجوہ سے آزمائش کا باعث بنایا گیا ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کو کھانے میں بڑی تکلیف ہوگی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ دنیا میں اس کا انکار کر کے فتنہ میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

اس درخت کی مزید تفصیل کے طور پر فرمایا اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ یہ ایک درخت ہے جو جہنم کی جڑ سے نکلتا ہے یعنی جہنم کے اندر ہی پیدا ہوتا ہے طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ اس کے خوشے یا کونپلیں ایسے بدنما ہیں۔ جیسا کہ شیطانوں کے سر ہوتے ہیں۔ یہ تشبیہ دو وجوہ کی بنا پر ہو سکتی ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ شیطان کے ساتھ مناسبت اس کی بدشکلی کی وجہ سے ہے۔ اگر کوئی شخص پراگندہ صورت ہو، بال بکھرے ہوئے ہوں تو اُسے جن بھوت کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے موطا امام مالک میں یہ روایت[1] آتی ہے کہ ایک شخص پراگندہ بال اور خستہ حالت میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے اُسے تنبیہ فرمائی کہ شیطان جیسی بدشکل نہ بنایا کرو بلکہ اپنے بالوں کو درست کر کے صفائی کا خیال رکھا کرو۔ بہرحال چونکہ شیطان بھی بدشکل ہے اور تھوہر کا درخت بھی، لہٰذا ان کو آپس میں مناسبت ہے۔

بعض فرماتے[2] ہیں کہ اس مقام پر شیاطین سے مراد سانپ ہیں۔ تھوہر اور سانپ کا سر تقریباً یکساں بناوٹ کا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو سانپ

---

[1] موطا امام مالک ص

[2] روح المعانی ص ۹۲ ج ۲۳ و خازن ص ۴۳ ج ۶ و مدارک ص ۲۳ ج ۴ (فیاض)

تھوہر کا درخت

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے انعامات اور دوزخیوں کی تعذیبات کا مقابلہ کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے أَذَٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا کیا یہ مہمانی بہتر ہے؟ مطلب یہ کہ کیا اللہ کی طرف سے ملنے والا آرام و راحت باعتبار مہمانی بہتر ہے اور شَجَرَةُ الزَّقُّومِ یا تھوہر کا درخت بہتر ہے۔ اللہ نے کئی مقامات پر اپنے انعامات کو اہلِ جنت کے حق میں مہمان نوازی قرار دیا ہے۔ مثلاً سورۃ آل عمران کے آخر میں متقین کے لیے باغات اور ان کے سامنے بہنے والی نہروں کا ذکر کر کے فرمایا نُزُلًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ (آیت-۱۹۸) یہ اللہ کے ہاں ان کی مہمانی ہوگی۔ دوسرے مقام پر ایسے ہی تذکرہ کے بعد فرمایا نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ (حٰمٓ سجدۃ-۳۲) یہ بخشش کرنے والے اور مہربان خدا تعالیٰ کی طرف سے مہمانی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے استفہامیہ انداز میں فرمایا ہے کہ کیا یہ مہمانی بہتر ہے یا تھوہر کا درخت؟ تم ان میں سے کس چیز کو پسند کرتے ہو۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی ہے۔ ادھر تھوہر کا درخت ہے جو جہنمیوں کی خوراک ہے اور جس کے متعلق سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ (آیت-۶۰) کہ یہ ملعون درخت ہے۔ تھوہر کے درخت کا ذکر سورۃ واقعہ اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آیا ہے۔ تھوہر اس قدر کڑوا اور بدمزہ ہے کہ جہنمیوں کے گلے میں اٹک کر رہ جائے گا۔

فرمایا إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِّلظَّالِمِينَ ہم نے اس درخت کو ظلم کرنے والوں یعنی کفر، شرک اور تعدی کرنے والوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ دنیا میں یہ لوگ اس درخت کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ دوزخ یعنی آگ میں کوئی درخت کیسے ہو سکتا ہے! کچھ ذہن کے لوگ شک کرتے تھے کہ ہمیں ڈرانے دھمکانے کے لیے اس خوفناک درخت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس طرح گویا منکرین کے لیے یہی درخت آزمائش کا ذریعہ بن گیا ہے۔ اس کے

فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ۔ دوزخی لوگ اسی تھوہر کے درخت میں سے کھا لیں گے اور اسی سے اپنے پیٹ بھریں گے۔ اس قدر جلا دینے والا اور کڑوی چیز اہل دوزخ کی خوراک بنے گی۔ سورۃ الغاشیہ میں ہے لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝ اُن کے لیے کھانا۔ کانٹے دار گھاس کے سوا کچھ نہ ہوگا جس سے نہ فربہ ہوں گے اور نہ ہی بھوک دور ہوگی پھر ان پر پیاس بھی ستائے گی۔ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ پھر اس کے اوپر گرم پانی کی ملاوٹ ہوگی یعنی کھولتا ہوا پانی پینے کو دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ محمد میں فرمایا کہ جو آنتوں کو بھی جلا دے گا اور اگر اس کا ایک آدھ گھونٹ بھی پی لیں تو جیسا کہ سورۃ محمد میں بیان ہوا ہے، فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ان کی آنتوں کو کاٹ کر نیچے پھینک دیگا۔ وہ آنتیں پھر اپنی جگہ پر واپس آئیں گی اور پھر کٹ کر نیچے گر پڑیں گی۔ ان کو اسی طرح سزا ملتی رہے گی۔ جیسا کہ کھالوں کے متعلق فرمایا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا (النساء۔ ۵۶) جب اُن کی کھالیں جل جائیں گی تو ان کی جگہ دوسری کھالیں پہنا دی جائیں گی اور یہ عمل اسی طرح جاری رہے گا۔ فرمایا کھانے کے لیے تھوہر اور پینے کے لیے گرم کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ پھر ان کا لوٹ جانا جہنم کی طرف ہوگا۔

مذہبی تقلید

فرمایا ان کو یہ سخت سزا اس وجہ سے ہوگی اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ کہ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کو گمراہ پایا مگر اس سے بچنے کی بجائے فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ یہ بھی انہی کے نقش قدم پر دوڑ رہے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل و شعور سے کچھ فائدہ حاصل نہ کیا اور کبھی خیال نہ کیا کہ ہمارے آباؤ اجداد غلط راستے پر جا رہے ہیں، ہم ان کے پیچھے کیوں چلیں؟ مگر وہ بلا سوچے سمجھے باپ دادا کے دین پر چلتے رہے، اور

کے سر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ یہودیوں نے حضور علیہ السلام پر جادو کیا تھا۔ کچھ کھجور کے پتے، الّٹی، بال، کنگھی اور بالوں کے ساتھ ان پر سحر کیا اور انہیں مدینہ کے اطراف میں واقع ایک کنویں میں پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اس کنویں کو بئرِ ذروان کہا جاتا تھا اور اس وقت ناقابلِ استعمال ہو چکا تھا۔ اس کنویں کے کنارے پر کھجور کے درخت تھے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ملنے پر حضور علیہ السلام صحابہؓ کے ہمراہ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور مذکورہ پتھر کے نیچے سے سحر شدہ چیزیں برآمد کیں۔ تو وہاں بھی رؤس الشیاطین کے الفاظ آتے ہیں گویا تھوہر کے پودے شیطانوں کے سروں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں یا سانپوں کے سروں کے ساتھ ان کو مناسبت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے جسے امام ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے اپنی تفسیر میں بھی نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہی آیت تلاوت فرمائی اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ اور اس کے بعد سورۃ آل عمران کی یہ آیت پڑھی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آیت ۱۰۲) اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ پھر فرمایا وَلَوْ اَنَّ قَطْرَةً قُطِرَتْ مِنَ الزَّقُّوْمِ فِيْ بِحَارِ الدُّنْيَا لَاَفْسَدَتْ عَلَى النَّاسِ مَعَايِشَهُمْ اگر جہنم کے تھوہر کا ایک قطرہ دنیا بھر کے سمندروں میں ڈال دیا جائے تو اس کی بدبو اور بد ذائقہ کی وجہ سے تمام لوگوں کی معیشت برباد ہو کر رہ جائے۔ مطلب یہ کہ تھوہر اس قدر کڑوا ہے اور بدبودار ہے کہ سارے سمندروں کو بدبو دار بنا دے اور ان سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا جا سکے۔

زقوم کی خوراک — تھوہر کی یہ تعریف بیان کرنے کے بعد فرمایا فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا

لہ ... ... مسلم ... روح المعانی ...

لہ ابن کثیر ص... ج۴ (فیاض)

تمہیں بھی گمراہ کیا۔ مفسر فرماتے ہیں کہ صرف اتنا کہہ دو کہ ڈبل سزائیں ملنی چاہئیں مگر تمہیں
بھی دوہری سزا ملے گی۔ جس طرح تمہارے آباؤ اجداد گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا، اسی
طرح تم بھی گمراہ ہوئے اور تم نے بھی آگے بہت سوں کو گمراہی کے راستے پر چلایا،
لہٰذا آج اس دوہری گمراہی کی دوہری سزا بھگتو۔

منذرین کی آمد

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ اور البتہ تحقیق
ہم نے ان میں ڈر سنانے والے بھیجے جو ان کو برے انجام سے خبردار کرتے تھے
وہ انہیں کفر و شرک اور معاصی سے بچنے کی کوشش کرتے تھے مگر انہوں نے
کسی کی ایک نہ مانی فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ؕ
پھر دیکھو کیسا انجام ہوا ڈرائے ہوئے لوگوں کا۔ یہ نافرمانوں میں سے کوئی گرفت
الٰہی سے نہ بچ سکا۔ قرآن پاک میں مختلف اقوام کے جستہ جستہ حالات بیان ہوئے
ہیں۔ بعض کو اللہ نے پانی میں غرق کیا، کسی کو تند ہوا کی لپیٹ چڑھا، کسی پر سخت
چیخ آئی، کسی پر زلزلہ آیا اور کسی قوم پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ بعض نافرمان ایسے
بھی تھے جن کو اہلِ ایمان کے ہاتھوں سے سزا دی گئی۔ اس طرح کوئی نافرمان بھی
برے انجام سے نہ بچ سکا۔ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ سوائے اللہ کے مخلص
اور برگزیدہ بندوں کے یہ لوگ بچ گئے اور آئندہ بھی بچتے رہیں گے۔ تاریخ دنیا
سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لا کر ان کا اتباع
کیا، اللہ نے ان کو ہر آفت سے محفوظ رکھا۔ ایسے لوگ کافروں، مشرکوں اور
نافرمانوں والی سزا میں نہیں آئیں گے، باقی سب ہلاک ہوں گے جیسے کہ پہلے
بھی ہو چکے ہیں۔

ہی کہتے ہیں کہ ہم تو وہی کچھ کریں گے جو کچھ ہمارے باپ دادا کرتے ہیں۔ ہم ان کا طریقہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ قرآن نے فرمایا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (البقرہ - ١٧٠) اگرچہ ان کے آباؤ اجداد نہ عقل رکھتے ہوں اور نہ وہ راہِ ہدایت پر ہوں۔ پھر بھی انہی کے طریقے پر اندھوں کی طرح گمراہی کے گڑھے میں جا گریں گے۔ یہی اندھی تقلید ہے جس کی سختی سے تردید کی گئی ہے۔ ہاں اگر آباؤ اجداد صراطِ مستقیم پر ہوں تو پھر ان کے نقشِ قدم پر چلنا عین سعادت اور فخر کی بات ہے۔ اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے قید کے دوران کہا تھا وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ (یوسف - ٣٨) میں تو اپنے آباؤ اجداد ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کی ملت کا اتباع کرتا ہوں۔ وہ سب اللہ کے برگزیدہ نبی تھے اور راہِ راست پر چلنے والے تھے۔ لہٰذا میں نے بھی انہی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

فرمایا یہ لوگ بھی اندھی تقلید کر کے گمراہ ہوئے وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ البتہ تحقیق ان سے پہلے بھی زیادہ تر لوگ گمراہ ہی ہوئے۔ یہ نزولِ قرآن سے پہلے لوگوں کا ذکر ہے کہ وہ بھی اندھی تقلید میں مبتلا ہو کر گمراہی کے راستے پر ہی چلتے رہے۔ انہوں نے بھی اللہ کے مبعوث مبلغین اور خیر خواہوں کی بات کو نہ سنا اور نہ ہی اپنی عقل سے کام لیا۔ اس بات کا احساس انہیں قیامت والے دن ہوگا۔ جب اللہ کے حضور پیشی ہوگی تو اس وقت افسوس کا اظہار کریں گے۔ کاش کہ ہم نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی ہوتی تو مبتلائے عذاب نہ ہوتے۔ اس وقت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کریں گے وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا (الاحزاب - ٦٧) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دنیا میں اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی جنہوں نے ہمیں سیدھے راستے سے گمراہ کر دیا۔ ہم تو انہی کا کہنا مان کر اس مصیبت تک پہنچے۔ لہٰذا آج ان کو دگنا عذاب دے کیونکہ یہ بڑے خود بھی گمراہ ہونے اور

تَنۡحِتُوۡنَ ﴿٩٥﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿٩٦﴾
قَالُوا ابۡنُوۡا لَهٗ بُنۡيَانًا فَاَلۡقُوۡهُ فِى الۡجَحِيۡمِ ﴿٩٧﴾
فَاَرَادُوۡا بِهٖ كَيۡدًا فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَسۡفَلِيۡنَ ﴿٩٨﴾

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق پکارا ہم کو نوح علیہ السلام نے
پس ہم بہت اچھی طرح اس کی دعا کو قبول کرنے والے
ہیں (٧٥) اور ہم نے نجات دی اس کو اور اس کے
گھر والوں کو بڑی گھبراہٹ سے (٧٦) اور کر دیا ہم نے
اس کی اولاد کو وہی باقی رہنے والے (٧٧) اور چھوڑا
ہم نے اس کے اوپر پچھلوں میں (٧٨) سلام ہے
نوح علیہ السلام پر جہان والوں میں (٧٩) اسی طرح ہم بدلہ دیتے
ہیں نیکی کرنے والوں کو (٨٠) بیشک وہ ہمارے نیک
بندوں میں سے ہے (٨١) پھر ہم نے غرق کیا دوسروں
کو (٨٢) اور بیشک انہی کے گروہ میں سے البتہ
ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں (٨٣) جبکہ وہ آئے اپنے
پروردگار کے پاس سالم دل سے کر (٨٤) جب کہا اس
نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ تم کن چیزوں کی
عبادت کرتے ہو (٨٥) کیا جھوٹے الٰہ بناتے ہوئے اللہ کے
سوا دوسروں کو تم چاہتے ہو (٨٦) پس کیا گمان ہے
تمہارا رب العالمین کے بارے میں (٨٧) پھر نگاہ کی انہوں
نے ایک نگاہ ستاروں میں (٨٨) پس کہا انہوں نے
کہ میں بیمار ہوں (٨٩) پس پھر گئے وہ لوگ ان
سے پشت پھیر کر (٩٠) پس (موقع پا کر) جا لگے وہ

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ﴿٧٥﴾
وَنَجَّيْنٰهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ
الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِينَ ﴿٧٧﴾
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِينَ ﴿٧٨﴾ سَلٰمٌ
عَلٰى نُوحٍ فِي الْعٰلَمِينَ ﴿٧٩﴾ إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٠﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨١﴾
ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْاٰخَرِينَ ﴿٨٢﴾ وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ
لَإِبْرٰهِيمَ ﴿٨٣﴾ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٤﴾
إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿٨٥﴾
أَئِفْكًا اٰلِهَةً دُونَ اللّٰهِ تُرِيدُونَ ﴿٨٦﴾ فَمَا
ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً
فِي النُّجُومِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا
عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ إِلٰى اٰلِهَتِهِمْ
فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٩١﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿٩٢﴾
فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿٩٣﴾ فَأَقْبَلُوا
إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ﴿٩٤﴾ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا

کی دعا کی تفصیل نہیں ہے اور نہ ہی اس کی قبولیت کے نتیجے کا ذکر ہے۔ سورۃ نوح میں موجود ہے رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (آیت ۲۶) پروردگار! روئے زمین پر کسی ایک کافر کو بھی زندہ نہ چھوڑ۔ اگر تو ان کو چھوڑ دیگا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور آگے ان کی اولاد بھی بدکار اور ناشکر گزار ہی ہوگی۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور اس کے ساتھ کشتی میں سوار لوگوں کو بچا لیا ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِيْنَ (الشعراء - ۱۲۰) اور اس کے بعد باقی لوگوں کو پانی میں ڈبو دیا۔ اس مقام پر بھی فرمایا ہے وَنَجَّيْنٰهُ وَأَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بہت بڑی گھبراہٹ اور بے چینی سے نجات دی۔ ان کی صورت یہی تھی کہ باقی ساری نافرمان قوم کو طوفان میں غرق کر دیا۔

یہ دراصل حضور نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون بیان کیا جا رہا ہے۔ نوح علیہ السلام کی طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم نے بھی آپ کو اور اہل ایمان کو سخت تکالیف پہنچائیں جن کی وجہ سے آپ سخت پریشان رہتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کی ایذا رسانیوں کا ذکر کر کے آپ کو تسلی دی ہے کہ آپ دل برداشتہ نہ ہوں، آپ کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا گیا مگر بالآخر اللہ نے ان کی مدد فرمائی اور نافرمان قوم پر غالب فرمایا۔

نسلِ انسانی کی بقا کا ذریعہ

ساری قوم کی غرقابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کی بقا کے ضمن میں فرمایا وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ہم نے نوح علیہ السلام کی اولاد کو ہی باقی رہنے والا بنایا۔ پوری روئے زمین کے لوگ طوفان نوح میں غرق ہو گئے اور صرف وہی محدود تعداد میں لوگ بچ نکلے تھے جو کشتی پر سوار ہو گئے تھے۔ چنانچہ نسلِ انسانی کا سلسلہ انہی کشتی والوں میں سے ہی آگے چلا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت ہے کہ کشتی والوں میں سے بھی صرف نوح علیہ السلام

اُن کے معبودوں کے پاس پس کہنے لگے کیا تم کھاتے نہیں (۹۱)
کیا ہے کہ تم بولتے نہیں (۹۲) پھر گھس گئے اُن پر
مارتے ہوئے داہنے ہاتھ کے ساتھ (۹۳) پس متوجہ ہوئے
لوگ اس کی طرف دوڑتے (گھبراتے) ہوئے (۹۴) کہا،
کیا تم عبادت کرتے ہو اُن کی جن کو تم تراشتے ہو (۹۵)
حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے اور اُن چیزوں
کو بھی جن کو تم بناتے ہو (۹۶) کہا انہوں نے بناؤ اس
کے لیے ایک عمارت اور ڈالو اُس کو بھڑکتی ہوئی آگ
میں (۹۷) پس ارادہ کیا انہوں نے اُس کے بارے میں
بُری تدبیر کا پس کر دیا ہم نے اُن کو ہی پست (۹۸)

نوح علیہ السلام کی دعا

سورۃ الصّٰفّٰت میں زیادہ تر بنیادی عقائد ہی کا ذکر ہے۔ اس سے پہلے
توحید باری تعالیٰ اور مشرکوں کا رد ہو چکا ہے۔ اب رسالت کے سلسلہ میں نوح
علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کو لمبے عرصہ تک ایمان اور
توحید کی دعوت دی مگر وہ کفر و شرک پر ڈٹے رہے اور آپ کو ایذائیں پہنچاتے
رہے۔ بالآخر آپ نے تنگ آکر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی پروردگار!
اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ (القمر-۱۰) میں تو مغلوب ہو چکا ہوں میری
مدد فرما اور ان لوگوں سے بدلہ لے۔ چنانچہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے نوح
علیہ السلام کی دعا کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ اور البتہ
تحقیق نوح علیہ السلام نے ہم کو پکارا، آواز دی فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ
پس ہم کیا خوب ہیں اُن کی دعا کو قبول کرنے والے۔ مطلب یہ کہ جب
نوح علیہ السلام نے ہمیں مدد کے لیے پکارا تو ہم نے بھی اُن کی دعا قبول کرنے
میں دیر نہیں کی۔ نوح علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ قوم کی اصلاح کی اب کوئی
صورت باقی نہیں رہی۔ لہٰذا اس قوم سے انتقام لے۔ اس مقام پر نوح علیہ السلام

بے شک انہی (نوح علیہ السلام) کے گروہ میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں۔ آپ بھی انہی کے خاندان سے اور انہی کی راہ پر چلنے والے ہیں۔ یاد کیجئے کہ آپ اپنے رب کے پاس قلبِ سلیم لے کر آئے۔ قلبِ سلیم جب کہ آپ اپنے پروردگار کے پاس سلیم دل لے کر۔ سلیم دل سے مراد ایسا سلامتی والا دل ہے جو ہر قسم کی اعتقادی، فاسد نیت اور غیر اخلاقی اشیاء سے پاک ہو۔ بعض کہتے ہیں قلبِ سلیم وہ ہے جو شرک، کفر، نفاق، حسد، کینہ، جھوٹ اور عیب دار وجاہت سے پاک ہو۔ توحید اور ایمان کے ساتھ لبریز ہو۔ اور تمام اخلاقِ حسنہ اس میں پائے جائیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ قلبِ سلیم کا شرک سے پاک ہونا ضروری ہے کیونکہ اس میں توحید کے علاوہ شرک کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیئے۔ اسی طرح بدعت سے پاک ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ بدعت سنت کے خلاف چیز ہے۔ شہوت سے لبریز دل بھی قانونِ الٰہی کے خلاف ہوتے ہیں لہٰذا قلب کو شہوت سے بھی منزہ ہونا چاہیئے۔ جو دل قانونِ الٰہی یعنی شریعت کے خلاف ہوگا۔ وہ قلبِ سلیم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قلبِ سلیم کا غفلت سے پاک ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ غفلت یادِ الٰہی کے خلاف عنصر ہے۔ اسی طرح خواہشات کا غلام دل بھی قلبِ سلیم کہلانے کا حقدار نہیں ہو سکتا کیونکہ خواہشات سے لبریز دل حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ غرضیکہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قلبِ سلیم لے کر اپنے پروردگار کے پاس آئے۔ قلبِ سلیم کا ذکر سورۃ الشعراء میں بھی موجود ہے۔ وہاں ابراہیم کی دعا کے الفاظ ہیں کہ مولا کریم! قیامت والے دن مجھے رسوا نہ کرنا، اس دن کہ جب مال کچھ فائدہ دیگا اور نہ بیٹے[۱]

---

[۱] مدارج العرفان ۔۔۔ و مدارک ۔۔۔ و قرطبی ۔۔۔ و طبری ۔۔۔ و کبیر ۔۔۔ (و غیرہا)

کے تین بیٹوں حام، سام اور یافث کی اولاد ہی آگے چل سکی۔ اس لحاظ سے نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ ترمذی شریف اور مسند احمد کی روایت[1] میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا عرب نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد میں سے ہیں حبشی حام کی اولاد اور رومی یافث کی اولاد ہیں۔ ایک دوسری روایت کے مطابق عرب، فارس، روم وغیرہ والے سام کی اولاد ہیں، یاجوج ماجوج ترک اور منگول یافث کی، اور قبطی، بربر، سوڈانی حام کی اولاد ہیں۔ بہرحال موجودہ پوری نسل انسانی نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔

فرمایا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں نوح علیہ السلام کا ذکر چھوڑ دیا۔ آپ کی نسل کے لوگ آپ کے بعد بھی کہیں گے سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ سارے جہان والوں میں نوح علیہ السلام پر سلامتی ہو۔ مختلف نسلوں کے لوگ آپ پر سلام بھیجتے ہیں کہ آپ اللہ کے سابقہ ہی برگزیدہ بندے تھے جنہوں نے اچھے طریقے سے خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا اور اس سلسلے میں بڑی تکالیف اٹھائیں۔ فرمایا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ نوح علیہ السلام ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں۔ آپ اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ فرمایا ہم نے آپ کو اور آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کو تو بچا لیا ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ پھر دوسروں کو ہم نے پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی تسلی کے لیے اختصار کے ساتھ یہ مضمون بیان کیا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام اور قلب سلیم

نوح علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے۔ وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ

---

[1] ابن کثیر ص ۱۲ ج ۴ و مظہری ص ۱۲۰ ج ۸ و خازن ص ۲۳ ج ۶ و روح المعانی ص ۹۷ ج ۲۳ (فیاض)

جھوٹے چھیروں کو معبود بنا رکھا ہے، یہ کتنی عقل مندی کی بات ہے؟

اگلی آیات میں اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا واقعہ بڑے اختصار کے ساتھ بیان کیا۔ اس کی تفصیلات سورۃ الانبیاء میں بھی مذکور ہیں۔ آپ نے اپنے باپ اور قوم سے فرمایا کہ یہ کیسی مورتیاں ہیں جن پر تم جھکے پڑتے ہو یعنی ان کی عبادت کرتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے آباء اجداد کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ کچھ سوال و جواب کے بعد آپ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کی ضرور تدبیر کروں گا جب کہ تم پشت پھیر کر جاؤ گے۔ چنانچہ ایک دن ایسا آیا کہ ساری قوم شہر سے باہر کسی تہوار منانے کے لیے جا رہی تھی انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بھی شریک ہونے کی دعوت دی۔ آپ ان کے ساتھ جانا نہیں چاہتے تھے، چنانچہ اللہ نے اس مقام پر اسی حیلہ کا ذکر کیا ہے جو آپ نے اس ضمن میں اختیار کیا۔ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ انہوں نے ستاروں کی طرف نظر ڈالی فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ پس کہا کہ میں بیمار ہوں فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ پھر وہ لوگ آپ سے پشت پھیر کر چلے گئے۔ یعنی آپ کو تہوار میں ساتھ لے جانے پر اصرار نہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا دور صابی دور کہلاتا ہے۔ اس دور میں ستاروں کے ساتھ لوگوں کا خصوصی تعلق ہوتا تھا۔ چنانچہ امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس دور میں متعین ہونے والی شرائع میں کسی حد تک ستاروں کا بھی دخل رہتا تھا۔ پھر جب ابراہیم علیہ السلام کا حنیفی دور آیا تو ستاروں کے ساتھ تعلق کو مکمل طور پر منقطع کر دیا گیا۔ قوم ابراہیم بھی ستاروں میں کرشمہ مانتی تھی، لہٰذا انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ستاروں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے یہ مطلب اخذ کیا کہ آپ بھی ستاروں کی کرشمہ سازی کے قائل ہیں، لہٰذا وہ آپ

لے

مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (آیت ۸۹، البقرہ شمس کی جانے گا۔ جو اپنے اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آیا۔ الغرض ! فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام تمام قسم کی آلائشوں سے پاک دل لے کر رب العزت کے پاس آئے۔

ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید

آگے اللہ نے قلب سلیم رکھنے والے ابراہیم علیہ السلام کے درس توحید کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے خدا تعالیٰ کا پیغام توحید اپنی قوم تک عقلی دلائل کے ساتھ پہنچایا۔ ارشاد ہوتا ہے اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا کہ تم کن چیزوں کی عبادت کرتے ہو؟ سورۃ الانعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام آزر ذکر کیا گیا ہے وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً (آیت ۷۴) جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا۔ تاریخ میں آپ کا نام تارح بھی آیا ہے اس بنا پر بعض کہتے ہیں کہ تارح باپ اور آزر چچا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دونوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں آزر تو قرآن نے بیان کر دیا اور تارح اس کا لقب تھا۔

بہر حال ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم کن چیزوں کی پوجا کرتے ہو؟ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِیْدُوْنَ کیا اللہ کے سوا تم جھوٹ موٹ کے بنائے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو؟ یہ پتھر، دھات اور لکڑی کی مورتیاں جنہیں تم اپنے ہاتھ سے گھڑتے ہو، انہی کی پوجا کرنے لگتے ہو۔ تم نے ستاروں، فرشتوں اور جنات کے نام پر بت تراش رکھے ہیں، کیا تم ان کو اپنا معبود سمجھتے ہو؟ بھلا یہ تو بتاؤ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ تم جہانوں کے پروردگار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تم اس حقیقی معبود کی تو عبادت کرتے نہیں اور اس کی بجائے اپنے خود ساختہ

ٹ

مگر وہ خود جانتے تھے کہ ان بتوں میں تو حس و حرکت ہی نہیں ہے، بھلا یہ کام بت کیسے کر سکتا ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کو بھی سمجھانا مقصود تھا کہ جو بت ذرا خود توڑ پھوڑ کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے دفاع پر قادر ہیں، وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں!

رہی تیسری بات کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ کو کہا تو یہ بھی حقیقۃً تقدم کے طور پر آپ سے توریہ کیا تھا۔ آپ نے اپنی بیوی کو سمجھا دیا تھا کہ اگر ہم تم نے یہ آپ کو میاں بیوی ظاہر کیا تو یہ ظالم بادشاہ مجھے قتل کرا دے گا اور تم پر تسلط قائم کرے گا۔ لہٰذا خیریت اسی میں ہے کہ اپنے آپ کو بہن بھائی ظاہر کیا جائے۔ ویسے بھی اس سرزمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں ہے اور إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات) مومن آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ الغرض! جان بچانے کے لیے آپ نے یہ حیلہ اختیار کیا۔ اس قسم کے بعض واقعات خود حضور علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آئے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت صدیق اکبرؓ سفرِ ہجرت پر جا رہے تھے راستے میں ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے حضرت ابوبکرؓ کے متعلق دریافت کیا مِمَّنِ الْقَوْمُ یعنی یہ شخص کن لوگوں میں سے ہے تو آپ نے جواب دیا مِنَ الْمَاءِ پانی سے۔ وہ شخص سمجھا کہ کسی پانی والی آبادی کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ وہاں سے ہے اسی طرح راستے میں ایک دوسرے شخص نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پہچان لیا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے بھی توریہ کے انداز میں جواب دیا هُوَ رَجُلٌ يَهْدِينِي السَّبِيلَ وہ ایک شخص ہے جو راستے میں میری رہنمائی کرتا ہے۔ وہ آدمی سمجھا کہ سفر میں راستہ معلوم کرنے کے لیے گائیڈ (راہنما) کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں، حالانکہ حضرت صدیقؓ کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص مجھے ہدایت کا راستہ بتلانے والا ہے۔

بہرحال جب سب لوگ تہوار منانے کے لیے شہر سے باہر چلے گئے، تو — بت شکنی

لہ مدارج المعانی صلنا جلد ۲۳ (فیاض)

کو چھوڑ کر تہوار منانے کے لیے چلے گئے اور ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کو شکست کرنے کا موقع میسر آگیا۔

کذب ثلاثہ

بخاری اور ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے کذب بیانی نہیں کی مگر تین مواقع پر۔ پہلا موقع تو یہی ہے جب آپ نے کہا کہ میں بیمار ہوں حالانکہ آپ بیمار نہیں تھے۔ دوسرا موقع وہ ہے۔ جب آپ نے بتوں کو پاش پاش کر دیا تو کافروں کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا (الانبیاء - ۶۳) یعنی یہ کام اس بڑے بت نے کیا ہے جس کے کندھے پر کلہاڑا رکھا تھا۔ حالانکہ یہ کام خود ابراہیم علیہ السلام نے انجام دیا تھا۔ اور تیسرا موقع وہ جب آپ بابل سے ہجرت کر کے اپنی بیوی سارہؓ کے ہمراہ مصر پہنچے۔ وہاں پر بادشاہ مصر کو بیوی کا علم ہوا تو آپ نے اپنی بیوی کو اُختی (میری بہن) کہہ دیا۔

اس قسم کا دو معنی کلام دراصل جھوٹ نہیں ہوتا بلکہ عربی محاورہ میں اسے توریہ کہتے ہیں۔ یعنی بوقت ضرورت ایسا کلام کیا جائے جس سے متکلم کی مراد کچھ اور ہو اور مخاطب اس سے کچھ اور معنی لے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا اِنِّی سَقِیۡمٌ یعنی میں بیمار ہوں حالانکہ جسمانی طور پر آپ تندرست تھے۔ دراصل ان الفاظ سے آپ کی مراد یہ تھی کہ تمہارا کفر و شرک دیکھ کر میں ذہنی طور پر بیمار ہوں کہ مجھے کفر و شرک سے سخت تکلیف پہنچتی ہے۔ مگر لوگ سمجھے کہ آپ کو کوئی جسمانی عارضہ ہے جس کی وجہ سے آپ ان کے ساتھ جانے سے معذور ہیں۔ جہاں تک بت شکنی کو بڑے بت کی طرف منسوب کرنے کا تعلق ہے تو اس سے ابراہیم علیہ السلام کا مقصد کفار کو غور و فکر کر کے توحید کی دعوت دینا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ ان کو ان کے بڑے نے توڑا ہے

لہ ابن کثیر ص ۱۳ ج ۴ و مظہری ص ۱۲۲ ج ۸ و قرطبی ص ۹۳ ج ۱۵ (فیاض)

ہیں۔ افسوس ہے تم پر بھی اور تمہارے ان معبودوں پر بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ جب ان کافروں سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اس مقام پر صرف اس قدر بیان کیا گیا ہے کہ بتوں کی حالت دیکھ کر وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ آپ کے ساتھ گفت و شنید ہوئی تو آپ نے فرمایا قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جن کو خود تراشتے ہو! انسان کی اس قدر گراوٹ انتہائی افسوسناک ہے کہ ایک چیز کو خود ہی گھڑے اور پھر اسی کے سامنے سر بسجود ہو جائے۔ یہ مورتیاں خواہ جنوں کی ہوں، یا فرشتوں یا انسانوں کی ہوں یا ستاروں کی، کسی کو اختیار نہیں ہے جو کسی کی مشکل کشائی یا حاجت روائی کر سکے۔ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو علیم کل، قادر مطلق، خالق اور واجب الوجود ہو۔ جب یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ تو پھر کوئی دوسری ہستی معبود کیسے ہو سکتی ہے! برصغیر میں ہندو بھی بت پرست ہیں۔ جو کے کروڑوں اور کروڑوں معبود ہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے خود اپنے مذہب کے متعلق لکھا ہے کہ یہ انسانوں، پودوں، شاخوں اور نظریات سے بھی چپٹے ہیں۔ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ ہمارے معبود جاپان اور انگلستان کی فیکٹریوں میں تیار ہو جاتے ہیں جن کی ہم پوجا کرتے ہیں۔

غرضیکہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو یاد دلایا کہ تم بتوں کو خود تراش کر ان کی عبادت کرتے ہو وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور ان چیزوں کو بھی جن کو تم بناتے ہو۔ انسان ————— کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انسان اللہ کے عطا کردہ اختیار اور صلاحیت کے ساتھ ہی ہر کام کرتا ہے، وگرنہ تخلیق کی صفت تو کسی مخلوق میں نہیں پائی جاتی۔

ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کی سازش

دلائل کے لحاظ سے آخر کار وہ لوگ لاجواب ہو چکے ہیں۔ کہنے لگے یہ ابراہیم ہمارے معبودوں کی توہین کا مرتکب ہوا ہے جو کہتا ہے کہ ان کو کوئی اختیار نہیں اور یہ ہماری تصویروں کی

ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کی مرمت کرنے کا موقع میسر آگیا جس کی تلاش میں آپ تھے۔ فَرَاغَ اِلٰٓی اٰلِهَتِهِمْ پھر آپ موقع پاکر بتوں کے پاس گئے۔ اُن کے سامنے نذر و نیاز کی مٹھائی، کھانا اور شربت وغیرہ رکھا ہوا تھا۔ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ آپ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم کھاتے کیوں نہیں؟ بھلا پتھر کے یہ بت جواب کیا دیتے، اور جواب کیا دیتے۔ آپ نے پھر پوچھا مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ کیا ہے تمہیں کہ تم بولتے نہیں؟ جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ نے اپنے منصوبے کی تکمیل کے لیے فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ آپ دائیں ہاتھ سے مارتے ہوئے ان پر پل پڑے۔ آپ کے ہاتھ میں ہتھوڑا تھا جسے پوری قوت سے چلا کر بتوں کو توڑ پھوڑ دیا۔ صرف بڑے بت کو چھوڑا اور اس کے گلے میں کلہاڑا لٹکا دیا۔ پھر آپ وہاں سے چلے آئے۔

کفار کا رد عمل

جب وہ لوگ تہوار منا کر واپس آئے تو بتوں کی یہ حالت دیکھ کر سخت پریشان ہوئے۔ اس مقام پر تفصیلات نہیں ہیں صرف اس قدر ہے فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ وہ لوگ آپ کے پاس گھبراہٹ کے عالم میں دوڑتے ہوئے آئے۔

سورۃ الانبیاء میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب کفار نے اپنے بتوں کو شکستہ حالت میں دیکھا تو ایک دوسرے سے پوچھا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟ ان میں سے بعض نے کہا کہ ابراہیم نامی نوجوان ان کا ذکر کیا کرتا تھا، ہو سکتا ہے کہ یہ اسی کا کام ہو۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر پوچھا گیا کہ کیا یہ کارروائی تم نے کی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو اس بڑے بت کا کام معلوم ہوتا ہے جس کے کاندھے پر کلہاڑا ابھی تک رکھا ہے، تاہم آپ ان شکستہ بتوں سے پوچھ لیں اگر یہ بول کر بتا سکیں۔ پھر انہوں نے آپس میں میٹنگ کی اور کہنے لگے سچی بات تو یہ ہے کہ یہ بت تو بول سکتے ہی نہیں، یہ ہمیں کیا بتائیں گے؟ اسی موقع پر ابراہیم علیہ السلام نے ان کے ضمیر کو جھنجوڑا اور پوچھا کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے کسی نفع نقصان کے مالک نہیں

وَقَالَ اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٩٩﴾ رَبِّ
هَبْ لِىْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠٠﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ
حَلِيْمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْىَ قَالَ يٰبُنَىَّ
اِنِّىْٓ اَرٰى فِى الْمَنَامِ اَنِّىْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا
تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِىْٓ
اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ فَلَمَّآ اَسْلَمَا
وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿١٠٣﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿١٠٤﴾
قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿١٠٦﴾
وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ
فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿١٠٩﴾ كَذٰلِكَ
نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٠﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا
الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١١﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا
مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١١٢﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى
اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ
لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿١١٣﴾ ع

تراشیدہ مورتیاں ہیں۔ لہٰذا ابراہیم علیہ السلام کو سخت سزا ملنی چاہیئے۔ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا کہنے لگے اس کے لیے ایک بہت بڑی عمارت تیار کرو اور اس میں آگ جلاؤ اور ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دو۔ چنانچہ دشمنوں نے ایسا ہی کیا ایک بہت بڑے حصہ زمین پر دنیا کی سب سے بڑی آگ جلائی گئی پھر کہنے لگے فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ اس مقام پر تو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے تاہم سورۃ الانبیاء میں ہے قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ (آیت ۶۸) اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلا دو اور اس طرح اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ جن کی یہ مذمت بیان کرتا ہے۔

بالآخر انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ذریعے بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا مگر اللہ نے فرمایا قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ (الانبیاء ۶۹) اے آگ! ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ سورۃ العنکبوت میں ہے فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ (آیت ۲۴) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آگ سے بچایا۔ اور کافروں کی اس تدبیر میں بھی ناکام و نامراد ہوئے۔ بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آگ نے ابراہیم علیہ السلام کا ایک بال تک نہ جلایا۔ البتہ جس رسی سے باندھ کر آپ کو آگ میں پھینکا گیا تھا، وہ ساری جل کر خاک ہوگئی۔ اللہ نے فرمایا فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا انہوں نے ایک تدبیر کا ارادہ کیا، ابراہیم علیہ السلام کو ختم کرنا چاہا مگر ہم نے انہیں ہر امتحان میں کامیاب کر کے فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ انہی کو ذلیل و خوار اور پست کر دیا۔ وہ اپنے ارادے میں بُری طرح ناکام رہے۔

ظلم کرنے والے ہیں اپنے نفس پر صریح طور پر (۱۱۳)

جیسے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم (۱۰۰۸) کا ذکر ہوا تو ... جیسے عرصہ ... قوم — *ربط آیات*
کو اللہ تعالیٰ علیہ ... تبلیغ ... اور کفر و شرک کی ... ہے۔ ... مگر قوم نہ صرف یہ کہ
اللہ کے نبی کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائیں جسے اللہ نے کرب عظیم سے تعبیر کیا ہے
آخر تنگ آ کر نوح علیہ السلام نے قوم کے حق میں بددعا کی تو اللہ تعالیٰ نے سب کو
پانی میں ڈبو کر صفحۂ ہستی سے ... کر دیا۔ صرف وہی لوگ بچے جو نوح علیہ السلام
کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے تھے اور پھر انہی میں سے نسل انسانی کو آگے چلایا۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی قوم کے حالات بیان ہوئے
آپ نے قوم کو خطاب کر کے فرمایا کہ کتنی بیوقوفی اور حماقت کی بات ہے کہ
تم خود ہی اپنے ہاتھوں سے بت تراشتے ہو اور خود ہی ان کی پوجا کرنے لگتے ہو
حالانکہ خالق اللہ رب العالمین ہے جو تمہیں بھی پیدا کرتا ہے اور تمہارے
اعمال و اکساب کو بھی وہی تخلیق کرتا ہے۔ اس کے جواب میں قوم نے فیصلہ
کیا کہ ابراہیم کے لیے ایک بہت بڑی آگ کا الاؤ تیار کرو۔ جس میں انہیں زندہ
جلا دو کیونکہ یہ ہمیں ہمارے آباؤ اجداد کے مسلک سے ہٹانا چاہتا ہے۔ چنانچہ دنیا
کی عظیم ترین آگ جلا کر ابراہیم علیہ السلام کو ... میں ... مگر اللہ تعالیٰ نے
آپ کو اس سے محفوظ رکھ کر ان کی ساری تدبیر کو ناکام بنا دیا اور وہ ذلیل و خوار
ہو کر رہ گئے۔

اس سے قبل ابراہیم علیہ السلام کو بابل میں سات برس تک قید میں رکھا
گیا۔ آگ سے بچ نکلنے کے بعد آپ [illegible] اللہ کا پیغام سناتے رہے مگر کوئی
بھی ایمان نہ لایا جیسا کہ سورۃ عنکبوت میں گزر چکا ہے۔ صرف آپ کی
بیوی سارہؓ اور بھتیجے لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے، باقی ساری قوم کفر
اور شرک میں مبتلا رہی۔

آخر جب قوم کی طرف سے ایذا رسانیاں حد سے بڑھ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے — *ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت*

ترجمہ:۔ اور کہا (ابراہیم نے) تحقیق میں جاتا ہوں طرف اپنے
پروردگار کی طرف، وہ مجھے راہ دکھائے گا (۹۹) اے پروردگار
بخش دے مجھے نیکوں میں سے ایک بیٹا (۱۰۰) پس ہم نے
بشارت دی اس کو ایک لڑکے کی جو نہایت بردبار
تھا (۱۰۱) پس جب پہنچا اس کے ساتھ دوڑنے کی عمر
کو تو اس نے کہا اے بیٹے! بے شک میں دیکھتا ہوں خواب
کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں، دیکھو اب کیا خیال رکھتے ہو۔
کہا بیٹے نے: اے باپ! آپ کر ڈالیں جس چیز کا آپ کو
حکم دیا جاتا ہے، آپ پائیں گے مجھے اگر اللہ نے چاہا
صبر کرنے والوں میں سے (۱۰۲) پھر جب وہ دونوں مطیع
ہو گئے (اللہ کے حکم کے) اور گرا دیا اس کو پیشانی کے
بل (۱۰۳) اور ہم نے اس کو آواز دی، اے ابراہیم! (۱۰۴)
تحقیق تو نے سچ کر دکھایا خواب، بیشک ہم اسی طرح
بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو (۱۰۵) بیشک یہ بات
البتہ صریح آزمائش ہے (۱۰۶) اور ہم نے فدیہ دیا اس
کو ذبح کرنے کے ایک عظیم جانور سے (۱۰۷) اور ہم نے
چھوڑا اس پر پچھلوں میں (۱۰۸) (اس بات کو) کہ سلام
ہو ابراہیم پر (۱۰۹) اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے
والوں کو (۱۱۰) بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے
ہے (۱۱۱) اور ہم نے بشارت دی اس کو اسحاق
(بیٹے) کی جو کہ اللہ کا نبی اور نیکوں میں سے تھا (۱۱۲)
اور برکت نازل کی ہم نے اس پر اور اسحاق پر۔ اور
ان دونوں کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے ہیں اور کچھ

کا معنی دوڑنا ہوتا ہے۔ جیسے صفا و مروہ کی سعی ہوتی ہے کہ وہاں کچھ فاصلہ دوڑ کر چلنا پڑتا ہے۔ تو مطلب یہ کہ جب حضرت اسماعیل بھاگنے دوڑنے کی عمر کو پہنچ گئے۔ آپ کی عمر بارہ، تیرہ سال کی ہو گئی اور آپ اپنے باپ کے ساتھ فصل وکال کے کام کرنے کے قابل ہو گئے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا جس کا تذکرہ بیٹے کے سامنے اس طرح کیا قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ بیٹا! بیشک میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی دیکھو! تمہارا اس معاملہ میں کیا خیال ہے؟ ذرا سوچ کر بتاؤ کہ تم اس خواب کو کیا پاتے ہو۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو یہ خواب بار بار آرہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اور اس حکم کی تعمیل کا تقاضا کیا جا رہا تھا۔

خواب کی حقیقت

نبی کے خواب اور عام لوگوں کے خواب میں فرق ہوتا ہے۔ عام لوگوں کے خواب تین اقسام کے ہوتے ہیں۔ یعنی رحمانی، شیطانی اور نفسانی۔ رحمانی خواب مومن کے حق میں بشارت ہوتی ہے۔ شیطانی خواب شیطان کے اثر سے ہوتے ہیں اور نفسانی خواب وہ ہوتے ہیں جو انسانی خوراک کے اثرات پر مرتب ہوتے ہیں۔ بہرحال نبیوں کا خواب وحی ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کوئی حکم خواب کے ذریعے بھی دے دیتا ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے[1] کہ نبوت ملنے سے چھ ماہ قبل تک جو خواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آتے تھے، وہ سچے ہوتے تھے اور ان کا نتیجہ روز روشن کی طرح سامنے آجاتا تھا۔ پھر اس کے بعد نزول وحی شروع ہو گیا۔ قرآن پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کا ذکر بھی آتا ہے۔ اس کی تعبیر اگرچہ طویل عرصہ کے بعد جا کر نکلی مگر وہ حرف بحرف صحیح تھا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے بھی خواب دیکھا تھا کہ آپ طواف کر

---

[1] بخاری صـــ (فیاض)

ابراہیم علیہ السلام کو بابل سے ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔ نبیوں کی زندگی میں ہجرت بھی ایک مستقل سنت ہے۔ گھر بار، وطن کا سارا سب کچھ اللہ کی رضا کی خاطر چھوڑ دینا پڑتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے لیے بھی یہ وقت آ چکا تھا۔ وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي آپ نے کہا تحقیق میں اپنے پروردگار کی طرف یعنی اس کے حکم کے مطابق یہاں سے جانے والا ہوں سَيَهْدِينِ وہ اس راستے میں میری راہنمائی فرمائے گا۔ میں جس ملک کے حکم سے نقل مکانی کر رہا ہوں وہ ضرور مجھے ٹھکانے پر لگائے گا۔ چنانچہ آپ کے لیے حکم ہوا کہ آپ بابل کی سرزمین کو چھوڑ کر ملک شام اور فلسطین کی طرف چل دیں۔ آپ تعمیل حکم میں بیوی اور بھتیجے کے ہمراہ نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے مصر پہنچے۔ پہلے تو بادشاہ نے آپ کی بیوی حضرت سارہ کو ہتھیانا چاہا مگر بعد میں اس نے حضرت ہاجرہ کو بھی آپ کے ہمراہ کر دیا۔ اور اس طرح آپ ملک فلسطین میں آ کر آباد ہو گئے۔

بیٹے کے لیے دعا

شادی کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۳۷ سال تھی۔ مگر طویل عرصہ تک آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اب آپ کی عمر مبارک اسی سال ہو چکی تھی تو اس وقت آپ نے پروردگار سے درخواست کی رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ کہ مولا کریم! مجھے نیکوں میں سے بیٹا عطا کرے۔ آپ اس وقت تک حضرت ہاجرہ سے نکاح کر چکے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور فرمایا فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ہم نے آپ کو ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی۔ اس بردبار بیٹے سے حضرت اسماعیل علیہ السلام مراد ہیں کہ آپ کی اولاد میں سے سب سے پہلے انہی کی ولادت ہوئی۔ آپ کے دوسرے بیٹے حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ بہرحال یہاں پر پہلے بیٹے حضرت اسماعیل کی بشارت کا ذکر ہے جو بڑے حوصلے اور تحمل والے تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کا خواب

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ جب یہ بچہ بھاگ دوڑ کی عمر کو پہنچ گیا تھا

کام ہی نہیں کر رہی تھی۔ ادھر سے آواز آئی وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰاِبْرٰهِیْمُ
اللہ نے فرمایا ہم نے آواز دی اے ابراہیم قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا تو نے
خواب کو سچا کر دکھایا۔ آپ اس آزمائش میں پورے اترے۔ اِنَّا كَذٰلِكَ
نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ ابراہیم
علیہ السلام نے تعمیل حکم کرتے ہوئے بیٹے کے گلے پر چھری چلا دی مگر اللہ تعالیٰ
کو اسماعیل علیہ السلام کی جان بچانا مقصود تھی، لہٰذا اس نے آپ کو اس کا بیٹا صحیح
سلامت لوٹا دیا۔

اللہ نے فرمایا اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ یہ ایک صریح
آزمائش تھی جو ابراہیم علیہ السلام پر ڈالی گئی جس میں آپ پورا اترے۔ اور پھر اللہ
نے یہ احسان بھی فرمایا کہ اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بھی دیدیا۔ فرمایا وَفَدَیْنٰهُ
بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ اور ہم نے ایک عظیم جانور کے ذبح کرنے کا فدیہ دیا۔
یہ عظیم جانور ایک مینڈھا تھا جو اللہ نے جنت سے نازل فرمایا اور ابراہیم علیہ السلام
کی چھری اسماعیل علیہ السلام کی بجائے اس مینڈھے کی گردن پر چل گئی، وہ ذبح ہو
گیا اور اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ گویا مینڈھا آپ کا فدیہ بن گیا
مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ذبح عظیم سے مراد صرف جانور کی قربانی نہیں
جو جنت سے نازل شدہ عظیم جانور تھا۔ بلکہ اس سے یہ ارشاد بھی ہوتا ہے
کہ ہم نے قربانی کا ایک بہت بڑا اصول قائم کر دیا ہے جو قیامت تک جاری رہے
گا اور اصل جذبہ ایمان و اطاعت تو وہی تھا جو بیٹے کی قربانی کے لیے موجزن تھا
مگر اللہ نے جان کے بدلے کے طور پر اسے جانوروں میں منتقل کر دیا۔ لہٰذا اسی جذبے
کے تحت آئندہ کے لیے جانور انسانی جان کا فدیہ ہوگا۔ یہ دستور قیامت تک
زندہ رہے گا اور اہل ایمان ہر سال جانوروں کی قربانی کرتے رہیں گے۔

۱؎ قرطبی ص ۱۰۲ ج ۱۵ (فیاض)

رہے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ شاید اسی سال یہ خواب پورا ہو گا۔ اور آپ عمرے
کی سعادت حاصل کر رہے ہوں گے مگر اس سال آپ بغیر عمرہ ادا کیے مقام حدیبیہ
سے واپس آ گئے اور اگلے سال جا کر عمرہ ادا کیا۔ اس طرح لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ
رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ (الفتح - ۲۷) اللہ نے اپنے رسول کا خواب سچا کر دیا۔

اسماعیل علیہ السلام کی قربانی

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بار بار یہ خواب آ رہا تھا۔ کہ آپ حضرت
اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ
خواب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بتلایا کہ ان کی رائے لی تو سعادت مند بیٹے نے
جواب دیا۔ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ اے اباجی! جس کام کا آپ کو حکم دیا
جا رہا ہے اسے کر گزریں میں اللہ کے حضور میری قربانی پیش کر دو۔ جہاں تک
میری ذات کا تعلق ہے میں حکم خداوندی کی تعمیل میں کوئی پس و پیش نہیں کروں گا
بلکہ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ انشاء اللہ آپ مجھے
صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ میں حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کرتا
ہوں۔ آپ میری گردن پر چھری چلا دیں۔ یہی وہ بردباری ہے جو اللہ تعالیٰ نے
حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مزاج میں رکھ دی تھی۔ اللہ نے آپ کو نبوت و رسالت
کے منصب پر فائز کرنا تھا، چنانچہ آپ کی تربیت بچپن سے کمال درجے کی ہو رہی
تھی۔ بہر حال آپ نے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کر دیا۔

فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا پھر جب دونوں باپ بیٹا مطیع ہو گئے یعنی اُن کے اندر
حکم خداوندی کی تعمیل کا جذبہ درجہ بدرجہ بیدار ہو گیا۔ وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ اور ابراہیم
علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو پیشانی کے بل گرا دیا تاکہ آپ کی گردن پر
چھری چلا دیں۔ پیشانی کے بل لٹانے کا یہ مطلب ہے کہ بیٹے کا خوبصورت
چہرہ دیکھ کر باپ کے دل میں کہیں جذبۂ ترحم نہ پیدا ہو جائے اور حکم الٰہی کی
تعمیل میں فرق نہ آ جائے۔ بہر حال جب باپ نے بیٹے کو الٹا کر کے گردن پر
تیز چھری بھی چلا دی۔ مگر ابراہیم علیہ السلام یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ چھری، پتا

کچھ خوفزدہ ہوئے تو فرشتوں نے تسلی دی کہ خوف نہ کھائیں، ہم تو قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں، ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہؑ جو پاس کھڑی تھی ہنس پڑی فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَاۗءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (آیت۔ ۷۱) پھر ہم نے اس کو اسحاقؑ اور اُن کے پیچھے (اُن کے بیٹے) یعقوبؑ کی بشارت دی۔ وہ کہنے لگی، ہائے میرے کیسے بچہ ہوگا کہ میں بڑھیا ہوں اور میرے میاں بھی بوڑھے ہو چکے ہیں یہ تو عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا، کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو، تم پر خدا تعالیٰ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہیں تمھارے خاندان پر۔ اللہ تعالیٰ علم والا بیٹا عطا کرے گا۔ اور اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام اپنے پوتے یعقوب علیہ السلام کو بھی دیکھیں گے چنانچہ یہ بشارت بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمائی۔

قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام یا اسحاق علیہ السلام

یہودیوں نے اس مسئلہ کو الجھایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جس بیٹے کی قربانی دی تھی وہ اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام۔ حقیقت یہ ہے کہ قربانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہوئی تھی جو حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے تھے اور اسحٰق علیہ السلام سے سولہ سال بڑے تھے امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کے نتیجہ میں اسّی سال کی عمر میں پیدا ہوئے جب کہ اسحاق علیہ السلام بغیر دُعا کے پیدا ہوئے جن کی بشارت قوم لوط پر عذاب لانے والے فرشتوں نے حضرت سارہؑ کو دی جنھوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کیونکہ اس وقت میاں بیوی دونوں بوڑھے ہو چکے تھے۔ مطلب یہ کہ قربانی کا واقعہ اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ ہی پیش آیا تھا۔

البتہ بائبل کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے لیے حضرت اسحاق علیہ السلام کو پیش کیا گیا تھا۔ دراصل یہ یہودیوں کے جھوٹ اور تہمت

لے

اس فدیہ سے بعض فقہی مسائل بھی مستنبط ہوتے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر مانے گا تو وہ حرام ہوگی کیونکہ حیوان کے بعد انسانی جان کو قربانی کے لیے پیش کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے از خود کسی انسان کو ذبح کرنے کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور امام ابو حنیفہؒ سے یہی منقول ہے[1] کہ بیٹے کی قربانی کی نذر ماننے والے کو بکرے کی قربانی کرنا چاہئے کہ اس کی نذر یا قسم کا یہی کفارہ ہوگا۔ حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت میں آتا ہے[2] کفارۃ النذر کفارۃ الیمین یعنی نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوتا ہے۔ بعض لوگ نذر مان کر بیٹوں کو ذبح کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے جو کہ قطعی حرام ہے۔

فرمایا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ اور ہم نے اس کا ذکر خیر پچھلوں میں چھوڑا ہے۔ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ سلامتی ہو ابراہیم علیہ السلام پر كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ بے شک وہ ہمارے کامل الایمان بندوں میں سے تھے۔

اسحاق علیہ السلام کی بشارت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور بیٹے کی قربانی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ اور ہم نے بشارت دی ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کی جو اللہ کا نبی اور نیکوں میں سے تھا۔ اس بشارت کا ذکر سورۃ ہود میں تفصیل کے ساتھ ہوا ہے کہ قوم لوط پر عذاب لیکر آنے والے فرشتے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی شکلوں میں گئے۔ انہوں نے مہمان سمجھ کر بھنا ہوا بچھڑا ان کے سامنے رکھا مگر ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے تھے جس کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام

---

1. احکام القرآن جصاص ص ۳۶۴ ج ۳
2. احکام القرآن جصاص ص ۳۶۴ ج ۳ (فیاض)

تمام عرب پیدا ہوئے اور پھر انہی میں سے اللہ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ دونوں خاندانوں میں شکر گزار بھی ہیں اور گنہگار بھی ان کے موحد بھی ہیں۔ اور مشرک بھی جن کا ذکر اللہ نے قرآن پاک میں جابجا کیا ہے۔

میں تحریف کا نتیجہ ہے۔ یہودی بنی اسرائیل ابراہیم کے فرزند تھے اور مجبور ہونے پر خدا بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ بائبل میں لکھا ہے کہ اسرائیلیوں کی عرب کے ساتھ دشمنی تھی۔ یہودی جو عرب کے قبائل کو حرامی ثابت کرنے کے لیے حضرت لوط علیہ السلام پر یہ الزام باندھا کہ انھوں نے نعوذ باللہ شراب پی کر خود اپنی بیٹیوں سے بدکاری کی جن کی اولاد موآبی ہیں۔ بالکل اسی طرح یہودیوں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ قربانی اسحاق علیہ السلام کی ہوئی تھی حالانکہ قربانی کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب اسحاق علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور اسماعیل علیہ السلام باپ کے اکیلے بیٹے تھے۔ اس مقام پر بھی اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اور ذبح عظیم کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت بھی دی۔ واقعاتی لحاظ سے بھی قربانی کا واقعہ مکہ میں پیش آیا اور یہیں ہر سال حاجی لاکھوں کی تعداد میں قربانیاں کرتے ہیں اس کے برخلاف حضرت اسحاق علیہ السلام تو شام و فلسطین میں رہے۔ اگر قربانی کا واقعہ ان کے ساتھ پیش آتا تو اس کا مرکز بھی مکہ کی بجائے شام و فلسطین ہوتا۔ بہرحال قرآن پاک کے اسلوب سے واضح ہے کہ قربانی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ہوئی تھی اور یہودی اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔

خاندانِ ابراہیم فرمایا ہم نے بشارت دی اسحاق علیہ السلام کی جو نیکوں میں سے نبی تھے وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ اور ہم نے برکت دی اس پر یعنی ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام پر۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا اور دونوں کی اولاد میں سے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کی اولاد میں سے جن کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ دونوں بھائیوں کی اولاد میں سے نیکی کرنے والے بھی ہیں اور اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے بھی۔ خاندانِ اسحاق میں سے ہزاروں نبی ہوئے جو شام و فلسطین میں پھیلے۔ اور اسی طرح خاندانِ اسماعیل میں سے

إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٣٥﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٣٦﴾
وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ ﴿١٣٧﴾
وَبِاللَّيْلِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٣٨﴾

ترجمہ:۔ اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا موسیٰ اور
ہارون علیہما السلام پر (۱۱۴) اور ہم نے ان دونوں کو نجات
دی اور ان کی قوم کو بھی بڑی مصیبت سے (۱۱۵) اور ہم
نے ان کی مدد کی پس تھے وہی غالب ہونے والے (۱۱۶)
اور دی ہم نے ان دونوں کو ایک واضح کتاب (۱۱۷)
اور ہم نے راہنمائی کی ان دونوں کی صراط مستقیم کی طرف (۱۱۸)
اور چھوڑا ہم نے ان کے اوپر پچھلے لوگوں میں (۱۱۹) کہ
سلام ہو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر (۱۲۰) بیشک ہم
اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو (۱۲۱) بیشک تھے
وہ دونوں ہمارے ایماندار بندوں میں سے (۱۲۲) اور بیشک
الیاس علیہ السلام البتہ اللہ کے رسولوں میں سے تھے (۱۲۳)
جب کہا انہوں نے اپنی قوم سے کیا تم ڈرتے نہیں (۱۲۴)
کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو سب سے بہتر
خالق کو (۱۲۵) اللہ جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے آباؤ اجداد
کا بھی پروردگار (۱۲۶) پس ان لوگوں نے جھٹلایا اس
کو۔ پس بے شک وہ (عذاب میں پکڑے ہوئے) حاضر
کیے جائیں گے (۱۲۷) مگر اللہ کے مخلص بندے (۱۲۸)
اور چھوڑا ہم نے ان کے اوپر پچھلے لوگوں میں (یہ
بات) (۱۲۹) کہ سلام ہو الیاسین پر (۱۳۰) اسی طرح ہم بدلہ

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَٰرُونَ ﴿١١٤﴾ وَنَجَّيْنَٰهُمَا
وَقَوْمَهُمَا مِنَ ٱلْكَرْبِ ٱلْعَظِيمِ ﴿١١٥﴾ وَنَصَرْنَٰهُمْ
فَكَانُوا۟ هُمُ ٱلْغَٰلِبِينَ ﴿١١٦﴾ وَءَاتَيْنَٰهُمَا ٱلْكِتَٰبَ
ٱلْمُسْتَبِينَ ﴿١١٧﴾ وَهَدَيْنَٰهُمَا ٱلصِّرَٰطَ ٱلْمُسْتَقِيمَ ﴿١١٨﴾
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِى ٱلْءَاخِرِينَ ﴿١١٩﴾ سَلَٰمٌ عَلَىٰ
مُوسَىٰ وَهَٰرُونَ ﴿١٢٠﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِى
ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٢١﴾ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٢﴾
وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِۦٓ
أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾ أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ
أَحْسَنَ ٱلْخَٰلِقِينَ ﴿١٢٥﴾ ٱللَّهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ
ءَابَآئِكُمُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿١٢٦﴾ فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ
لَمُحْضَرُونَ ﴿١٢٧﴾ إِلَّا عِبَادَ ٱللَّهِ ٱلْمُخْلَصِينَ ﴿١٢٨﴾
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى ٱلْءَاخِرِينَ ﴿١٢٩﴾ سَلَٰمٌ عَلَىٰٓ
إِلْ يَاسِينَ ﴿١٣٠﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِى ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٣١﴾
إِنَّهُۥ مِنْ عِبَادِنَا ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣٢﴾ وَإِنَّ لُوطًا
لَّمِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٣﴾ إِذْ نَجَّيْنَٰهُ وَأَهْلَهُۥٓ أَجْمَعِينَ ﴿١٣٤﴾

کی دوسری بیوی حضرت سارہؑ سے بھی بیٹے کی بشارت دی اور پھر اللہ نے اس کے ذریعے حضرت اسحاق علیہ السلام جیسا عظیم المرتبت بیٹا عطا فرمایا جن کی اولاد کا سلسلہ دور تک گیا اور جن میں اللہ نے ہزاروں نبی مبعوث فرمائے۔ اس واقعہ میں حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہے کہ دیکھو اللہ کے جلیل القدر پیغمبر کیسی کیسی تکالیف، اذیتیں اور کتنے امتحانات سے گزرے تو پھر اللہ نے ان پر انعامات بھی بے شمار کیے۔ اب اگلی آیات چند دیگر انبیاء اور ان کو پہنچنے والی تکالیف اور پھر ان کی کامیابی کا ذکر آ رہا ہے۔ اس سے حضور علیہ السلام اور آپ کے تابعین کو سمجھانا مقصود ہے کہ مخالفین کی ایذا رسانیوں سے دل برداشتہ نہ ہوں۔ بالآخر کامیابی تمہارے ہی مقدر میں ہوگی۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوسٰى وَهٰرُونَ اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات تو قرآن پاک میں چالیس سے زیادہ مرتبہ مختلف سورتوں میں بیان ہوئے ہیں۔ تاہم یہاں پر اختصار کے ساتھ یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کے ان پیغمبروں نے اللہ کی وحدانیت کا پیغام پہنچانے کے لیے کن کن مشکلات کا سامنا کیا۔ مگر بالآخر اللہ نے انہیں کامیاب بنایا۔ ارشاد ہوتا ہے وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ اور ہم نے ان دونوں (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) اور دونوں کی قوم کو بڑی اذیت سے نجات دی۔ وَنَصَرْنٰهُمْ اور ہم نے ان کی مدد کی فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ اور آخر کار وہی غالب آئے۔ فرعون اور اس کی قوم کو اللہ نے بحر قلزم میں غرق کر دیا اور بنی اسرائیل آزاد ہو گئے۔

پھر فرمایا وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ اور اللہ کے دونوں نبیوں کو ہم نے ایک واضح کتاب بھی دی۔ اس سے مراد تورات ہے۔ جو اصل میں تو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تاہم چونکہ دونوں پیغمبر اسی کتاب کی تبلیغ کے پابند تھے، لہٰذا اللہ نے اس کتاب کو دونوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس وقت

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر

شیۃ اِن نیکی کرنے والوں کو (۱۳۱) تحقیق وہ تھے ہمارے یک
بندوں میں سے (۱۳۲) اور بیشک لوط علیہ السلام بھی البتہ اللہ
کے رسولوں میں سے تھے (۱۳۳) جب کہ بچایا ہم نے اُن
کو اور اُن کے گھر والوں سب کو (۱۳۴) مگر ایک بڑھیا
جو پیچھے رہنے والوں میں تھی (۱۳۵) پھر ہلاک کیا ہم نے
دوسروں کو (۱۳۶) اور بیشک تم (اے اہلِ مکہ) البتہ
گزرتے ہو اُن پر صبح کے وقت (۱۳۷) اور رات کو بھی
کیا تم سمجھ نہیں رکھتے ؟ (۱۳۸)

ربط آیات اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے دو فرزند
اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کا ذکر فرمایا۔ یہ تینوں حضرات اللہ کے نبی اور رسول
تھے۔ یہ سب اصحاب کامل درجے کے دیانتدار اور اعلیٰ پیمانے کی نیکی کرنے والے
تھے فَلَمَّآ اَسۡلَمَا کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ باپ اور بیٹا ہر وقت
اطاعت خداوندی میں مصروف رہتے تھے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو
مسئلہ توحید سمجھایا تو وہ مخالف ہوگئی اور ابراہیم علیہ السلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے
کے منصوبے بننے لگے۔ چنانچہ تاریخِ عالم کی عظیم ترین آگ جلائی گئی جس میں ابراہیم
علیہ السلام کو پھینک دیا گیا۔ یہ تو اللہ کی قدرت کی نشانی اور عظیم معجزہ تھا۔ کہ
ابراہیم علیہ السلام اس آگ سے صحیح سلامت بچ نکلے مگر اس کے باوجود قوم کے
لوگ آپ کی دعوت کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ پھر آپ نے اللہ کے
حکم سے ہجرت کی اور اپنی مقررہ جگہ پر پہنچ کر درگاہِ رب العزت میں بیٹے
کیلئے دعا کی جو اللہ نے قبول فرمائی۔ پھر جب بچہ بھاگنے دوڑنے کی عمر کو
پہنچ گیا تو اللہ نے اُس کی قربانی کا حکم دیا۔ ابراہیم علیہ السلام اس امتحان میں
کامیاب ہوئے اور اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے مینڈھا بھیج
کر قربانی کی تکمیل کی اور اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام

الْمُؤْمِنِيْنَ یہ دونوں ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پہلے حضرت نوح اور ابراہیم علیہما السلام کے لیے بھی یہی الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور اب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو بھی اللہ نے کامل ایماندار بندوں میں شمار کیا ہے۔

الیاس علیہ السلام کا تذکرہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور نبی حضرت الیاس علیہ السلام کا تذکرہ اس طرح فرمایا وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اور بیشک الیاس علیہ السلام بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے۔ معلوم ہوا کہ اللہ نے نزول وحی کے علاوہ آپ کو مستقل شریعت بھی عطا کی تھی۔ قرآن پاک میں الیاس علیہ السلام کا ذکر صرف دو مقام پر آیا ہے۔ پہلا مقام سورۃ الانعام ہے جہاں اللہ نے اٹھارہ انبیاء کا تذکرہ کر کے فرمایا کہ اگر وہ بھی شرک کا ارتکاب کرتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔ اُن میں حضرت الیاس علیہ السلام کا نام بھی مذکور ہے۔ اور دوسرا مقام اس سورۃ میں ہے جہاں اللہ نے آپ کی دعوت توحید کا ذکر فرمایا ہے اور ساتھ ساتھ آپ کی نیکی اور ایمان کا تذکرہ کیا ہے۔

اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اور ان کا زمانہ مسیح نبی کا قریبی زمانہ ہے۔ آپ شرقِ اردن کے ایک مقام جلعاد میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں بَعْلَبَکّ بڑا متمدن شہر تھا۔ اللہ نے آپ کو اسی شہر کی طرف مبعوث فرمایا۔ آکر وہاں کے لوگوں کو توحید کی دعوت دیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ وہ زندہ ہیں، حالانکہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ اپنا دور گزار کر اپنے رب کے ہاں پہنچ چکے ہیں۔

بعل بت کی پوجا

بائبل میں بعلبک کے بادشاہ کا نام اخاب اور اس کی مشرکہ بیوی کا نام ازابل

لہ تفسیر کبیر ص ۱۶۲/۲۶ والسراج المنیر ص ۳۹۹/۳

تلہ طبری ص ۹۳/۲۳ ومعالم التنزیل ص ۳۴/۳ ومدارک ۲۱/۴ (فیاض)

بائبل کے پہلے پانچ باب تورات پر مشتمل ہیں۔ قرآن پاک کے بعد یہ دوسرے نمبر کی عظیم الشان آسمانی کتاب ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے عقائد، اخلاق، حدود تعزیرات کے علاوہ معاشرتی احکام بھی بیان کیے ہیں۔ اس کتاب کی عظمت کے پیش نظر اللہ نے سورۃ القصص میں قرآن اور تورات کے متعلق مشترکہ طور پر فرمایا قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا (آیت - ۴۹) اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان دونوں کتابوں سے بہتر ہدایت والی کوئی کتاب ہے تو لے آؤ۔ مطلب یہ کہ یہ دونوں کتابیں یعنی قرآن اور تورات سب سے زیادہ جامعیت کی حامل ہیں۔ ان کے علاوہ باقی دو آسمانی کتابیں انجیل اور زبور ہیں مگر وہ اتنی جامع نہیں ہیں۔ ان میں زیادہ تر اخلاقی تعلیم ہے، احکام اور تعزیرات کم ہیں۔ البتہ توحید کا اثبات اور شرک کی تردید تمام کتب سماوی میں پائی جاتی ہے۔

پھر اللہ نے اپنے دونوں انبیاء یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق فرمایا وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اور ہم نے دونوں کو راہ راست کی طرف راہنمائی کی۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں صراط مستقیم کے راہی تھے۔ اللہ نے ان کے قول و فعل میں استقامت بخشی تھی۔ دیگر انبیاء کی طرح اللہ نے ان کو بھی صغائر و کبائر اور ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ رکھا تھا۔ ان میں کمال درجے کی عبادت و ریاضت تھی۔ وہ صبر و تحمل اور بردباری کا پیکر تھے۔ نیز فرمایا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ اور ہم نے پچھلوں کے لیے بھی ان دونوں کے حق میں یہ بات چھوڑ دی یعنی بعد میں آنے والے لوگ بھی ان کو اچھائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور کہتے ہیں سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ سلام ہو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر۔ اللہ نے ان کو وہ مرتبہ بخشا کہ قیامت تک آنے والے لوگ ان کے لیے سلامتی اور رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ فرمایا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا

فرمایا وہ بہترین پیدا کرنے والا اَللّٰہَ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ جو تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے آباؤ اجداد کا بھی۔ تم اس کی بجائے بعل کی پوجا کرتے ہو جو بے جان مورتی ہے اور تمہارے کسی کام نہیں آسکتی۔ آج بھی مشرک لوگ ویسا ہی کام کرتے ہیں۔ وہ یہ معاملہ بتوں کے ساتھ کرتے تھے، آج کے مسلمانوں نے یہی معاملہ قبروں کے ساتھ شروع کر دیا ہے۔ قبروں کو پختہ کیا ہوا ہے، ان پر گنبد بنائے جاتے ہیں، پھر چادریں چڑھتی ہیں۔ اور گل پاشی ہوتی ہے اور پھر نادان لوگ ان کو سجدے کرتے ہیں۔ ——— اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ کفر، شرک اور بدعات کی باتیں ہیں جن میں رسومات باطلہ بھی شامل ہو جاتی ہیں، اور شرک کے یہ اڈے بعض لوگوں کی معیشت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ پھر لوگ انہیں کاروباری لحاظ سے ترقی دیتے ہیں۔ ان کے حق میں الٹا سیدھا پراپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ عرس اور میلے منعقد ہوتے ہیں اور اس طرح ان کا کاروبار چل نکلتا ہے۔

تو الیاس علیہ السلام نے فرمایا، کیا تم بہترین پیدا کرنے والے کو چھوڑ کر بعل کی پوجا کرتے ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الزمر-۶۲) ہر چیز کو پیدا کرنے والا (خالق) اللہ ہے مگر احسن الخالقین کے لفظ سے مترشح ہوتا ہے کہ کوئی اور بھی خالق ہیں جن میں سے بہترین خالق اللہ ہے۔ تو بہترین خالق اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ مجازی طور پر انسان بھی تو بعض چیزیں تیار کرتے ہیں، مثلاً کیمسٹری والوں نے بے شمار مرکبات تیار کیے ہیں اور فنز کس کے ماہرین نے بہت سی مشینری ایجاد کی ہے جس سے ضروریات زندگی کی لاتعداد چیزیں بنائی جا رہی ہیں۔ بندے اپنے عطا شدہ اختیارات کو بروئے کار لا کر ترقی پا رہا ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے۔ مگر حقیقی خالق وہی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں گزر چکا ہے کہ انسان کے افعال کا خالق بھی

ذکر کیا گیا ہے۔ بادشاہ اپنی بیوی کے زیر اثر تھا لہٰذا یہ سب لوگ بعل بت کی پوجا کرتے تھے۔ بعض کا لفظی معنی سردار، آقا یا خاوند ہوتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ بعل نامی ایک نیک کار عورت تھی جس کے مرنے کے بعد لوگوں نے اس کا بت بنا کر پوجا شروع کر دی۔ یہ بالکل اسی طرح ہوا تھا جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر جیسے نیک آدمیوں کے بت بنا کر لوگ ان کی پوجا کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام کی بعثت کے زمانے میں لات نامی بت کی پرستش ہوتی تھی۔ یہ بھی حقیقت میں ایک نیک آدمی تھا، حاجیوں کو ستو پلایا کرتا تھا جب مر گیا تو لوگوں نے اس کا بت بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی۔ اساف اور نائلہ نامی مرد و زن کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا۔ یہ بدبخت خانہ کعبہ میں بدکاری کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر انہیں پتھروں میں تبدیل کر دیا۔ پھر لوگوں نے انہیں صفا اور مروہ پہاڑیوں پر رکھ دیا تاکہ لوگ ان سے عبرت پکڑیں، مگر جب کچھ زمانہ گزر گیا تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ انہیں بزرگ سمجھ کر ان کی پوجا ہونے لگی۔ چنانچہ مشرک لوگ ان کے نام کا احرام باندھتے تھے اور لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کی بجائے لَبَّيْكَ اِسَافَ وَنَائِلَةَ کہتے تھے۔

الیاس علیہ السلام کی دعوت توحید

بہرحال الیاس علیہ السلام کی قوم بعل کی پوجا کرتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ بعل بت کی پوجا سے روک کر لوگوں کو توحید کی دعوت دو۔ آپ نے وہاں پر قوم کو خطاب فرمایا۔ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ جب کہ کہا انہوں نے اپنی قوم سے اَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم ڈرتے نہیں؟ دیکھو تم کفر اور شرک میں مبتلا ہو۔ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا کیا تم بعل بت کو پکارتے ہو، اس سے اپنی حاجات طلب کرتے ہو، اور اس کے سامنے نذر و نیاز پیش کرتے ہو وَتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ اور سب سے بہتر پیدا کرنے والی ذات کو چھوڑ دیتے ہو، اس کی عبادت نہیں کرتے اور نہ اس سے حاجت براری کرتے ہو، یہ کتنی بڑی زیادتی کی بات ہے۔

الیاس علیہ السلام کی تبلیغ

اللہ نے فرمایا وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ہم نے ان کا ذکرِ خیر پچھلوں میں چھوڑا یعنی بعد میں آنے والے لوگ بھی کہیں گے سَلَامٌ عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ سلام ہو الیاسین پر۔ اس سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام ہی ہیں۔ عرب قرأت میں بعض وقت ایسے بھی پڑھتے ہیں جیسے طور سیناء کو طُورِ سِينِينَ (۲۰) بھی کہا گیا ہے۔ فرمایا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ، وہ ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے تھے۔ اسی لیے اللہ نے انہیں رسالت و نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور پھر آپ نے دیکھا کہ انہوں نے کس خلوص و لگن کے ساتھ اپنی قوم تک دعوتِ توحید پہنچائی اور کس طرح مصائب کو برداشت کیا۔ اگرچہ یہاں پر آپ کی ایذا رسانیوں کی تفصیل نہیں دی گئی، تاہم یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ توحید کی دعوت دینے والوں کو مشکلات کی گھاٹی عبور کرنا ہی پڑتی ہے اور جیسا کہ میں نے اشارہ کیا کہ آپ کچھ عرصہ تک روپوش رہے کیونکہ قوم آپ کی جان کے درپے تھی۔

لوط علیہ السلام کی دعوت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا تذکرہ فرمایا وَإِنَّ لُوطًا لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ اور بیشک لوط علیہ السلام بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے۔ انہوں نے بھی وحدانیت کی تبلیغ اور برائیوں سے منع کرنے کی پاداش میں سخت تکالیف اٹھائیں۔ آپ کی بعثت شرقِ اردن میں دریائے اردن کے ساتھ آبادیوں والی قوم کی طرف ہوئی جن کے سدوم اور عامورہ وغیرہ بڑے بڑے شہر تھے اور جن کی آبادی چار لاکھ سے زیادہ تھی اور باقی چھوٹی چھوٹی بستیاں اور دیہات تھے۔ آپ عرصہ تک ان کو تبلیغ حق کرتے رہے۔ اُن میں ہم جنسی کی نہایت ہی قبیح بیماری پیدا ہو چکی تھی جس سے آپ منع کرتے رہے مگر قوم نہ مانی بلکہ الٹا آپ کو طرح طرح سے ایذائیں پہنچائیں۔ آپ کی بیٹیوں کے سوا کوئی شخص بھی ایمان نہ لایا حتیٰ کہ آپ کی بیوی

وہی ہے۔ غرضیکہ تمام انسانی اختراعوں کی بنائی ہوئی مصنوعات کو سامنے رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ سب سے بہتر خالق اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ کوئی انسان مادہ کے بغیر کوئی چیز تخلیق نہیں کر سکتا اور مادہ خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کوئی چیز پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ زمین اور آسمان کو بغیر آلے اور مادے کے تخلیق کر سکتا ہے، اور بغیر باپ کے بیٹا عطا کر سکتا ہے، مگر کوئی صانع ایسا کام نہیں کر سکتا۔ اس لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ ہی بہترین خالق ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ذکر بھی کیا گیا ہے کہ بہترین خالق وہ اللہ ہے جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے آباؤ اجداد کا بھی۔ وہی تمہیں بتدریج حد کمال تک پہنچاتا ہے اور تمہیں تمام ضروریات زندگی مہیا کرتا ہے۔

اس دعوتِ توحید کے جواب میں فَكَذَّبُوْهُ قوم کے لوگوں نے الیاس علیہ السلام کو جھٹلا دیا۔ انہوں نے آپ کی کوئی بات نہ مانی بلکہ الٹا آپ کے خلاف ہو گئے اور آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے حتیٰ کہ بادشاہ اپنی بیوی کے کہنے پر آپ کے قتل کے درپے ہوا اور تفسیری روایات کے مطابق آپ کو کافی عرصہ تک روپوش بھی رہنا پڑا۔ فرمایا ان کی اس گستاخی، نافرمانی اور تکذیب کا نتیجہ یہ نکلے گا فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ کہ قیامت والے دن وہ گرفتار کر کے اللہ کی عدالت میں پیش کیے جائیں گے۔ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ مگر اس کے مخلص بندے اس گرفت سے بچ جائیں گے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں گے، ظلم و زیادتی سے باز آ جائیں گے، عدل و انصاف کا دامن تھام لیں گے، وہی اللہ کے مخلص بندے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ جائیں گے۔

۱؎ البری ص ۳۴۳ و خازن ص ۳۲ (فیاض)

میں تو شیطان پر لعنت بھیجتے ہو مگر باطن میں اس کے ساتھ دوستانہ ہے۔ تم اکثر کام شیطان کی خواہش کے مطابق انجام دیتے ہو۔ تمام رسم و رواج، بدعات، شرکیہ اور کفریہ حرکات اور فضول خرچی شیطان کی خواہش کی تکمیل ہی تو ہے۔ سورۃ یٰسین میں اللہ نے ابن آدم کو خطاب کر کے فرمایا ہے اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (آیت ۶۰) اے ابن آدم! کیا میں نے تمہیں خبردار نہیں کیا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے مگر تم پھر بھی اس کے دام میں پھنس گئے۔

فرمایا شیطان کو اپنا دشمن سمجھو اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ بے شک وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ سب دوزخ والوں میں ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی جماعت بنا کر ان کو جہنم میں لے جانا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

کفر اور ایمان کا انجام

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان کا انجام بھی بیان کر دیا ہے ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ کفر کا انجام لازماً بُرا ہو گا۔ کفر کا معنیٰ دین، شریعت اور توحید کا انکار ہے۔ یہ سخت جرم ہے جس کی سزا دائمی جہنم ہے۔ دوسری طرف اہل ایمان کے متعلق فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہو گا۔ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ دوسری منزل ہے اگر ایمان کی بنیاد مستقیم ہے تو نیکی بھی مقبول ہو گی، ورنہ نہیں۔ نیک اعمال میں سب سے پہلے فرائض یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج آتے ہیں۔ پھر جہاد قربانی، اور صدقہ و خیرات کا نمبر ہے۔ انسان سے بہت سی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ ایمان اور نیک اعمال کی وجہ سے معاف فرمادے گا۔ دوسرا

بیکار ہو رہی۔ یہ تجارت پیشہ لوگ تھے۔ یمن سے شام و فلسطین اور مصر تک جانے والی شاہراہ پر واقع تھے۔ یہاں سے قافلے ہر وقت گزرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے یہ لوگ خاصے آسودہ حال تھے۔

ارشاد ہوا کہ لوط علیہ السلام بھی ہمارے رسولوں میں سے تھے۔ اللہ نے آپ کو مشعلِ شریعت عطا فرمائی تھی کہ آپ بنی نوع انسان کو خدا کا فرمان پہنچاتے تھے اور قوم نے آپ کا ناک میں دم کر رکھا تھا بالآخر قوم کی تباہی کا وقت آگیا۔ اللہ نے حکم دیا کہ اپنے گھر والوں کو لے کر راتوں رات بستی سے نکل جائیں کیونکہ ان پر عذاب آنے والا ہے۔ آپ نے ایسا ہی کیا اور اپنی بچیوں کو لے کر نکل کھڑے ہوئے اس طرح آپ اور آپ کے گھر والے تو بچ گئے اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ہم نے نجات دی آپ کو اور آپ کے گھر والوں سب کو اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ سوائے بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ یہ آپ کی بیوی تھی جو آپ کے ساتھ روانہ تو نہیں نکلی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ نکل تو آئی تھی مگر راستے سے واپس چلی گئی تھی۔ تورات کی ہدایت کے مطابق حکم یہ تھا کہ بستی سے نکل جائیں مگر پلٹ کر نہ دیکھیں مگر بیوی تھوڑی دور چلی پھر پلٹ کر بستی کی طرف دیکھا تو اللہ نے اس کو وہیں مسخ کر دیا اور وہ پتھر بن گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ گھر میں ہی ٹھہری رہی اور باقی قوم کے ساتھ عذاب کا شکار ہو گئی۔ اللہ نے ان کی بستیاں کو الٹ دیا اور پھر اوپر سے پتھروں کی بارش بھی کی جس سے ساری قوم ملیامیٹ ہو گئی۔ اسی چیز کے متعلق فرمایا کہ لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں یعنی بچیوں کو تو ہم نے بچا لیا ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ پھر دوسروں کو تہس نہس کر دیا۔ تدمیر کا معنی تہ و بالا کر دینا ہوتا ہے۔ اللہ نے کسی فرد واحد کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

ـلہ طبری ص ۹۳ ج

ـلہ

ـلہ طبری ص ۲۳ ج (فیاض)

جائے عبرت

آگے اہل مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے اور عبرت دلائی جا رہی ہے وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ اور بلاشبہ تم ان پر سے گزرتے ہو صبح کے وقت وَبِالَّيْلِ اور ان تباہ شدہ بستیوں پر تمہارا گزر رات کے وقت بھی ہوتا ہے۔ تم تجارتی سفر پر مصر، شام اور فلسطین کی طرف جاتے ہو۔ تو ان بستیوں کے کھنڈرات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہو۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ تک ان بستیوں کے کھنڈرات موجود تھے جنہیں مشرکین مکہ دیکھتے تھے مگر ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے تھے۔ بحر میت کو اللہ تعالیٰ نے اس قدر برباد کر دیا کہ اس میں اب بھی کوئی جاندار چیز زندہ نہیں رہ سکتی۔ اللہ نے عبرت دلاتے ہوئے فرمایا کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ کر بھی تم راہ راست پر نہیں آتے۔ انہوں نے اپنے نبی لوط علیہ السلام کی تکذیب کی، ان کو ایذائیں پہنچائیں، حق کو تسلیم نہ کیا تو ان کا یہ حشر ہوا۔ اگر تم بھی انہی کے راستے پر چلتے ہوئے نبی آخر الزمان کی مخالفت کرو گے ان کو تکالیف پہنچاؤ گے اور ان پر ایمان نہیں لاؤ گے تو تمہارا انجام بھی قوم لوط سے مختلف نہیں ہوگا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔ تمہاری عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ کافروں، مشرکوں اور بدکردار لوگوں کا انجام کیا ہوا ہے۔ ان کو دیکھ کر بھی نصیحت پکڑو اور تائب ہو جاؤ گے ورنہ خدا کے عذاب میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکو گے۔

وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٩﴾ إِذْ أَبَقَ إِلَى
الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿١٤٠﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ
الْمُدْحَضِينَ ﴿١٤١﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ
مُلِيمٌ ﴿١٤٢﴾ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ
الْمُسَبِّحِينَ ﴿١٤٣﴾ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ
يُبْعَثُونَ ﴿١٤٤﴾ فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿١٤٥﴾
وَأَنبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّن يَقْطِينٍ ﴿١٤٦﴾
وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴿١٤٧﴾
فَآمَنُوا فَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١٤٨﴾

ترجمہ:۔ اور بیشک یونس علیہ السلام اللہ کے رسولوں میں
سے ہیں ﴿۱۳۹﴾ جب وہ بھاگ گئے بھری ہوئی کشتی کی
طرف ﴿۱۴۰﴾ پس قرعہ اندازی میں شریک ہوئے پس
وہی تھے مغلوب ہونے والوں میں ﴿۱۴۱﴾ پس لقمہ
بنا لیا اُن کو ایک مچھلی نے اور وہ ملامت والے
تھے ﴿۱۴۲﴾ پھر اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ تسبیح پڑھنے
والوں میں ہوتے ﴿۱۴۳﴾ تو البتہ ٹھہرتے وہ اس (مچھلی)
کے پیٹ میں لوگوں کے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن

تک (۱۴۴) پھر ہم نے ڈال دیا اُن کو ایک چٹیل میدان میں
اور وہ بیمار تھے (۱۴۵) اور اگایا ہم نے ان کے اُوپر
ایک بیل دار درخت (۱۴۶) اور بھیجا ہم نے اُن کو ایک
لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف (۱۴۷) پس وہ
ایمان لائے۔ پھر ہم نے اُن کو فائدہ پہنچایا ایک وقت تک (۱۴۸)

ربطِ آیات

پہلے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر ہوا، پھر الیاس علیہ السلام کا اور پھر لوط علیہ السلام کا۔ یہ سب اللہ کے نبی اور رسول تھے جنہوں نے ایمان اور توحید کی بات لوگوں تک پہنچائی، مگر لوگوں نے تسلیم نہ کیا بلکہ شدید مخالفت کی اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں۔ اس کے نتیجے میں اللہ نے اُن کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ نوح علیہ السلام کی دُعا کے نتیجے میں اللہ نے اُن کی قوم کو غرق کیا، موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے مخالفین بھی بحرِ قلزم میں ڈوبے۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے قوم کو بعل کی پوجا سے منع کیا۔ وہ بھی باز نہ آئے تو اللہ نے اُن پر بھی عذاب بھیجا۔ اللہ نے حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں کو بستی سے نکال کر باقی لوگوں کو نیست و نابود کر دیا۔ ان کی بستیاں اُلٹ دی گئیں اور اُوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ یہ سارے واقعات اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ عرب اور بعد میں آنے والوں کے لیے بطورِ عبرت ذکر کیے ہیں، اور یاد دلایا ہے کہ اگر تم بھی نافرمانی سے باز نہ آئے اور دعوتِ حق کو قبول نہ کیا تو تمہارا انجام بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔

یونس علیہ السلام کا تذکرہ

اب اسی سلسلۂ رسالت کی کڑی کے طور پر حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اور یونس علیہ السلام بھی اللہ کے رسولوں میں سے تھے۔ وہ صاحبِ وحی تھے اور اللہ نے ان پر صحیفہ بھی نازل فرمایا جو کہ بائیبل میں صحیفہ یوناہ یا یونافت کے نام پر شامل ہے موجودہ بائیبل میں پہلے پانچ باب تورات کے ہیں اور کل انتالیس صحائف

وہ سنکڑوں نبیوں کے ہیں جن میں یونس نبی کا صحیفہ بھی ہے۔ آگے زبور ہے اور آخر میں چار انجیلیں ہیں۔ جس طرح عیسائیوں نے انجیل کو بگاڑ دیا ہے اسی طرح مقدس کتاب کہلانے والی تورات بھی انسانی ہاتھوں کی دست برد سے محفوظ نہیں رہی۔

یونس علیہ السلام کا اصل وطن تو شام و فلسطین تھا مگر اللہ نے ان کو عراق کے صوبہ موصل میں دریائے فرات کے کنارے واقع مشہور شہر نینوا کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ کا زمانہ مسیح علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے آٹھ سو سال قبل کا ہے۔ آپ بنی اسرائیل یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جن میں اللہ نے کم و بیش چار ہزار نبی مبعوث فرمائے۔ نینوا کا شہر ایک متمدن علاقہ تھا جہاں مستقل بادشاہت تھی۔ آپ وہاں عرصہ دراز تک لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے رہے مگر لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا۔ آخر آپ نے اللہ کے حکم سے لوگوں کو وعید سنائی کہ اگر اب بھی ایمان نہیں لاؤ گے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا انتظار کرو۔

یونس کی خطائے اجتہادی

یونس علیہ السلام لوگوں کو عذاب کی وعید سنا کر اس بستی سے از خود نکل گئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار نہ کیا۔ جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں مذکور ہے۔ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ (آیت ۔ ۸۷) انہوں نے گمان کیا کہ بلا اجازت بستی چھوڑ دینے سے ان پر اللہ کی گرفت نہیں آئے گی۔ یہ آپ کی خطائے اجتہادی تھی، وگرنہ انہیں خدا تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرنا چاہیئے تھا جب حکم ہوتا اس وقت بستی سے نکلتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس جلد بازی کو بے صبری سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ سورۃ القلم میں حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا ہے فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (آیت ۔ ۴۸) آپ اپنے پروردگار کے حکم کے لیے صبر کریں اور مچھلی والے یعنی یونس علیہ السلام کی طرح نہ بن جائیں۔ بہرحال اس واقعہ میں یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ صرف اجتہادی غلطی تھی جس کی بناء پر آپ پر اللہ کی گرفت

سے گرفت آگئی۔ کسی عام مومن پر ایسی معمولی خطا پر پکڑ نہیں ہوتی، مگر انبیاء علیہم السلام چونکہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں۔ اور اُن کی تربیت تہذیب زیادہ مقصود ہوتی ہے[1]، اس لیے اس قسم کی اجتہادی خطا پر بھی آزمائش میں ڈال دیے جاتے ہیں۔

عصمت انبیاء

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اللہ کے کسی نبی سے معمولی لغزش تو ہو سکتی ہے جیسے یونس علیہ السلام سے ہوئی مگر اُن کو یہ گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ اُن سے گناہ نہیں سرزد ہوتا۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر کوئی نبی بالقصد والاختیار گناہ کا مرتکب ہو تو دائرۂ نبوت سے ہی خارج ہو جائے گا۔ عصمت انبیاء کی شہادت خود قرآن پاک نے دی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (یوسف - ۲۴) یوسف علیہ السلام کو زلیخا کے دام فریب سے بچا کر فرمایا کہ ہم اسی طرح اپنے بندوں کو بُرائی اور بے حیائی سے دور رکھتے ہیں۔ اور یوسف علیہ السلام تو ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے۔ اللہ نے عام نبیوں کے متعلق بھی فرمایا ہے اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ (۴۶) وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ (۴۷) (سورۃ ص) ہم نے اُن کو آخرت کے گھر کی یاد جیسی خصوصیت سے ممتاز کیا ہے، اور وہ ہمارے برگزیدہ اور منتخب بندے ہوتے ہیں، وہ گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ انبیاء چونکہ حقیقی گناہ سے پاک ہوتے ہیں، اس لیے معمولی لغزش پر اُن کی سزا بھی حقیقی نہیں ہوتی بلکہ اُن کو صرف جسمانی تکلیف دی جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام حقیقی گناہ اور حقیقی عقوبت

---

[1] بیان القرآن $\frac{۱۳۲}{۹۲}$ (فیاض)

سے پاک ہوتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں۔
"مسلمان اسلام در امتثال اوامر الٰہی ہیچ وجہ تقصیر نہ کردہ اند" یعنی اللہ کے نبی اللہ کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کرتے۔ چنانچہ حضور مقدس (بنبینا) صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ (المائدہ ۶۷) جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے، آپ اسے بلا کم و کاست پہنچا دیں اور اگر آپ نے ذرہ بھر بھی کوتاہی کی تو گویا آپ نے حق رسالت ہی ادا نہیں کیا۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ تو یہ ہے کہ انبیاء کی کسی لغزش کا تذکرہ بھی نہیں کرنا چاہئے جس سے ان کی کمزوری مترشح ہوتی ہو۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔ لَا يَجُوزُ ذِكْرُ زَلَّةِ الْأَنْبِيَاءِ فَإِنَّ زَلَّتَهُمْ تُوجِبُ كَمَالَ الْإِنَابَةِ إِلَى اللهِ وَتَرْفَعُ دَرَجَاتِهِمْ وَمَنِ اعْتَرَضَ عَلَى أَحَدٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَقَدْ كَفَرَ انبیاء علیہم السلام کی لغزش کا ذکر کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کی لغزشیں کمال انابت الی اللہ اور ان کے رفع درجات کو واجب کرتی ہیں۔ اور جس شخص نے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک پر بھی اعتراض کیا تو اس نے کفر کیا۔ کیونکہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ (البقرہ ۲۸۵) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے۔ صحیحین کی روایت میں یہ بھی آتا ہے مَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يَقُولَ إِنِّي خَيْرٌ مِّنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى کہ کسی شخص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کہے میں یونس ابن متی سے افضل ہوں۔

بعض لوگوں کی غلطی

مسئلہ عصمت انبیاء کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ بعض لوگوں کو اس معاملہ میں غلطی ہوئی ہے۔ یہود و نصاریٰ نے تو انبیاء کی نسبت

---

۱ مکتوبات شاہ ولی اللہ کلمات طیبات ص ۱۴۳ ۲ تفسیر مظہری ص ۳۵۸ ج ۸ (فیاض)

انبیا کی طرف کی ہے، تاہم ہمارے زمانے کے مفسر قرآن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
نے بھی اس مسئلہ میں سخت غلطی کی ہے جس کی وجہ سے علماء نے ان کا تعاقب کیا ہے
اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا مرحوم بڑے ذہین آدمی تھے انہوں نے اپنی زندگی
صحافت سے شروع کی اور وہ بہترین صحافی ثابت ہوئے، آپ نے انگریزی عربی اور
فارسی سے شناسائی پیدا کی اور بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں، مگر ان کی کمزوری یہ تھی کہ
ان کا سارا علم مطالعہ کے زور پر تھا۔ باقاعدہ اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب
طے نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ جو شخص کتابیں، رسالے اور اخبارات پڑھ کر عالم بنا ہو
وہ غلطیاں بھی کرے گا۔ مولانا مودودی صاحب کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ انہوں نے
بہت اچھی تفسیر لکھی ہے مگر اس میں غلطیاں بھی کی ہیں۔ اس معاملہ میں علامہ اقبال
کی حیثیت مختلف ہے۔ وہ عالم دین تو نہیں تھے مگر فلسفہ میں ڈاکٹریٹ
(P.H.D) کیا تھا، لہٰذا جہاں دینی مسائل درپیش ہوتے تو وہ علماء کی طرف
رجوع کرتے تھے۔ علامہ اقبال نے راہنمائی کے لئے سید سلیمان ندوی اور
مولانا انور شاہ کشمیری کی طرف خطوط لکھے، مولانا معین الدین اجمیری کو مشکل
مسائل کے متعلق خطوط لکھے، لکھتے تھے کہ میں دینی مسائل میں علماء کا محتاج ہوں اور
ان کی تحقیق کو سند کا درجہ دیتا ہوں، آپ جمعیۃ علمائے ہند کی بات کو بھی سند
مانتے تھے، باقی سیاسی اور دیگر معاملات میں اپنی صوابدید پر عمل کرتے تھے۔

بہر حال مولانا مودودی کی یونس علیہ السلام کے متعلق غلطی یہ ہے
کہ آپ نے لکھا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی
ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں جس کی وجہ سے ان پر ابتلا آئی۔ یہ بات بنیادی
طور پر غلط ہے کیونکہ اگر نبی فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے
تو وہ تو منصب نبوت کا اہل ہی نہیں رہتا۔ بلا اجازت بستی سے نکل جانا حضرت
یونس علیہ السلام کی اجتہادی غلطی تھی نہ کہ فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی۔

بعض لوگوں کو بعض انبیاء کی دعاؤں کے الفاظ سے بھی غلط فہمی ہوئی ہے

خود یونس علیہ السلام نے مذکورہ لغزش سرزد ہو جانے پر دعا کی تھی لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (الانبیاء - ۸۷) اے مولا کریم تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے، بے شک میں ہی ظالموں میں سے تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام سے حضور ایک قبطی کا قتل ہو گیا۔ تو انہوں نے بھی بارگاہ رب العزت میں یوں دعا کی تھی۔ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ (القصص - ۱۶) پروردگارا! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، پس مجھے معاف کر دے تو اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الاعراف - ۲۳) اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اگر تو ہمیں معاف نہیں کرے گا، اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے۔

یہ کوئی بالقصد و ارادہ گناہ نہیں تھے بلکہ معمولی لغزشیں تھیں، انبیاء نے اپنے منصب کے پیش نظر ان کو بھی ظلم و زیادتی سے تعبیر کیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی۔ انبیاء علیہم السلام کا اپنی طرف ظلم کی نسبت کرنا مجازی معنی میں ہے۔ نبیوں کی شان چونکہ بلند اور رفیع ہوتی ہے۔ اس لیے معمولی سی غلطی بھی بڑی نظر آتی ہے۔

کشتی میں سواری

بہر حال یونس علیہ السلام قوم کو وعید سنا کر بستی سے نکل کھڑے ہوئے اور اللہ کے حکم کا انتظار نہ کیا اور پھر بزعم خود اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدم گرفت پر محمول کیا۔ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ جب کہ وہ بھاگ گئے بھری ہوئی کشتی کی طرف۔ اباق کا معنی ہے غلام کا اپنے آقا سے بھاگ جانا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو غلام اپنے آقا سے بھاگ جائے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ واپس نہ آ جائے۔ بستی سے نکل کر دریا کے کنارے پہنچے اس وقت ایک کشتی مسافروں سے بھری کھڑی تھی۔ بحر اقصیٰ سے ترسیس کی طرف

جا رہی تھی۔ آپ بھی اُس میں سوار ہوگئے۔ قدرت خدا کی ایسی ہوئی کہ دریائے دجلہ میں بیچ منجدھار کشتی رک گئی حالانکہ دوسری کشتیاں بخوبی آ جا رہی تھیں۔ ملاحوں نے خطرے کا اعلان کیا کہ کشتی پر بوجھ زیادہ ہے اور یہ اس حالت میں دریا کو عبور نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اس کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ایک آدمی کو دریا میں پھینک دیا جائے۔ مگر یہ بعض مفسرین نے ایسا ہی لکھا ہے مگر یہ بات قرین قیاس نہیں کیونکہ اگر بوجھ ہلکا کرنا مقصود تھا تو پہلے آدمی کی بجائے سامان کو پھینکا جاتا مگر انہوں نے اپنے دستور کے مطابق یہ گمان کیا کہ اس کشتی میں اپنے آقا سے بھاگا ہوا کوئی غلام سوار ہو گیا ہے جس کی نحوست کی وجہ سے کشتی کے ڈوبنے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ ایسے شخص کو دریا میں پھینک دیا جائے تاکہ باقی مسافروں کی جان بچ جائے۔ مگر یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ وہ کون سا کشتی سوار ہے جو اپنے آقا سے بھاگ کر آیا ہے۔

قرعہ اندازی

آخر کار اہلِ کشتی نے باہم مشاورت سے طے کیا کہ تمام مسافروں میں قرعہ اندازی کی جائے اور جس شخص کے نام پر قرعہ نکلے اُسے دریا برد کر دیا جائے فَسَاهَمَ پس یونس علیہ السلام بھی قرعہ اندازی میں شریک ہوئے۔ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ پس وہی تھے مغلوب ہونے والوں میں یعنی قرعہ انہی کے نام نکلا کہ انہیں دریا میں پھینک دیا جائے۔ قرعہ اندازی میں یونس علیہ السلام کی شرکت کے متعلق بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آپ کی اچھی شکل و صورت دیکھ کر اہل کشتی نے آپ کو کہا کہ آپ قرعہ نہ ڈالیں۔ بہر حال آپ نے بذات خود قرعہ اندازی کی یا دوسروں نے کی بار بار ایسا کرنے پر نام آپ ہی کا نکلا مگر لوگوں کو اعتبار نہیں آ رہا تھا کہ اس شکل و صورت کا نیک آدمی بھاگا ہوا غلام ہو سکتا ہے۔

۱؎ ابن کثیر صفحہ ۲۰ جلد ۴ (الفیاض)

۲؎

البتہ یونس علیہ السلام خود سمجھ گئے کہ اپنے آقا سے بھاگ کر آئے وہی ہیں لہٰذا
وہی مجرم ہیں لہٰذا انہیں باقی لوگوں کی جان بچانے کی خاطر اپنی جان کی قربانی دے
دینی چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے خود پانی میں چھلانگ لگا دی یا لوگوں نے کشتی سے
نیچے پھینک دیا۔ آپ دریا میں پہنچ گئے۔

خدا کی قدرت کہ جہاں آپ پانی میں گرے وہاں آگے مچھلی منہ کھولے کھڑی تھی
فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ پس اس مچھلی نے آپ کو لقمہ بنا لیا یعنی سالم نگل گئی وَهُوَ
مُلِيمٌ اور آپ اس وقت ملامت شدہ تھے۔ ملیم کا مطلب یہ ہے کہ
وہ اپنی کارگزاری کی بنا پر ملامت زدہ شمار ہوئے یا یہ کہ وہ اپنی لغزش پر خود اپنے
آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ آپ مچھلی کے پیٹ میں کتنا عرصہ رہے۔

مچھلی کے پیٹ میں

اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ بائیبل کی روایت میں تین دن کا ذکر
ہے اور بعض تفاسیر میں ایک دن، تین دن اور چالیس دن کا ذکر بھی آتا ہے
اللہ نے فرمایا فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ پس اگر آپ
تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ
تو دوبارہ اٹھائے جانے تک یعنی قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔
بعض کہتے ہیں کہ اس سے مجازی معنی مراد ہے کہ اگر آپ تسبیح نہ پڑھتے تو
قیامت سے پہلے دوبارہ اس جہان میں نہ آتے اور بعض کہتے ہیں کہ مطلب
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مچھلی کو قیامت تک زندہ رکھتا اور آپ اس کے پیٹ
میں ہی محبوس رہتے۔ تسبیح جو آپ نے پڑھی تھی وہ سورۃ الانبیاء میں مذکور ہے
لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

لہ مدارک صفحہ ۲۹ جلد ۴
لہ ابن کثیر صفحہ ۲۱ جلد ۴ و قرطبی صفحہ ۱۲۳ جلد ۱۵ و معالم التنزیل صفحہ ۳۱ جلد ۴
لہ (فیاض)

الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، بیشک میں ہی زیادتی کرنے والوں میں ہوں یعنی میں ہی قصوروار ہوں۔ جب آپ نے مچھلی کے پیٹ میں یہ تسبیح بیان کی تو اسے عرش کے ارد گرد والے فرشتوں نے سنا اور عرض کیا اے کریم یہ کمزور اور ضعیف سی آواز کس کی آرہی ہے؟ اللہ نے فرمایا: یہ میرے بندے یونس علیہ السلام کی تسبیح ہے جو اس وقت سمندر کی تہوں میں مچھلی کے پیٹ میں ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا وہی یونس علیہ السلام جن کے نیک اعمال ہر روز تیری بارگاہ میں پیش ہوتے تھے؟ فرمایا: ہاں۔ پھر فرشتوں نے بارگاہ رب العزت میں سفارش کی کہ مولا کریم اپنے بندے کو اس مصیبت سے نجات دے۔

ترمذی شریف کی روایت[1] میں حضور علیہ السلام کا ارشاد موجود ہے دَعْوَۃُ الْمَکْرُوْبِ دَعْوَۃُ ذِی النُّوْنِ یعنی مصیبت زدہ آدمی کی دعا یہی یونس علیہ السلام والی دعا ہے۔ جو شخص مصیبت کے وقت یہ دعا کرے گا، اللہ تعالیٰ ضرور اس کو قبول کرے گا اور مصیبت سے رہائی عطا کرے گا۔ مطلب یہ کہ یہ دعا صرف یونس علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ہر دعا گو کی مصیبت اس دعا کی برکت سے دور کرے گا۔

پیٹ سے باہر آمد

یونس علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کے نتیجے میں اللہ نے فرمایا فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ ہم نے ان کو ایک چٹیل میدان میں پھینک دیا وَهُوَ سَقِيْمٌ اور آپ بیمار تھے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی خشا تھی کہ مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام کی ہڈیاں اور گوشت صحیح سلامت ہے البتہ اُوپر کی کھال متاثر ہو کر نہایت نرم ہوگئی۔ بالکل اسی طرح جس طرح نومولود بچے کی کھال بالکل نرم و نازک ہوتی ہے۔ آپ کی اسی حالت کو بیماری سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں بھی یونس علیہ السلام کی خاص مدد کی اور اپنی قدرت تامہ اور

---

[1] ترمذی صـ۵۰۴ (فیاص)

اور حکمت بالغہ سے وَاَنۡۢبَتۡنَا عَلَيۡهِ شَجَرَةً مِّنۡ يَّقۡطِيۡنٍ ۔ ان پر ایک بیل دار درخت اگا دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کدو کی بیل تھی، اور آپ پر سایہ فگن ہو گئی۔ عام طور پر یہ بیل زمین پر پھیلی ہوئی اگا کرتی ہے۔ یا اگر قریب کوئی درخت وغیرہ ہو تو اس پر بھی چڑھ جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جہاں مچھلی نے آپ کو اگل دیا تھا وہاں کوئی خشک درخت یا جھاڑی وغیرہ ہو جس پر بیل چڑھ گئی ہو اور آپ کے نرم و نازک جسم پر سایہ کر رہا ہو

ماہرین طب کہتے ہیں کہ تمام مرطوب سبزیاں انسانی معدہ کو کمزور کرتی ہیں مگر کدو میں اللہ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ مرطوب ہونے کے باوجود ذہن عقل اور دماغ کو تازگی بخشتی ہے۔ حضور علیہ السلام کدو کا سالن بڑے شوق سے تناول فرماتے تھے اس بیل کے پتے بڑے بڑے اور نازک ہوتے ہیں مگر ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر مکھی نہیں بیٹھتی۔ چنانچہ کدو کی یہ بیل یونس علیہ السلام کی نازک کھال کے لیے مزید آرام و آسائش کا ذریعہ بنا۔ پھر آپ کی خوراک کے لیے اللہ نے ایک ہرنی کو بھیج دیا جس کا دودھ آپ پی لیتے تھے۔ پھر جب آپ تندرست ہو گئے تو اللہ نے واپس اپنی بستی کی طرف جانے کا حکم دیا اور آپ نے تعمیل حکم کی۔

بستی میں واپسی

جب یونس علیہ السلام اہل بستی کو عذاب کی وعید سنا کر چلے گئے تو پیچھے عذاب کے آثار نظر آنے لگے جس سے اہل بستی سخت خوفزدہ ہوئے، وہ سب کے سب گھروں سے باہر میدان میں آ کر توبہ استغفار اور چیخ و پکار کرنے لگے۔ ساتھ ہی یونس علیہ السلام کی تلاش بھی شروع کر دی تاکہ ان کو ساتھ لے کر اللہ سے معافی مانگیں بہر حال جب قوم تائب ہو گئی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور ان سے آنے والا عذاب ٹال دیا۔ پھر جب یونس علیہ السلام تندرست ہو کر اللہ کے حکم سے قوم میں واپس آئے تو لوگوں نے ـــ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ سورۃ یونس میں موجود ہے۔ فَلَوۡلَا كَانَتۡ قَرۡيَةٌ اٰمَنَتۡ فَنَفَعَهَاۤ اِيۡمَانُهَاۤ اِلَّا قَوۡمَ يُوۡنُسَ (آیت ۹۸) یہ انسانی تاریخ کا منفرد واقعہ

ہے کہ کسی قوم پر عذاب نمودار ہونے کے بعد اٹھ کر نجات مل گئی ہو یہ صرف قوم یونس علیہ السلام ہے۔

یونس علیہ السلام کی واپسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف بھیجا۔ اس سے وہی آپ کی بستی مراد ہے جس کی آبادی اتنی تھی۔ ترمذی شریف میں ایک لاکھ بیس ہزار[1] کا ذکر آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بالغ مرد دو لاکھ تھے اور باقی بیس ہزار بچے بھی تھے۔ فرمایا فَاٰمَنُوْا وہ لوگ ایمان لے آئے، کفر و شرک اور برائی سے باز آگئے فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ تو ہم نے ان کو ایک مقررہ وقت تک فائدہ پہنچایا۔ جب تک وہ لوگ ایماندار رہے اللہ کی طرف سے انھیں آرام و راحت بھی ملتا رہا۔ پھر جب زمانہ بدل گیا اور وہ پھر اپنی پرانی روش پر آگئے تو اللہ نے ان پر انعام و اکرام کا دروازہ پھر بند کردیا

۱؎ ترمذی ـــ مظہری ج۸ ص۱۳۶ ـ ۲؎ (صافات)

فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ ﴿١٤٩﴾
أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ﴿١٥٠﴾
أَلَا إِنَّهُمْ مِنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ ﴿١٥١﴾ وَلَدَ اللَّهُ
وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٥٢﴾ أَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى
الْبَنِينَ ﴿١٥٣﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿١٥٤﴾ أَفَلَا
تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٥﴾ أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُبِينٌ ﴿١٥٦﴾ فَأْتُوا
بِكِتَابِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٥٧﴾ وَجَعَلُوا
بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۚ وَلَقَدْ عَلِمَتِ
الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿١٥٨﴾ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا
يَصِفُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٦٠﴾
فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿١٦١﴾ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ
بِفَاتِنِينَ ﴿١٦٢﴾ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ﴿١٦٣﴾
وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ ﴿١٦٤﴾ وَإِنَّا
لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ﴿١٦٥﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿١٦٦﴾

ترجمہ: پس آپ ان سے پوچھیں کیا تیرے پروردگار
کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے (۱۴۹) یا پھر

کیا ہے ہم نے فرشتوں کو عورتیں ، اور یہ دیکھتے تھے (۱۵۰)
آگاہ رہو ، بیشک یہ لوگ جھوٹ بنانے کی وجہ سے (یہ
بات) کہتے ہیں (۱۵۱) کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے ۔ اور
بے شک یہ لوگ البتہ جھوٹے ہیں (۱۵۲) کیا چن لیا
ہے اُس نے بیٹیوں کو بیٹوں کے مقابلے میں ؟ (۱۵۳) کیا
ہو گیا ہے تمہیں ، تم کیا فیصلہ کرتے ہو (۱۵۴) کیا تم
غور نہیں کرتے ؟ (۱۵۵) یا تمہارے لیے کوئی کھلی سند
ہے (۱۵۶) پس لاؤ اپنی کتاب اگر تم سچے ہو (۱۵۷) اور ٹھہرایا
(مشرکوں نے) اللہ اور جنوں کے درمیان رشتہ ، اور البتہ
تحقیق جانتے ہیں جن کہ وہ (پکڑے ہوئے) حاضر
کیے جائیں گے (۱۵۸) پس پاک ہے اللہ کی ذات اُن
باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (۱۵۹) لیکن اللہ کے
مخلص بندے (وہ خدا کی گرفت سے بچ جائیں گے) (۱۶۰)
پس تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو (۱۶۱) نہیں ہو
تم اللہ کے سامنے کسی کو بہکانے والے (۱۶۲) مگر وہ
جو کہ داخل ہونے والا ہے جہنم میں (۱۶۳) اور (فرشتے
کہتے ہیں) نہیں ہے ہم میں سے کوئی بھی ایسا مگر اُس
کے لیے ایک ٹھکانا ہے مقرر (۱۶۴) اور بیشک ہم البتہ
صف باندھنے والے ہیں (۱۶۵) اور بیشک ہم البتہ تسبیح
پڑھنے والے ہیں (پروردگار کی) (۱۶۶)

ربط آیات

اس رکوع کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت
یونس علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر فرمایا۔ آپ نے طویل عرصہ تک
قوم کو توحید کی دعوت دی ، مگر قوم نہ مانی ۔ بالآخر یونس علیہ السلام قوم کو

عذاب کی وعید سُنا کر بستی سے نکل گئے، عذاب کے آثار نظر آنے لگے تو قوم تائب ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے اُن سے عذاب کو ٹال دیا۔ اِس سے پہلے تاریخ انبیاء کے سلسلہ میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، اور حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ سب نے اپنی اپنی قوموں کو کفر اور شرک سے منع کیا، اور توحید کی دعوت دی مگر اس سلسلہ میں انہیں بڑی مشکلات کا سامنا اور بڑی تکالیف برداشت کرنا پڑیں۔

خدا کی اولاد کا عقیدہ

عرب کے بعض کافر اور مشرک قبائل بنو خزاعہ اور بنو اسلم وغیرہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں تصور کرتے تھے۔ وہ فرشتوں کو معبود سمجھ کر اُن کی عبادت بھی کرتے اور اُن سے حاجات بھی طلب کرتے تھے۔ اس باطل عقیدے کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاسْتَفْتِهِمْ اے پیغمبر! آپ ان سے پوچھیں اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ کیا تیرے پروردگار کیلیے بیٹیاں ہیں، اور ان کے لیے بیٹے ہیں؟ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا وَهُمْ شٰهِدُوْنَ اور یہ اس چیز کے چشم دید گواہ ہیں کہ ہم نے واقعی فرشتوں کو عورتوں کی صنف میں پیدا کیا ہے۔ کفار و مشرکین تو بھلا اس سوال کا کیا جواب دیتے اور فرشتوں کے صنف نازک ہونے کا کونسا ثبوت پیش کرتے، اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس شک کی وضاحت فرما دی۔ اَلَآ سنو! اور آگاہ رہو اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ کہ یہ لوگ جھوٹی بنائی ہوئی باتیں کہتے ہیں وَلَدَ اللّٰهُ کہ اللہ کے ہاں اولاد ہے۔ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ بے شک یہ البتہ جھوٹے ہیں۔ اِن کے اس عقیدے میں کوئی صداقت نہیں بلکہ یہ صریح جھوٹ ہے۔

آگے فرمایا، دیکھو! یہ کس قدر نامعقول لوگ ہیں کہ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى

الْبَنِيْنَ انہوں نے خدا کے لیے بیٹوں کی بجائے بیٹیوں کا انتخاب کیا ہے۔
حالانکہ ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ یہ خود بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح دیتے ہیں، فرمایا
مَا لَكُمْ تمہیں کیا ہو گیا ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ
تم کیسے فضول اور نامعقول فیصلے کرتے ہو کہ لڑکی اولاد دے اور فرشتے اس
کی بیٹیاں ہیں اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کیا تم ذرا بھی غور و فکر نہیں کرتے کہ کیا کہہ رہے ہو
اور کس قسم کا عقیدہ بنا رکھا ہے۔ سُوْرَةُ النَّجْمِ میں اللہ نے مشرکوں
کو خطاب کر کے فرمایا ہے اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ
اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہیں یعنی تم تو اپنے لیے
بیٹے پسند کرتے ہو اور بیٹیوں کو خدا کے کھاتے میں ڈال دیتے ہو، یہ تو بڑی بے انصافی
کی تقسیم ہے جو تم کرتے ہو۔ تمہاری یہ تقسیم تو عقل و نقل اور فہم و فراست کے بھی
خلاف ہے اور بالکل بعید از انصاف ہے۔

اللہ نے سمجھایا کہ خدا تعالیٰ تمہاری ان بیہودہ باتوں سے پاک ہے۔ وہ تو
تمام قدرت اور عظمتوں کا مالک ہے۔ فرشتے خدا کی مقرب اور پاکیزہ مخلوق
ہیں۔ اللہ نے ان کو مذکیر و تانیث سے پاک رکھا ہے، وہ مجرد ہیں، اور ان
کی تخلیق بھی لطیف مادے سے ہوئی ہے۔ اگر تم نے خدا کے لیے اولاد ہی
تجویز کرنا تھی تو پھر اس قدر گستاخی اور بے ادبی کا ارتکاب تو نہ کرتے کہ اپنی
دانست میں کمزور مخلوق کو اس کی طرف منسوب کر دیتے، کم از کم عیب لگانے
کے لیے بھی کچھ تو عقل و شعور سے کام لیتے۔ خدا تعالیٰ تو بیوی اور اولاد سے
پاک ہے۔ سورۃ جن میں اس کا واضح ارشاد موجود ہے وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ
رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا (آیت ۳) اور بے شک ہمارے
پروردگار کی شان تو بہت ہی رفیع اور بلند ہے، وہ نہ بیوی رکھتا ہے اور نہ اولاد
دراصل انسان کے دل میں اولاد کی خواہش دو وجہ سے ہوتی ہے ایک
یہ کہ اس کی بدولت اس کا سلسلہ نسب قائم رہے گا۔ اور دوسری یہ کہ بڑھاپے میں اولاد اس کی

درست کہہ سکے گی یہ حقیقت ہے کہ اَللّٰہُ الصَّمَدُ (الاخلاص: ۲) اللہ تعالیٰ
قرآن جیسی ذات سے غنی اور بے نیاز ہے اس کو ہم جیسی نسل کی ضرورت نہیں اور نہ
اس پر کبھی بڑھاپا طاری ہوگا کہ وہ کسی کی مدد کی ضرورت پڑے۔ پھر بھلا خدا تعالیٰ
کے لیے اولاد تجویز کرنا کس قدر حماقت کی بات ہے۔ خاص طور پر اللہ کی طرف صنف
نازک کی نسبت کرنا تو مزید بیوقوفی کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے سورۃ نحل میں اس بات
کا ذکر کیا ہے وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ
مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ (آیت: ۵۸) عرب کا کوئی مشرک کسی مجلس
میں بیٹھا ہوتا اور وہاں آکر اسے کوئی خبر دیتا کہ تمہارے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے تو
غم کے مارے اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور وہ اندر ہی اندر گھٹ جاتا۔ اسے لڑکی کی
پیدائش سے اس قدر نفرت ہوتی۔ یہ خبر سن کر وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا اور
پھر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ آیا ذلت برداشت کرنے کے لیے اس لڑکی کو
زندہ رہنے دے اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ (آیت: ۵۹) یا اسے
زندہ زمین میں گاڑ دے۔ خدا تعالیٰ کے لیے اولاد کا نظریہ یہود و نصاریٰ
میں بھی پایا جاتا ہے۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ
قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبہ: ۳۰) یہودی کہتے
ہیں کہ عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام خدا
کے بیٹے ہیں فرمایا یہ محض ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ بھی پہلے کافروں کی طرح اس
قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ ہندو مذہب میں بھی دیوی دیوتا کا عقیدہ اسی طرح کا ہے ان
کی دیویاں بھی خدا کی بیٹیاں مخلوق فرشتے ہیں جنہیں وہ خدا کا شریک مانتے ہیں
بلکہ عیسائی تو اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے ہیں وہ اقانیم ثلاثہ کے قائل ہو گئے
یعنی ایک کی بجائے تین خدا ماننے لگے ہیں، باپ بیٹا اور روح القدس۔ مسیح
علیہ السلام کے متعلق کہا کہ آپ خدا کے بیٹے ہیں یا تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔
اس سارے باطل عقیدہ کے متعلق اللہ نے فرمایا اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ

مُّبِينٌ کیا اس باطل عقیدے کی تمہارے پاس کوئی کھلی سند ہے؟ فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اپنی کتاب لے آؤ اور دکھاؤ کہ اس میں کیا لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے اور فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں العیاذ باللہ۔ ظاہر ہے کہ کافر مشرکوں کے پاس کون سی دلیل ہے جو وہ پیش کرتے۔ لہٰذا آج تک اس چیلنج کا جواب نہیں دے سکے اور نہ آئندہ کبھی دے سکیں گے

جنات سے رشتہ داری کا عقیدہ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور باطل عقیدے کا ذکر فرمایا ہے۔ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا اور ٹھہرایا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان رشتہ۔ جب مشرکین نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تسلیم کر لیا تو پھر سوال پیدا ہوا کہ فرشتوں کی مائیں کون ہیں جن کے بطن سے یہ بیٹیاں پیدا ہوئی ہیں؟ پھر عذرِ گناہ بدتر از گناہ کے مصداق کفار و مشرکین نے اللہ تعالیٰ کا رشتہ جنات کے ساتھ جوڑا اور کہنے لگے کہ یہ بڑی بڑی جنیاں فرشتوں کی مائیں ہیں۔ گویا جنات کو خدا تعالیٰ کا سسرال بنا دیا۔ العیاذ باللہ۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ کتنی غلط بات ہے جو جنوں کی طرف منسوب کی جا رہی ہے۔ جنات تو اللہ کی عاجز مخلوق ہے اور وہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ فرمایا وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ اور البتہ جنات جانتے ہیں کہ وہ تو گرفتار شدہ اللہ کی عدالت میں پیش کیے جائیں گے۔ اگر ذرہ بھی کوتاہی کریں گے تو اللہ کی گرفت میں آئیں گے۔ ان کی حالت تو یہ ہے کہ وہ ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں مگر ان ظالموں نے ان کی خدا تعالیٰ کے ساتھ رشتہ داری قائم کر دی۔

امام رازیؒ اور بعض دیگر مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ بعض زندیق قسم کے

لہ تفسیر کبیر ج ۲۶ ص ۱۰ سے ابن کثیر ج ۴ ص ۲۳ و مظہری ج ۸ ص ۱۰۷ (فیاض)

لوگ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس آپس میں بھائی بھائی ہیں (نعوذ باللہ) اس پر مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر کا خالق ہے اور ابلیس شر کا خالق۔ مجوسیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ وہ بھی خیر و شر، نور و ظلمت اور نیکی اور بدی کے دو مختلف خدا مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نیکی کا خدا یزدان ہے۔ اور برائی کا اہرمن ہے۔ یہ عقیدہ پرانے ایران کے ایک شخص مانی کا وضع کردہ ہے۔ بعض بادشاہوں نے اس مذہب کے پیروکاروں کو سزا بھی دی مگر پھر بھی یہ مذہب پھیل گیا۔ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں شراکت پیدا کرتا ہے اور یہ اسی طرح باطل ہے۔ جس طرح اللہ کی ذات میں شریک ٹھہرانا۔

ثنوی عقیدہ کی تردید

چوتھی صدی میں متنبی ایک مشہور عربی شاعر گزرا ہے اس نے اس دو خداؤں والے عقیدے کی اپنے انداز میں نفی کی ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

وکم لظلمِ اللیل عندک من یدٍ

تحدث ان المانویۃ تکذب

مجھے رات کے اندھیرے میں بھی بہت سی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں مگر مانوی کہتا ہے کہ ظلمت کا خدا ہی اور ہے، حقیقت یہ کہ اس معاملہ میں مانوی جھوٹا ہے اس کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ظلمت محض شر پر مشتمل ہے اور اس میں خیر کا کوئی پہلو نہیں مجھے تو شب در وز بے شمار نعمتیں حاصل ہو رہی ہیں، دو خداؤں کا عقیدہ خدا کی ذات میں شرک کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ تمام نیک و بد مخلوق خواہ انسان ہوں، جنات یا فرشتے سب کا خالق ایک ہی وحدہٗ لاشریک ہے، کوئی دوسرا خالق نہیں سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے ان غلط باتوں سے جو یہ کافر اور مشرک لوگ بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نہ کوئی بیوی ہے، نہ بھائی اور نہ ہی کوئی اولاد ہے۔ یہ سب نقص اور عیب پر دلالت کرنے والی چیزیں ہیں۔ جب کہ اللہ کی ذات ہر

نفس اور شیطان سے مبرا اور منزہ ہے اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے لوگ لازماً مجرم نہیں گے اور روزِ محاسبہ عدالت میں پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے۔

مخلصین کی جماعت

فرمایا، البتہ ایک جماعت اس گرفت خداوندی سے بچ جائے گی اور وہ ہے اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ اللہ کے مخلص منتخب اور برگزیدہ بندے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جائیں گے۔ وہ باعزت اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے اور پھر انہیں نہایت تکریم کے ساتھ اللہ کے عزت کے مقام جنت تک رسائی ہوگی۔ پھر اللہ نے مشرکوں سے فرمایا فَاِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ پھر بے شک تم اور جن کی تم پوجا کرتے ہو خدا کے سوا مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ بِفٰتِنِیْنَ تم خدا تعالیٰ کے مقابلے میں کسی کو بہکا نہیں سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ تم لاکھ اپنے عقیدے کا پراپیگنڈا اور میرے بندوں کو بہکانے کی کوشش کرو مگر میرے مخلص بندے تمہارے دام فریب میں نہیں آئیں گے۔ تمہارے بہکاوے میں وہی آئے گا اِلَّا مَنْ ھُوَ صَالِ الْجَحِیْمِ جو جہنم میں داخل ہونے والا ہے۔ تمہارا داؤ جہنمی لوگوں پر ہی چلتا ہے۔ جو عقل و شعور کو بروئے کار نہیں لاتے اور ضد و عناد پر اڑے رہتے ہیں۔ تم انہی کو گمراہ کر کے جہنم تک لے جا سکتے ہو۔ میرے مخلص بندے تو ہر وقت مناجات اور دعائیں کرتے رہتے ہیں اور ہمیشہ میرے سامنے عاجزی اور انکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ مجھ سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں، لہٰذا وہ شیطانی داؤ پیچ سے محفوظ رہتے ہیں۔

فرشتوں کی سفارش

مشرکین کی بات ختم کر کے آگے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبان سے بات کروائی ہے۔ فرشتے نہ تو خدا کی بیٹیاں ہیں اور نہ ہی وہ معبود ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اس کے مطیع اور عاجز بندے ہیں۔ وہ کسی کی جبری سفارش بھی اللہ کے پاس نہیں کر سکتے۔ وہ تو خود اللہ کی عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں، اور اس کی رضا کے طالب ہوتے ہیں۔ یہی بات کہ فرشتوں نے اپنی زبان سے کہا، وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ اللہ نے ہم میں ہر ایک کے لیے

ایک مقام اور مرتبہ مقرر کیا اور ہم اس مقام سے آگے نہیں جا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو
ڈیوٹی ہماری لگا دی ہے، ہم اسی کو ادا کرتے رہتے ہیں اور حکم خداوندی سے سرمو انحراف
کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور ہم اس کے حکم کی تعمیل میں وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ
ہمیشہ صف بستہ رہتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرشتوں کی صف بندی کو معیاری قرار دیا
اور لوگوں سے فرمایا[۱] کہ تم نماز اور جہاد کے لیے فرشتوں کی طرح صف بندی
کیوں نہیں کرتے تو عرض کیا فرشتے کس طرح صفیں بناتے ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ اگلی کو پہلے
مکمل کرتے ہیں اور درمیان میں کوئی رخنہ نہیں چھوڑتے پہلے اگلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں پھر پچھلی صفیں بناتے ہیں صف بندی
سے جماعتی تنظیم کا اشارہ بھی ملتا ہے۔ بدنظمی ہرگز پسندیدہ چیز نہیں۔ اگر صف
خراب ہوگی، غیر منظم اور منتشر ہوگی تو دل اور عقیدے بھی خراب ہو جائیں گے۔
لہٰذا حضور علیہ السلام نے درستی صف بندی کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

حضرت ابوذر غفاری کی روایت[۲] میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
فرمایا، اگر وہ بات جو میں جانتا ہوں، وہ اگر تم بھی جانتے اور جو بات میں جانتا ہوں،
وہ اگر تم بھی جانتے تو یقیناً تم ہنستے تھوڑا اور روتے زیادہ فرمایا ایسی صورت میں
تم دہشت میں مبتلا ہو جاتے اور بستروں پر عورتوں کے پاس لیٹنا چھوڑ کر جنگلوں
اور بیابانوں کی طرف بھاگ جاتے اور چیختے چلاتے پھرتے۔ فرمایا آسمان پر ایک
بالشت بھر بھی کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اللہ کا کوئی فرشتہ اس کی عبادت در صف
رکوع، سجود اور تسبیح میں مصروف نہ ہو۔ ایک دوسری روایت[۳] میں آتا ہے کہ
فرشتوں کی عبادت در صف کی وجہ سے[۴] آسمان اس طرح چرچراتا ہے
جس طرح کجاوہ یا پھر بوجھ کا ناجھ چرچراتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان[۵] ہے

۱؎ ابن کثیر ص۲۰ ج۴ و خازن ص۲۶ ج۶ و مظہری ص۱۰۵ ج۸
۲؎ قرطبی ص۱۳۷ ج۱۵ ۳؎ خازن ص۳۹ ج۶ ۴؎ خازن ص۳۹ ج۶
۵؎ ابن کثیر ص۲۳ ج۴ (فیاضی)

کہ ہماری صفیں بھی اللہ نے فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی ہیں۔ یہ آپ کی امت کی خصوصیت ہے کہ اگر ان کی صفیں درست ہوں گی تو یہ بھی فرشتوں کی صفوں کی طرح شمار ہوں گی۔ اس آخری امت کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے اس کے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا ہے اور ہم لوگ زمین کے ہر پاک خطے پر عبادت کر سکتے ہیں، ہماری عبادت محض عبادت خانوں تک محدود نہیں ہے۔ اور تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے ہمارے لیے مٹی کو پاک صاف قرار دیا ہے۔ اگر پانی میسر نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کر کے طہارت حاصل کی جا سکتی ہے۔

خدا تعالیٰ کی تسبیح

بہر حال فرشتوں نے کہا کہ ایک تو ہم صف بستہ رہتے ہیں۔ اور دوسرا وَاِنَّا لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ اور بے شک ہم ہر وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر نقص، عیب، کمزوری اور شرک سے پاک ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے، اس کا لوگوں کی طرف سے منسوب کی گئی کمزوری سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ ہر لحاظ سے پاک اور منزہ ہے۔ جو شخص اس کی ذات یا صفات میں شریک بنائے گا وہ خود بحیثیت مجرم خدا کی بارگاہ میں گرفتار شدہ پیش کیا جائیگا۔

وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ
الْأَوَّلِينَ ﴿١٦٨﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوا
بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿١٧٠﴾ وَلَقَدْ سَبَقَتْ
كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧١﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ
الْمَنْصُورُونَ ﴿١٧٢﴾ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿١٧٣﴾
فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٤﴾ وَأَبْصِرْهُمْ
فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿١٧٥﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٧٦﴾
فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٧﴾
وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٨﴾ وَأَبْصِرْ فَسَوْفَ
يُبْصِرُونَ ﴿١٧٩﴾ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا
يَصِفُونَ ﴿١٨٠﴾ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿١٨١﴾
وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٨٢﴾

ترجمہ:- اور بے شک یہ لوگ البتہ کہتے تھے (١٦٧) اگر
ہوتی ہمارے پاس نصیحت پہلے لوگوں کی (١٦٨) البتہ ہوتے
ہم اللہ کے مخلص بندوں میں سے (١٦٩) پس کفر کیا
انہوں نے اس کے ساتھ، پس عنقریب جان لیں گے (١٧٠)

اور البتہ تحقیق پہلے ہو چکی ہے ہماری بات ہمارے بھیجے
ہوئے بندوں کے لیے (۱۷۱) کہ بیشک البتہ وہی مدد
دیے جائیں گے (۱۷۲) اور بیشک ہمارا لشکر البتہ
وہی غالب ہو گا (۱۷۳) پس آپ رخ پھیر دیں ان کی
طرف سے ایک وقت تک (۱۷۴) اور آپ دیکھتے
رہیں ان کو، پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے (۱۷۵) کیا یہ ہمارے
عذاب کے ساتھ جلدی کرتے ہیں (۱۷۶) پس جب وہ اترا
ان کے صحن میں، پس بری ہے صبح ڈرائے ہوئے لوگوں
کی (۱۷۷) اور آپ رخ پھیر لیں ان کی طرف سے ایک
وقت تک (۱۷۸) اور آپ دیکھتے رہیں۔ عنقریب
یہ بھی دیکھ لیں گے (۱۷۹) پاک ہے تیرا پروردگار جو عزت
کا مالک ہے ان چیزوں سے جن کو یہ بیان کرتے
ہیں (۱۸۰) سلامتی ہے اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں
پر (۱۸۱) اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے
جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (۱۸۲)

ربط آیات

گزشتہ درس کی آخری تین آیات میں فرشتوں کا کلام ذکر کیا گیا تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک ٹھکانا اور حد مقرر ہے جس سے ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ہم صف بستہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ یہی وہ فرشتے ہیں جن کو مشرک لوگ خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں، اُن کو معبود مان کر اُن سے حاجت براری کرتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ یہ مخلوق اپنے پروردگار کے سامنے انتہائی عاجزی کے ساتھ صف بستہ کھڑی ہے۔ اس کی تسبیح، تنزیہہ بیان کرتی اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے۔ اور اُن میں سے ہر ایک کا ایک ٹھکانا اور حد

مقرر ہے، وہ دوسروں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کیسے کریگی۔ اللہ تعالیٰ خالق مطلق ہے اور اس کی ذات و صفات میں کوئی بھی شریک نہیں۔ مشرک لوگ غلط عقیدہ رکھتے ہیں اور لا یعنی باتیں کرتے ہیں۔

ہدایت آ گئی ہے پر مشرکین کا ڈھونگ

اب اللہ نے مشرکین کے ایک جھوٹے بہانے کا ذکر کر کے ان کی غلط بیانی کا پردہ چاک کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ اور بیشک مشرکین مکہ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کے پاس تو آسمانی کتابیں موجود ہیں مگر اس کے باوجود یہ لوگ اس ہدایت سے مستفید نہیں ہوتے بلکہ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں لَوْ أَنَّ عِندَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْأَوَّلِينَ اگر ہمارے پاس بھی پہلے لوگوں کی کوئی نصیحت ہوتی لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ تو ہم اللہ کے مخلص بندوں میں ہوتے اور اہل کتاب کی طرح نافرمانی نہ کرتے پہلی آیت میں مذکورہ الفاظ وَإِنْ كَانُوا میں اِنْ شرطیہ نہیں بلکہ یہ دراصل اِنَّہٗ ہے اور مطلب یہ بنتا ہے کہ بیشک شان یہ ہے کہ مشرک لوگ کہتے تھے کہ اگر ہمارے پاس بھی کوئی نصیحت یعنی کتاب، صحیفہ، نوشتہ یا ہدایت ہوتی تو اس پر عمل کرتے ہوئے مخلص بندوں میں شمار ہوتے۔ اور اس طرح ہم عبادت و ریاضت، معرفت، عمل اور اخلاق میں ترقی کرتے۔

ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے بعد عربوں میں کوئی نبی نہیں آیا اور نہ ہی کوئی کتاب یا صحیفہ نازل ہوا۔ برخلاف اس کے اہل کتاب کے پاس کتابیں موجود تھیں مگر ان کتابوں سے انحراف کو دیکھ کر مشرکین کہتے تھے کہ یہ بدقسمت لوگ ہیں کہ ان کے پاس کتاب، ہدایت، اور احکام موجود ہیں مگر ان کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ مگر ہمارے پاس ایسی کوئی چیز ہوتی تو ہم ضرور اس سے مستفید ہوتے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ جب اللہ کا آخری رسول اور اس کی آخری کتاب قرآن حکیم ان لوگوں کے پاس آ گئے تو اس کی تعمیل کرنے کی بجائے فَكَفَرُوا بِهِ اس کا سرے سے انکار ہی کر دیا۔ اور

نصیحت کے لئے اور اس پر عمل در آمد کے جو وعدے کرتے تھے ان سے مکر گئے جب قرآن پیش کیا جاتا تو کہتے اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿ (الانعام ۲۵) یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ اس میں پرانی اقوام عاد و ثمود وغیرہ کے واقعات بیان کیے گئے ہیں ہمارے لیے یہ کیسے مفید ہو سکتے ہیں سورۃ الانعام میں اللہ نے مشرکین کی اس حیلہ سازی کو اس انداز سے بیان کیا ہے ہم نے یہ مبارک کتاب اتاری ہے، اتباع کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے، اور تاکہ تم یوں نہ کہو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر کتابیں اتری ہیں مگر ہم ان کی درس و تدریس سے بے خبر تھے۔ یا پھر تم اس طرح نہ کہو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم اس پر عمل کر کے لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ (آیت ۱۵۷) ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ آگے اللہ نے فرمایا کہ قرآن پاک کی صورت میں تمہارے پاس دلیل، ہدایت اور رحمت آچکی ہے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (آیت ۱۵۷) اب اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرے۔ یہاں بھی فرمایا کہ جب ان کے پاس مطلوبہ ہدایت آگئی تو ان ظالموں نے اس کا انکار کر دیا ﴿ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴾ عنقریب یہ لوگ جان لیں گے کہ ان کی حیلہ سازی اور تکذیب کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

انبیاء کی مدد کا وعدہ

دنیا میں جب بھی انبیاء علیہم السلام نے توحید کی دعوت دی لوگ مخالف ہو گئے اور توحید کے پروگرام کو ہر طرح سے ناکام بنانے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے نہ صرف انبیاء کی تکذیب اور توہین کی بلکہ عام لوگوں کو دین کے قریب آنے سے روکنے کے لیے مال و دولت صرف کیا اور لوگوں کو دھمکیاں دیں بلکہ عملی طور پر ان کو طرح طرح کی سزائیں بھی دیں۔ ان تمام مشکلات کے باوجود خدا تعالیٰ کی منشاء ہمیشہ یہی رہی کہ وہ اپنے دین کو غالب بنائے گا اور اس مقصد کے لیے اس نے اپنے نبیوں کی مدد بھی کی۔ چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اور البتہ تحقیق ہمارے رسول

کے حق میں جاری ہو چکی ہے یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی ہے اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ کہ یقیناً وہی مدد دیے جائیں گے۔ اگرچہ اللہ نے کفر و شرک کے خلاف اپنے منتخب بندوں کی مدد کا وعدہ کر رکھا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ بعض اوقات دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کو ظاہری طور پر کامیابی نہیں ہوتی مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا بلکہ ایسی صورت میں اللہ کا یہ وعدہ آخرت میں جا کر پورا ہوگا۔ اہل ایمان وہاں پر منصور ہوں گے اور ان کے مخالفین مقہور، جو کہ خدا تعالیٰ کے عذاب میں پکڑے جائیں گے۔

سورۃ المومن میں اللہ کا فرمان ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (آیت ۵۱) بے شک ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی مدد کریں گے جس دن گواہ کھڑے ہوں گے قیامت کے دن۔

بعض فرماتے ہیں کہ دنیا میں کفر و شرک کا طوفان سیلاب کی مانند ہوتا ہے جو وقتی طور پر خوب ابھرتا ہے مگر آخر کار ختم ہو جاتا ہے۔ سورۃ الرعد میں اللہ نے حق و باطل کی کشمکش کو سیلاب کے جھاگ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس طرح سیلاب کے جھاگ میں آتی اور پر جوش و خروش پایا جاتا ہے، اسی طرح باطل کو بھی ابال آتا ہے مگر جلد ہی ختم ہو جاتا ہے جس طرح سیلاب کا جھاگ ختم ہو جاتا ہے اور مفید پانی زمین کی سیرابی کے لیے باقی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح کفر و شرک کا طوفان بھی چھٹ جاتا ہے اور پائیدار حق باقی رہ جاتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں اللہ کے نبی یا اس کے نیک بندے مغلوب بھی ہو جائیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ حق کو ہی غالب کرتا ہے جیسے فرمایا وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل - ۸۱) کے پیرا

لہ روح المعانی صفحہ ۱۵۶ ج ۲۳ و مدارک صفحہ ۳۱ ج ۴

لہ (فیاض)

آپ کہہ دیں کہ حق آ گیا اور باطل چلا گیا۔ بیشک باطل مٹنے ہی والی چیز ہے۔ باطل کو کبھی ثبات حاصل نہیں ہوا اور پھر یہ ہے کہ اکثر و بیشتر اللہ نے ظاہری طور پر بھی اپنے نبیوں کی مدد کی اور باطل مغلوب ہوا۔ اس ضمن میں قوم عاد و ثمود، قوم نوح، قوم ابراہیم، قوم صالح علیہم السلام اور قوم موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی تاریخ ہمارے سامنے ہے اس طرح حضور خاتم النبیین کی پوری زندگی بھی ہماری نگاہ میں ہے۔ آپ نے کن ناساعد حالات میں اپنے مشن کا آغاز کیا اور کیا کیا تکالیف برداشت کیں مگر بالآخر اللہ نے اپنے حبیب کی مدد فرمائی اور ان کو غالب بنایا۔

جند اللہ کا غلبہ

فرمایا ہمارے منتخب بندوں کے متعلق پہلے ہی یہ بات طے ہو چکی ہے کہ انہی کی مدد کی جائے گی وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ اور بالآخر ہمارا لشکر ہی غالب آئے گا۔ اس لشکر سے اللہ کے نبی اور ان کے پیروکار مراد ہیں۔ یہی لوگ ہیں حقیقت میں جند اللہ یعنی اللہ کا لشکر ہیں جو اللہ کے دین کی خاطر جان و مال کی قربانی ہمیشہ کرتے ہیں اور انہی کی مدد کی جاتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ابتلاء بھی آتی ہے۔ جس کا ذکر اللہ نے مختلف سورتوں میں بالتفصیل کیا ہے۔ جب اللہ کے رسول اور اس کے نیک بندے آزمائش پر پورے اترتے ہیں تو پھر غلبہ بھی انہی کو حاصل ہوتا ہے۔

اس اصول کے پیش نظر اللہ نے فرمایا فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ پس آپ ایک مقررہ وقت تک ان سے رخ پھیر لیں یعنی ان کو نظر انداز کریں۔ وَأَبْصِرْهُمْ اور ان کی طرف دیکھتے رہیں یعنی انتظار کریں فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے کہ ان کی مخالفت اور ایذا رسانی کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ سورۃ السجدۃ میں بھی یہی مضمون ہے فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانتَظِرْ إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ (آیت۔ ۳۰) آپ ان ناہنجاروں سے روگردانی کریں اور ہمارے فیصلے کا انتظار کریں۔ یہ لوگ بھی انتظار میں ہیں۔ اور جلدی ہی اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ ان کو پتہ

چل جائے گا کہ کون غالب آتا ہے اور کون دنیا میں شکست اور آخرت میں الٰہی
عذاب کا مستوجب بنتا ہے۔

عذاب کا مطالبہ

فرمایا یہ لوگ اس قدر بے انصاف ہیں أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ
"کیا یہ ہمارے عذاب کے ساتھ جلدی کرتے ہیں؟" کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی توحید اور
اس کے رسول کی رسالت کے لیے تیار نہیں۔ یہ عذاب ہم پر آنا چاہیے تو جلدی
لے آؤ۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے
أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا (آیت ۹۲)
"یا جیسا کہ تم خیال کرتے ہو، ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دو" کبھی کہتے، قیامت
برپا کر دو، وہ آتی کیوں نہیں۔ تو فرمایا یہ بڑے بے انصاف لوگ ہیں، جو
اپنے منہ سے عذاب طلب کرتے ہیں، لیکن یاد رکھو فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ
"جب عذاب ان کے صحن میں اترے گا" فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ
"تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت ہی بری ہوگی۔" جب وہ عذاب آجائے
گا تو پھر یہ بچ نہیں سکیں گے اور ان کا انجام بہت برا ہوگا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل اسلام کے ساتھ صبح کے وقت خیبر پر حملہ کیا
جب کہ لوگ ... وہ لوگ کاشتکاری کے پیشے سے کھیتوں کی طرف جا
رہے تھے۔ جب انہوں نے اسلامی لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے محمد اپنے لشکر
سمیت نظر آتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ اکبر خَرِبَتْ خَيْبَرُ
إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ
تو یہاں پر بھی آپ نے وہی الفاظ استعمال کیے کہ جب ہم کسی قوم کے صحن
میں اتریں گے تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوگی۔ چنانچہ خیبر
پر حملہ کے تیسرے ہی دن جنگ ہوئی خیبر فتح ہوا اور وہ سارا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں

لہ ابن کثیر ص ۳۸ ج ۴ و ترمذی ص ۱۵۶ ج ۲ و روح المعانی ص ۱۵۴ ج ۲۳ (فیاض)

آگیا۔ ویسے بھی اکثر نافرمان قوموں پر صبح کے وقت ہی عذاب آیا ہے۔ قومِ لوط کا حال دیکھ لیں۔ فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو تسلی دی اور کہا کہ آپ اپنے اہل کو لے کر راتوں رات نکل جائیں کیونکہ اس نافرمان قوم کی درگت بننے والی ہے اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ (هود - ۸۱) ان کے لیے عذاب کے وعدے کا وقت صبح ہے، اور کیا صبح اب قریب نہیں ہے بہرحال، اللہ نے فرمایا وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ایک وقت تک آپ ان سے رخ پھیر لیں وَاَبْصِرْ آپ دیکھتے رہیں کہ کیا ہوتا ہے فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ پس عنقریب یہ بھی دیکھ لیں گے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے اور کون مبتلائے عذاب ہوتا ہے۔ فرمایا آپ کچھ دیر انتظار کریں اور حالات کا مشاہدہ کرتے رہیں۔

خلاصہ مضامین

آپ آخر میں اللہ نے سارے مضامین کا خلاصہ دے دیا ہے۔ یہ گویا ساری سورۃ کا نچوڑ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ تیرا پروردگار جو تمام عزت کا رب ہے وہ پاک ہے ان چیزوں سے جو یہ لوگ اپنی زبانوں سے بیان کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کی کفر و شرک کی باتیں، خدا کی اولاد تجویز کرنے کی بات فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دینا اور اللہ کا رشتہ جنوں کے ساتھ قائم کرنا، ابلیس کو خدا کا بھائی سمجھنا، دو خداؤں پر اعتقاد رکھنا، اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اس کے علم یا قدرت میں کسی کو شریک بنانا یہ سب بیہودہ باتیں ہیں جن سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لغویات سے منزہ ہے۔

رسولوں پر سلام

اللہ کے نبی اور رسول ہمیشہ ایمان اور توحید کی دعوت دیتے رہے انہوں نے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانے کی جدوجہد کی، کفر و شرک کو چھڑا کر ایمان و توحید کا درس دیا، ہدایت کا راستہ واضح کیا۔ اللہ کے پیغمبر اللہ کے نزدیک نہایت ہی برگزیدہ اور پاک ہستیاں ہوتے ہیں۔ وہ اپنی زندگیاں دین کے مشن

کو پورا کرنے کے لیے لگا دیتے ہیں حتیٰ کہ اپنی جان کی پرواہ بھی نہیں کرتے لہٰذا ان پر سلام بھیجنا چاہیے۔ اس لیے فرمایا وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ، اور سلامتی ہو اللہ کے بھیجے ہوئے رسولوں پر۔ حدیث شریف میں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب تم مجھ پر سلام بھیجو تو اللہ کے سارے رسولوں پر سلام بھیجا کرو اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ رسولوں پر سلام بھیجنے کے لیے اس آیت کی تلاوت بھی کافی ہے۔ سورۃ کی یہ آخری تین آیات شہ رگ ہے، رسولوں پر سلامتی کے ذکر کے ساتھ نبوت و رسالت کا مضمون بھی بیان ہو گیا۔

حمد باری تعالیٰ

رسولوں پر سلام کے بعد حمد باری تعالیٰ کے طور پر فرمایا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس سے مراد تمام جہاں ہیں خواہ وہ ارضی ہوں یا سماوی، عالم بالا کے ہوں یا عالم زیریں کے، علوی ہوں یا سفلی، تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اسی طرح مختلف انواع و اقسام کے جہان بھی الگ الگ ہیں جیسے چیونٹیوں کا جہان، مچھلیوں کا جہان، پرندوں اور درندوں کا جہان، بحر و بر کا جہان، برزخ کا جہان، حشر کا جہان اور آخرت کا جہان۔ ان تمام جہانوں کا پرورش کنندہ بھی اللہ رب العزت ہی ہے، لہٰذا ساری حمد و ثنا اسی کے لیے ہے۔ طبرانی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جس شخص نے ہر نماز کے بعد یہ آخری تین آیات تین دفعہ تلاوت کیں، اس نے گویا اپنے لیے پورے پیمانے پر اجر حاصل کر لیا۔ کم از کم ایک مرتبہ تو ضرور پڑھ لینی چاہئیں۔ کسی مجلس میں بیٹھ کر طرح طرح کی باتیں ہوتی ہیں، اس لیے حضور علیہ السلام نے تعلیم دی ہے کہ ہر مجلس کے اختتام

۱۔ قرطبی ص ۱۳۲ ج ۱۵ و ابن کثیر ص ۲۵ ج ۴ و طبری ص ۱۱۲ ج ۲۳

۲۔ ابن کثیر ص ۲۵ ج ۴ و روح المعانی ص ۱۵۹ ج ۲۳ (فیاض)

پڑھ لی یہ آیات تلاوت کرلینی چاہئیں۔ اگر ان آیات کے آخر میں یہ بھی کہہ دیا جائے سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ تو اللہ تعالیٰ اس مجلس کی ساری غلطیاں معاف فرما دیگا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر ہے جس سے عقیدہ درست ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بھی ہے اور رسولوں پر سلامتی کا ذکر بھی ہے اور یہ آیات دراصل یہ ساری سورۃ کا لب لباب ہے جو آخر میں بیان کر دیا گیا ہے۔

حج پر جانے والے خواتین و حضرات کے لیے انمول تحفہ

احکام حج

مع زیارات مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ

تصنیف

محمد فیاض خان سواتی

اس کتاب میں حج کا طریقہ اور اس میں پیش آنے والے تمام مسائل کو درج کیا گیا ہے۔

صفحات ۲۸۸ قیمت ۲۰ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

حیّ علی الفلاح

از

حضرت مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

مدرس مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

نمازِ مسنون کلاں مصنفہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان صاحب سواتی مدظلہ قرآنِ کریم، احادیثِ مبارکہ، اقوالِ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ سلف صالحینؒ اور اہلِ سنت والجماعت احناف کے مسلک کے مطابق ایک اہم ترین جامع اور مثبت دلائل سے مزین کتاب ہے۔ اہلِ حدیث (غیر مقلدین) نے اسکی شہرت اور مقبولیت سے خائف ہو کر اسکی اہمیت کو کم کرنے کے لیے نمازِ مسنون کے بعض مسائل پر بے جا اعتراضات کر دیے جو کہ "حی علی الصلوٰۃ" نامی کتاب کی صورت میں شائع ہوئے تھے ان اعتراضات کے مدلل جوابات آپکو اس کتاب "حی علی الفلاح" میں ملیں گے۔ اور غیر مقلدین کی کذب بیانیاں اور خیانتیں واضح ہوں گی۔

ضخامت : ۹۶ صفحات

قیمت : ۱۸/- روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

نمازِ مسنون کلاں

تالیف

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید صاحب سواتی

دامت برکاتہم

نماز مسنون خورد کے بعد نماز مسنون کلاں ایک ایسی مفید اور نماز کے موضوع پر جامع کتاب ہے جو نماز کے تمام ضروری مسائل مع قوی دلائل از کتاب و سنت، احادیث صحیحہ، تعامل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مضبوط اقوال سے مزین ہے جس میں طہارت، اذان، اوقاتِ نماز، فرائض، سنن و مستحبات، مکروہات و مفسدات کا پورا بیان ہے۔ ارکان، واجبات و سنن کی پوری حکمت اور ضروری مباحث درج ہیں۔ جمعہ و عیدین، نماز جنازہ اور نوافل وغیرہ کے جملہ اہم مباحث اور اس کے ساتھ اذکار و دعوات اور خطبات کا ایک بہترین نصاب درج ہے۔

عام قارئین کے علاوہ علماء کرام، اساتذہ عظام اور خصوصاً طلباء علم دین کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے جس کا انداز بیان اور زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔

عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت، معیاری جلد بندی، قیمت ۱۷۵/۰ روپے

ناشر

مکتبہ دروس القرآن

فاروق گنج گوجرانوالہ

مباحث کتاب الایمان کی تسہیل و توضیح

مقدمہ صحیح مُسلم

صحیح مسلم شریف، علم حدیث کی تین اہم ترین کتابوں میں ایک ہے اور صحیح بخاری کی طرح تمام صحیح اور حسان روایات پر مشتمل ہے۔ قرنِ سوم سے آج تک متداول چلی آ رہی ہے۔ اس میں کتاب الایمان ایک طویل اور اہم باب ہے جس کو امام مسلم نے سب سے پہلے درج کیا ہے۔ اس میں ایمانیات کے جملہ مسائل کا ذکر ہے اور بعض مباحث اس کے نہایت اہم وقیع اور مشکل ہیں۔ ان مباحث کی توضیح و تعبیر دینیات کی تعلیم کے طریق پر اس رسالہ میں بیان کی گئی ہے جن کو سمجھنے سے ایمان کے جملہ مسائل نہایت ہی عمدہ طریق پر دل نشین ہو جاتے ہیں۔ اختلاف و اشکالات وغیرہ بخوبی حل ہو جاتے ہیں۔

نیز مقدمہ میں امام مسلم نے علم اصولِ حدیث کے ایسے اہم ترین مباحث ذکر کیے ہیں جو عام فن حدیث میں بہت کارآمد ہیں۔ خصوصاً مسلم شریف کی احادیث میں بے حد مفید ولائق بحث ہیں۔ مقدمہ اپنی عبارات کے اعتبار سے مشکل بھی ہے اس لیے اس کی تسہیل و توضیح مختصر طریق پر اور بہترین انداز میں کی گئی ہے۔

علم حدیث کے طلبہ کرام کے لیے بہت نافع ہو گی اور اس کے پڑھنے سے بہت لوگوں کو فائدہ ہو گا۔ مصنف: حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدظلہ

عمدہ کتابت و طباعت ، قیمت ۳۵/- روپے

ناشر

مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قرآن مجید مترجم

ترجمہ

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

بانی مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

قرآن مجید کے صحیح ترجموں میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیو بندیؒ۔ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ ۔ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تراجم مشہور اور مقبول ہیں۔ حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے بھی موجودہ دور کے مطابق جدید اردو زبان میں یہ ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلے حضرت صوفی صاحب مدظلہ کی تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کی بیس جلدوں میں بھی شائع ہو چکا ہے اور حال ہی میں عمدہ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۷۹۴ صفحات پر مشتمل شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔ قیمت ۲۵۰

ناشر مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

اجوبۂ اربعین

(ردِ روافض)

[از حجۃ الاسلام مجدد دین و علوم بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ]

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نام نامی ہی اس بات کی ضمانت کے لئے کافی ہے کہ کتاب علوم و معارف، حقائق و دقائق کا مجموعہ ہے۔

اجوبۂ اربعین میں حضرت نانوتویؒ کے علوم و فیوض، مناظرانہ و متکلمانہ مضامین کا وقیع سرمایہ ہے۔ یہ کتاب اہل رفض و تشیع کے رد میں ہے، اس کتاب میں اہل رفض و تشیع کی طرف سے اہل السنت والجماعت پر کئے گئے چالیس اعتراضات کے عقلی و نقلی طور پر دندان شکن اور مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔

حصہ اول میں اٹھائیس اعتراضات کے جوابات ہیں جو حضرت نانوتویؒ نے ایک نشست میں لکھ دیئے، اس حصہ میں حضرت کے ساتھ حضرت کے داماد مولانا عبد اللہ انصاریؒ سابق ناظم شعبہ دینیات علی گڑھ یونیورسٹی بھی شریک تھے، ہر سوال کا ایک ایک جواب ان کا بھی ساتھ شامل ہے۔

حصہ دوم: بارہ اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے اور یہ صرف حضرت نانوتویؒ کے قلم و رقم کا مرہون منت ہے، اس میں دقت نظر، زیرکی، تطبیق حقائق، معارف، لطائف و ظرائف کا گنج گراں مایہ موجود ہے۔ حضرت نے اس حصہ میں مشہور مسئلہ فدک، وراثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اہم مسائل کے علاوہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ حصہ زیادہ دقیق اور مشکل اور بہت سے اہم علمی نکات پر مشتمل ہے۔

الحمد للہ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نے اس کتاب کو نہایت محنت کے ساتھ کتاب میں سرخیوں، حوالہ جات کے مآخذ، پیروں اور متعدد جگہ حواشی لگا کر کتابت اعلیٰ طباعت و معیاری جلد بندی کیساتھ طبع کرایا ہے۔ کتاب کے شروع میں حضرت مفتی (مولانا) عبد الحمید فاضل دار العلوم دیوبند و بانی مدرسہ نصرۃ العلوم کا ۷۰ صفحات پر مشتمل مفید مقدمہ لگا دیا گیا ہے۔

طبع دوم — قیمت ۹۰/- روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

معالم العرفان فی دروس القرآن

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

رفیقِ ٹنگ

بلال احمد ہاشمی صاحب

ترتیب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔ اے۔ علوم اسلامیہ)

زیرِ اہتمام

انجمن محبان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ

محمد منیر صاحب 221943

مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ